جہانے را دِگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

تذکرۂ امامِ ربّانی مُجدّدِ الفِ ثانی

قدّس سِرّہٗ العزیز

مرتبہ

مُحمّد منظور نعمانی

مدیر "الفرقان" لکھنؤ (انڈیا)

ناشر

مکتبہ سراجیّہ خانقاہِ احمدیّہ سعیدیّہ ○ موسیٰ زئی شریف

ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ (پاکستان)

نام کتاب	تذکرۂ امام ربانی مجدد الف ثانی
مُرتّب	مولانا محمد منظور نعمانی
طابع و ناشر انڈیا	کتب خانہ الفرقان لکھنؤ
طابع و ناشر پاکستان (پہلی بار)	محمد سعد سراجی مُرشد آبادی مالک مکتبہ سراج
عکسی اشاعت جدید (پاکستان)	۱۳۹۷ ہجری بمطابق ۱۹۷۷ء
ضخامت و سائز	۳۶۶ صفحات ۲۳ × ۱۸ / ۸
قیمت	PRICE RS.27/-

طابع: ایم منیر قاضی ملی پرنٹرز ۹۔ سرکلر روڈ لاہور

ملنے کا پتہ

مکتبۂ سِراجیّہ

خانقاہِ احمدیّہ سعیدیّہ۔ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں (پاکستان)

لاھور میں ملنے کا پتہ

میاں احمد۔ معرفت حضرت مولانا قاری حافظ شاہنواز صاحب امام و خطیب

جامع مسجد سیّداں والی۔ گیلانی سٹریٹ پاکستانی چوک

اچھرہ روڈ۔ اچھرہ لاہور

گذارش

"مکتبہ سراجیہ" کو اس امر کے اظہار پر فخر ہے کہ مکتبہ کا آغازِ کار ہی شریعت و طریقت کو ان کی حقیقی شکل میں اجاگر کرنے اور شریعت و طریقت سے متعلق لٹریچر کی اشاعت و طباعت سے ہوا ہے فالحمد للہ۔

آج جب کہ اسلام اور اس کے لوازم و متعلقات کے خلاف ہر سُو اہلِ فتن و ہوا متحد ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں اس امر کی ضرورت اور شدید ہو جاتی ہے کہ شریعت و طریقت کے رُخِ تاباں کو اور نمایاں کیا جائے۔

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس مبارک ہستی کے احوال کرامت مآل اور اس کے مشن کا بھرپور تذکرہ ہے جو ابوالبرکات بدرالدین حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی الاویسی الرحمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک اسم سے موسوم ہے اور دنیا اُسے **"مجدد الف ثانی"** کے مشہور و مقبول نام سے جانتی پہچانتی ہے۔ ع

ہر سُو ہے اُن کے نام کا ڈنکا بجا ہُوا

"مکتبہ سراجیہ" حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ ایڈیٹر "الفرقان" لکھنؤ (انڈیا) کا مشکور و ممنون ہے کہ انھوں نے مکتبہ سراجیہ کی درخواست پر "تذکرۂ امام ربانی مجدد الف ثانی" "تجلیاتِ ربانی" (تلخیص مکتوبات امامِ ربانی) اور مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ (اردو تلخیص) کی اشاعت و طباعت کے حقوق "مکتبہ سراجیہ" ہی کو ارزانی فرمائے۔

انشاء اللہ تعالیٰ مؤخر الذکر دو کتابیں بھی جلد ہی طبع ہو کر آپ کی آنکھوں کو نور اور

دلوں کو سرور بخشیں گی۔ مذکورہ تینوں کتابوں کے حقوقِ طباعت باقاعدہ طور پر مکتبہ سراجیہ ہی کو تحریراً حاصل ہیں۔ اس بابت مولانا نعمانی صاحب موصوف کے خاکسار کے نام دو گرامی ناموں کے عکس کتاب کے آخر میں ضم ہیں۔

مکتبہ سراجیہ کے قیام و بنا کا مقصدِ اولین ملتِ اسلامیہ کو ستھری اور اُجلی دینی و روحانی۔ تاریخی اور ادبی کتب طبع کر کے مہیا کرنا ہے۔

کارکنانِ مکتبہ سراجیہ کی یہ سعی و کوشش ہوگی کہ مشہور فی الآفاق مجمع البحار مظہر الانوار العالم۔ الفاضل والقطب الکامل حاجی الحرمین الشریفین عمدۃ السالکین۔ زبدۃ العارفین ناشر سنن سید المرسلین محبوب رب العلمین سراج الملت والدین حضرت خواجہ محمد سراج الدین صاحب دامانی رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر فتوح کے سامنے جن کے نام نامی کے ساتھ مکتبہ سراجیہ کو نسبت ہے شرمندہ و شرمسار نہ ہو بلکہ جو مقصد و ہدف اس کے پیش نظر ہے اس میں کامیاب و بامراد ہو۔

بجاہِ حَبِیبِہِ الْکَرِیمِ الْعَظِیمِ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَلْفُ اَلْفِ التَّحِیَّۃِ وَالتَّسْلِیْمُ وَاللّٰہُ تَعَالٰی سُبْحَانَہٗ وَلِیُّ التَّوْفِیْقُ وَخَیْرُ الرَّفِیْقُ

متعلقین و منسلکین خانقاہِ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف کیلئے یہ امر باعثِ صد مسرت ہوگا کہ جامع الشریعت والطریقت حضرت مولانا الحاج خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب سراجی مجددی مدظلہ العالی۔ سجادہ نشین خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں جیسی جامع صفات و کمالات ہستی مکتبہ سراجیہ کی سرپرست و دُعاگو ہے جو مکتبہ سراجیہ کیلئے باعثِ صد افتخار و وقار ہے۔ وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ۔

نیاز کیش :

خاکسار محمد سعد سراجی مرشد بابا

فہرست مقالات و عنوانات بقید صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

اب سے ۲۱ سال پہلے ۱۳۵۷ھ میں الفرقان کا "مجدد الف ثانی نمبر" شائع ہوا تھا۔ اس کے لیے محض اللہ تعالیٰ کی خاص مدد و توفیق نے امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کام اور آپ کے حالات و سوانح کے متعلق چند ایسے مقالات فراہم کرا دیے تھے جنھوں نے صرف آپ کے کام و مقام کا تعارف ہی نہیں کرایا بلکہ اللہ ہی کو علم ہے کہ کتنے دلوں میں احیاء دین کا جذبہ و حوصلہ بھی پیدا کر دیا، اور طریقۂ کار کے بارہ میں اصولی رہنمائی بھی کی۔ فللہ الحمد والمنۃ ——— اس نمبر کی اشاعت کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ اس وقت اس کا نکلنا اور اس کے لیے ان مقالات کا لکھا جانا کوئی محض اتفاقی بات نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص سوفت اس کی توفیق ایک لطیفۂ غیبی ہے۔ اور اس ملک میں جو نیا دور شروع ہو رہا ہے اُس میں دینی کام کرنے والوں کے لیے رہنمائی کا ایک سامان ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ دلوں اور دماغوں کو اور یہاں کے دینی ادب کو "الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر" نے جتنا متاثر کیا اُس کی نظیر ہماری دینی صحافت میں تلاش کرنے سے بھی شاید ہی مل سکے۔ یہ محض فضل تھا اللہ تعالیٰ کا اور برکت تھی اس کے اس مخلص بندے کی جس کے حالات و سوانح اور دین کی حفاظت و تجدید کے سلسلہ کے اس کے کاموں کا اس میں تذکرہ کیا گیا تھا۔

اس نمبر کی اشاعت سے یہ بات بھی پہلی دفعہ کھل کر سامنے آئی کہ مسلمانوں کی دینی زندگی کے لیے جو سنگین مسائل اس ملک میں پیدا ہو رہے ہیں اور ہوں گے اُن کے بارے میں سب سے زیادہ رہنمائی یہاں کے دین کے خادموں کو امام ربّانی مجدد الف ثانی کی زندگی سے اور آپ کے تجدیدی جہاد سے مل سکے گی۔ جو عام طور پر آپ کے مکتوبات کے ضخیم دفتروں میں اور آپ سے متعلق دوسری اہم کتابوں میں محفوظ ہے، البتہ اس کو موجودہ زمانہ کی ضرورت کے مطابق نئے طرز سے مرتب کرنے کی ضرورت ہے ـــــ اس بات کو اُجاگر کرنے اور محسوس کرانے میں سب سے زیادہ حصہ اور دخل مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقالہ کا تھا جو "مجدد نمبر" میں "الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اور ایک لحاظ سے گویا اس نمبر کی جان تھا۔

اسی بنا پر اس عاجز کے اور مولانا ممدوح کے درمیان یہ بات طے ہوئی تھی کہ وہ اس مقالہ ہی کے منہاج پر اور ضرورت وقت کے نقطۂ نگاہ سے حضرت مجدد قدس سرہ کی مستقل سوانح حیات لکھیں گے اور یہ عاجز اس پر مقدمہ لکھے گا اور اس کی طباعت و اشاعت کا بھی اہتمام کرے گا ـــــ لیکن اللہ تعالیٰ ہی اپنے فیصلوں کی حکمتوں کا جاننے والا ہے، ابھی یہ منصوبہ ہی تھا کہ مولانا مرحوم اس دنیا سے اُٹھا لیے گئے، اور اُن بیسیوں علمی کاموں کے ساتھ جن کی ان سے توقع تھی اور وہ انہی کے کرنے کے تھے یہ کام بھی رہ گیا ـــــ "وَکَمْ حَسَرَاتٍ فِی بُطُوْنِ الْمَقَابِرِ" ـــــ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین

بہرحال وہ ضرورت اپنی جگہ باقی ہے اور کوئی نہیں ہے جو وہ لکھ سکے جو مولانا مرحوم لکھنے۔ اُن کا رسا ذہن اور ان کی زبان و بیان کوئی کہاں سے لائے۔

عرصہ تک غور کرنے کے بعد اس عاجز نے اس سلسلہ میں یہ طے کیا کہ حضرت مجدد

قدس سرہ کی کسی نو تصنیف سوانح حیات کے بجائے، آپ سے متعلق دو مجموعے الگ الگ شائع کر دیے جائیں، ــــ ایک آپ کے مکتوبات کا ایک جدید انتخاب جس میں مکتوبات کے تینوں دفتروں سے وہ تمام مکاتیب لے لیے جائیں جن سے حضرت ممدوح کے تجدیدی کام پر روشنی پڑتی ہے اور جن میں اس دور کے (خاص کر برعظم ہند و پاک کے) مسلمانوں کے لیے وہ خاص رہنمائی اور روشنی ہے جس کے وہ آج اپنی زندگی کے انفرادی و اجتماعی مسائل میں خصوصیت سے محتاج ہیں۔

اور دوسرا مجموعہ مولانا گیلانی مرحوم اور دوسرے حضرات کے اُن چند مضامین و مقالات کا جو مجدد نمبر میں یا اس کے بعد الفرقان کے کسی شمارہ میں شائع ہوئے ہیں اور جن کی یکجائی سے حضرت مجدد قدس سرہ کی زندگی اور آپ کے تجدیدی جہاد کی ایک حد تک مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے جس سے ہم آج کے اپنے مسائل میں روشنی اور رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں ــــ

امید ہے کہ ان دونوں مجموعوں سے انشاء اللہ وہ ضرورت بڑی حد تک پوری ہو جائے گی جس کے لیے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی ایک جدید سوانح کی تالیف کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔

ان میں سے پہلا کام یعنی مکتوبات کے انتخاب و ترتیب اور ترجمہ کا کام، میں نے اپنے مخلص دوست مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی کے سپرد کر دیا ہے، انشاء اللہ اسی سال (۱۳۷۸ھ) میں وہ اس کو مکمل کر لیں گے اور دوسرا مجموعہ حضرت مجدد قدس سرہ سے متعلق مضامین و مقالات کا اس کتاب کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔

اس میں سب سے پہلے صرف ایک صفحہ پر تو حدیث تجدید کی تخریج کے متعلق چند سطریں ہیں جن کے مطالعہ سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ جس حدیث پر دین میں سلسلۂ تجدید کی بنیاد ہے اس کو کن کن محدثین نے روایت کیا ہے اور محدثین کے نزدیک وہ کس درجہ کی

حدیث ہے۔

اس کے بعد اسی حدیث تجدید کی تشریح اور "تجدید دین کی حقیقت" پر ناچیز راقم سطور کا ایک مضمون ہے جو ابھی اس مجموعہ ہی کے لیے لکھا گیا ہے اور مختصر ہونے کے باوجود خود راقم کی نظر میں اس کی خاص اہمیت ہے ـــــ اس کے بعد "مجدد نمبر" والے مقالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلا مقالہ "الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ" مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس کی پہلی قسط قریباً پچاس صفحے پر مجدد نمبر میں شائع ہوئی تھی، اور دوسری قسط کئی مہینے بعد ربیع الآخر ۱۳۵۷ھ کے الفرقان میں شائع ہوئی تھی۔ یہ مقالہ صفحہ ۲۵ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۲۶ پر ختم ہوا ہے ـــــ

مولانا مرحوم کے مقالہ کے بعد متصلاً راقم سطور کا مقالہ ہے جس کا عنوان ہے "حضرت مجدد الف ثانی کا جہاد تجدید" چونکہ اس سے مولانا مرحوم کے مقالہ کے بعض اشارات کی وضاحت ہو جاتی ہے اور دونوں کا اصل موضوع اور مدعا بھی قریب قریب ایک ہی ہے۔ اس لیے اس مقالہ کو مولانا کے مقالہ کے بعد متصلاً ہی جگہ دینا مناسب سمجھا گیا، یہ مقالہ صفحہ ۱۳۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۱۶ پر ختم ہوا ہے۔

اس کے بعد تیسرا مقالہ حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب لکھنوی مجددی مدظلہ کا ہے۔ یہ مقالہ مجدد نمبر میں "الخطبۃ الشوقیہ" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ یہ مقالہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کا نہایت شوق انگیز اور ساتھ ہی مستند ترین تذکرہ ہے، جو صرف آپ کے مکتوبات شریف سے مرتب کیا گیا ہے ـــــ

جہاں تک اس عاجز کا اندازہ ہے حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب مدظلہ کو ہمارے علمی اور دینی حلقوں میں بھی ایک صاحب تصنیفات عالم اور مرحوم "النجم لکھنؤ" کے مدیر، اور شیعوں کے مقابلہ میں اہلسنت کے وکیل اور مناظر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، حالانکہ مولانا ممدوح کا اصلی مقام یہ ہے کہ وہ نقشبندی مجددی امانت کے امین ایک شیخ وقت

ہیں۔ اور اپنے سلسلہ کے اکابر مشائخ میں سے خاص کر حضرت امام ربّانی قدس سرہ سے تو ان کا ایسا قلبی تعلق ہے کہ جب ذکر چھڑ جائے تو معلوم ہوتا ہے زبان نہیں بلکہ دل بول رہا ہے' مولانا ممدوح کے اس حال کی جھلک ناظرین کرام انشاء اللہ ان کے اس مقالہ میں بھی محسوس کریں گے ــــ حضرت مولانا نے اپنے اس مقالہ میں مکتوبات امام ربّانی کے فارسی اقتباسات کا اردو میں ترجمہ نہیں کیا تھا اور "مجدد نمبر" میں وہ اسی طرح شائع ہوا تھا، لیکن اب یہ محسوس کرکے کہ اس قسم کی کتابوں سے فائدہ اٹھانے والوں میں بڑی تعداد فارسی نہ جاننے والوں کی ہوتی ہے، تمام فارسی عبارات کا ترجمہ بھی کرادیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ ہمارے کرمفرما دوست اور حضرت مولانا مدظلہ کے مخلص نیازمند اور رفیق جناب مولنا قاری محمد صدیق صاحب لکھنوی (استاذ دار المبلغین لکھنؤ) نے میری استدعا پر کیا ہے۔ اس کے لیے میں ان کا بہت ممنون اور شکرگزار ہوں' اللہ تعالیٰ ان کو اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ حضرت مولانا کا یہ مقالہ صفحہ ۴۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۹۶ پر ختم ہوا ہے۔ اس کے بعد دو صفحہ پر مکتوبات امام ربانی کا کچھ اجمالی تعارف ہے، یہ مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری کے اس مضمون سے ماخوذ ہے جو مجدد نمبر میں شائع ہوا تھا۔

اس کے بعد ایک عنوان ہے "حضرت مجدد الف ثانیؒ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی نظر میں"۔ اور چند صفحے کے بعد دوسرا عنوان ہے "نواب صدیق حسن خاں مرحوم کا خراج عقیدت"۔ ان دونوں عنوانوں کے تحت حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری (حال صدر مفتی دار العلوم دیوبند) کے اس مقالہ کے دو اقتباس درج کیے گئے ہیں جو "مجدد نمبر" میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد ایک عنوان ہے "حضرت مجدد الف ثانی یورپ کی نظر میں"۔ اس کے ذیل میں مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی ایک مختصر تحریر ہے جو مولانا نے "مجدد نمبر" کے لیے لکھی تھی۔

اس کے بعد ہمارے دوست مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی کا مقالہ ہے جس کا عنوان ہے "تذکرۂ خلفاء مجدد

الف ثانی''، اس میں حضرت امام ربّانی کے تمام مشہور خلفاء کے کچھ حالات لکھے گئے ہیں، ان حالات سے حضرت امام ربّانی کے کام کی وسعت اور آپ کے طریقہ کار پر خاص روشنی پڑتی ہے۔

اس مجموعہ کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ اب سے قریباً ساڑھے تین سو سال پہلے اکبر کے عہد حکومت میں اسلام اور اُمتِ مسلمہ کو اس ملک میں کتنے سخت ناموافق حالات کا سامنا تھا، مہیب فتنوں کی کیسی یلغار تھی، دین اور حاملانِ دین کے لیے حالات کس قدر خطرناک تھے، مسلمانوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والے اسلام سے ہٹانے کی کیسی دجّالی سازشیں ہو رہی تھیں اور حکومت کی سرپرستی میں اور اس کے پورے وسائل کی مدد سے اصلی اسلام کو ہندوستان سے جلاوطن کرنے اور مسلمانوں میں ایک نئے دین کو مقبول بنانے کے لیے کیا کچھ ہو رہا ہے "وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ"۔

پھر اللہ کے ایک بندہ شیخ احمد سرہندی نے ان ہی تیرہ و تاریک حالات میں دین کی حفاظت و تجدید کا کام کس طرح شروع کیا اور کس طرح وقت کے شیطانی فتنوں، دجّالی سازشوں اور حکومت کی طرف سے پھیلائی جانے والی سخت گمراہیوں سے مسلمانوں کو اور اُن کے دین کو بچایا، اور آخر میں حکومت کے رُخ کو بھی درست کر دینے میں آپ کتنے کامیاب ہوئے۔

اس مجموعہ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ امام ربانی نے یہ سارا کام وقت کے ایک شیخ اور صوفی کی حیثیت سے کیا اور اس سلسلۂ تصوف ہی کو اپنی اس پوری مہم کا ذریعہ بنایا جس کے خلاف زبانی اور قلمی جہاد کرنا آج کے بہت سے مجاہدینِ لسان و قلم کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔

نیز اس مجموعہ کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ "تجدید و احیاء دین" کا کام حکومتی انقلاب کے سیاسی منصوبوں اور پروگراموں کے بغیر بھی اور پولیٹیکل پارٹیوں کے طرز کی کوئی

دینی پارٹی بنائے بغیر بھی ہو سکتا ہے، اور ہوا ہے، اور ایسا ہوا ہے کہ تجدید و احیاء دین کی پوری تاریخ میں اتنے کامیاب انقلاب کی مثال ملنی مشکل ہے۔

اگر اللہ توفیق دے تو دین کے وہ سب دردمند جو کفر و الحاد اور مادہ پرستی کے عام غلبہ کی وجہ سے (خاص کر اُن ملکوں میں جن کو اسلامی ممالک کہا جاتا ہے) احیاء دین کی جدوجہد کے معاملہ میں اپنے کو بالکل بے بس اور بے دست و پا سمجھ رہے ہیں، حضرت امام ربانی کی جدوجہد اور طریق کار سے بہت کچھ رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں، اس طریق کار کے لیے ہر جگہ راستہ کھلا ہوا ہے۔ لیکن جن کی تشفی وقت کے چلتے ہوئے سیاسی نعروں ہی سے ہو سکتی ہے اُن کا کوئی علاج نہیں ـــــ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

رجب ۱۳۷۸ھ

(جنوری ۱۹۵۹ء)

حدیث تجدید اور اس کی تخریج

مجدد کی اصطلاح ایک حدیث سے ماخوذ ہے جس کو اصحاب صحاح میں سے امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کا متن یہ ہے

ان اللہ عزوجل یبعث لھذہ	اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال
الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ	کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرے گا جو اس
من یجدد لھا دینھا۔	کے لیے اس کے دین کو نیا اور تازہ کرتے
(سنن ابی داؤد باب ما یذکر فی قرن المائۃ)	رہیں گے۔

اس حدیث کو حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ (صفحہ ۵۲۲ ج ۴)

ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ابوداؤد اور حاکم کے علاوہ طبرانی کی معجم اوسط کا بھی اس حدیث کی تخریج کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے، اور سند و رجال کے بارہ میں لکھا ہے،

"سندہ صحیح و رجالہ کلھم ثقات"۔ (مرقاۃ صفحہ ۲۴۰ ج ۱)

اور کنزالعمال میں اس حدیث کو روایت کرنے والے محدثین میں امام بیہقی کا اور ان کی کتاب معرفۃ السنن والآثار کا بھی حوالہ دیا ہے۔ (کنزالعمال صفحہ ۲۳۸ ج ۶)

اور حضرت مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ نے مجموعۃ الفتاویٰ میں اس حدیث کی تخریج کے سلسلہ میں ان کے علاوہ حلیۃ ابونعیم، اور مسند بزار اور مسند حسن بن سفیان اور کامل ابن عدی کا بھی ذکر کیا ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ صفحہ ۱۵۱ ج ۲)

[تخریج کے یہ سارے حوالے حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری کے اس مقالہ سے ماخوذ ہیں جو الفرقان کے مجدد نمبر ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوا تھا]

حدیث تجدید کی شرح
اور
مجدّدیت کی حقیقت

از محمد منظور نعمانی

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر جو گوناگوں احسانات فرمائے ہیں ان میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی ہدایت کے لئے اور اپنے قرب و رضا اور جنت کا ان کو مستحق بنانے کے لئے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ انسانی دنیا کے آغاز سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک یہ سلسلہ اس طرح جاری رہا کہ جب اور جس خطۂ زمین میں انسانوں پر گمراہی کا غلبہ ہوا اور انھیں آسمانی ہدایت کی ضرورت ہوئی تو اللہ تعالےٰ نے اپنا کوئی نبی ان میں بھیج کر ان کی رہنمائی اور دستگیری فرمائی، اس طرح ہزاروں سال یہ سلسلہ جاری رہا، اور انسانوں کی روحانی استعداد فطری طور پر بھی اور انبیاء علیہم السلام کی مسلسل تعلیم و تربیت کے ذریعہ بھی برابر ترقی کرتی رہی، یہاں تک کہ اب سے کوئی چودہ سو برس پہلے جب انسانیت روحانی استعداد کے لحاظ سے گویا بالغ ہوگئی اور دنیا کے مختلف حصوں کے درمیان اسی زمانہ میں روابطہ اور تعلقات بھی قائم ہونے کی صورتیں پیدا ہوگئیں اور آمد و رفت کے وہ وسائل پیدا ہونے لگے جن کی وجہ سے ایک طرف کے علوم و افکار دوسری طرف منتقل ہونا ممکن ہوگیا اور مختلف حصوں میں بٹی ہوئی دنیا جب اس طرح ایک دنیا بن گئی تو حکمتِ الٰہی نے فیصلہ کیا کہ اب ایک ایسی کامل ہدایت اور ایسا مکمل دین پوری انسانی دنیا کو عطا فرما دیا جائے جو سب قوموں

کے حسب حال ہواور جس میں آئندہ کبھی کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہ ہو اور ایک ایسے نبی و رسول کے ذریعہ اس ہدایت اور اس دین کو بھیجا جائے جو سب ملکوں اور سب قوموں کا نبی ہو اور پھر اسی نبی پر نبوت کے اس سلسلہ کو ختم کر دیا جائے۔

حکمت خداوندی نے اس فیصلہ کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین بنا کر ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعہ بھیجے ہوئے مقدس صحیفۂ قرآن مجید میں ختم نبوت اور تکمیل دین کا اعلان بھی فرما دیا۔

پھر سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جس وسیع اور عالمگیر پیمانہ پر اس دین حق کی تبلیغ و اشاعت ہوئی اور آپ کی دعوت و تعلیم کے نتیجہ میں جو عظیم الشان روحانی اور اخلاقی انقلاب دنیا میں برپا ہوا اور پوری انسانی دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت و ہدایت کا جیسا دروازہ کھلا اور آپ کا اتباع کر کے دنیا کی مختلف قوموں میں جتنے لوگ حق آگاہ اور خدا رسیدہ بنے اور دنیا میں تہذیبوں اور تمدنوں کے ہزاروں انقلابوں کے باوجود انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام شعبوں میں رہنمائی کے لیے آپ کا لایا ہوا دین قریباً ڈیڑھ ہزار سال سے آج تک جیسا کافی ثابت ہو رہا ہے ـــــ یہ سب باتیں ہر سلیم الفطرت انسان کے لیے ہر حسّی معجزہ سے بڑھ کر اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ بیشک ساری انسانی دنیا کے لئے آپ نبی برحق اور خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کا لایا ہوا دین کامل و مکمل اور آخری دین ہے۔

پھر جس حکمت خداوندی نے ختم نبوت اور تکمیل دین کا یہ فیصلہ کیا اسی کا فیصلہ یہ بھی تھا کہ دوسرے عام نبیوں کی طرح خاتم انبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عمر طبعی ہی دی جائے گی، چنانچہ بعثت کے ۲۳ سال بعد ۶۳ سال کی عمر میں آپ کو اس دنیا سے اٹھا لیا گیا اور آپ کے بعد قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کا ذمہ خود لے کر اس کا ایک ظاہری انتظام اس

عالم تکوین میں یہ تجویز کیا کہ ہر زمانہ اور ہر دور کی ضرورت کے مطابق ایسے لوگ آپ کی امت میں پیدا ہوتے رہیں جو اس دین کی حفاظت و خدمت ہی کو اپنا وظیفۂ حیات بنائیں۔ چنانچہ ماضی کی تاریخ اور حال کا مشاہدہ گواہ ہے کہ ہر دور میں اس امت میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی رہی ہے جنھوں نے دین کے تعلم و تعلیم اور حفاظت و خدمت ہی کو اپنا خاص مشغلہ اور وظیفہ بنایا۔ یہاں تک کہ آج بھی جبکہ مادہ پرستی اور دنیا طلبی پوری انسانی دنیا پر گویا چھائی ہوئی ہے امت محمدی میں لاکھوں کی تعداد میں ایسے افراد موجود ہیں جو دین کے تعلم و تعلیم اور اس کی حفاظت و خدمت ہی کے کسی کام کو اپنی زندگی اور اپنی توانائیوں کا مصرف بنائے ہوئے ہیں —— یہ دراصل اللہ تعالیٰ کے تجویز کئے ہوئے اسی انتظام اور اس کی مشیت کے اسی فیصلہ کا ظہور ہے جس کا ذکر اوپر کی سطروں میں کیا گیا ہے۔

اور چونکہ یہ دین قیامت تک کے لئے اور دنیا کی ساری قوموں کے لئے تھا اور مختلف انقلابات سے اس کو گزرنا اور دنیا کی ساری قوموں اور ملتوں اور انکی تہذیبوں سے اس کا واسطہ پڑنا تھا اور ہر مزاج و قماش کے لوگوں کو اس میں آنا تھا اس لیے قدرتی طور پر ناگزیر تھا کہ جس طرح پہلے نبیوں کے ذریعہ آئی ہوئی آسمانی تعلیم و ہدایت میں طرح طرح کی تحریفیں اور آمیزشیں ہوئیں اور عقائد و اعمال کی بدعتوں نے ان میں جگہ پائی اسی طرح خدا کی نازل کی ہوئی اس آخری ہدایت و تعلیم میں بھی تحریف و تبدیلی کی کوششیں کی جائیں اور فاسد مزاج عناصر اس کو اپنے غلط خیالات اور اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کے لئے حقائق دینیہ کی غلط تاویلیں کریں اور سادہ لوح عوام ان کے دجل و تلبیس کا شکار ہوں اور اس طرح یہ امت بھی عقائد و اعمال کی بدعات میں مبتلا ہو جائے، اس لئے سلسلۂ نبوت ختم ہو جانے کے بعد اس دین حق کی حفاظت کے لئے ایک خاص

انتظام یہ بھی ضروری تھا کہ ہر دور میں کچھ ایسے بندگان خدا پیدا ہوتے رہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی خاص فہم وبصیرت عطا ہو جس کی وجہ سے وہ اسلام اور غیر اسلام اور سنت و بدعت کے درمیان امتیاز کی لکیر کھینچ سکیں۔ اور اسی کے ساتھ دین کی حفاظت کا خاص داعیہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں میں ڈالا جائے اور اس راہ میں ایسی عزیمت بھی ان کو عطا فرمائی جائے کہ ناموافق سے ناموافق حالات میں بھی وہ اس قسم کے ہر فتنہ کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جائیں اور دین حق کے چشمۂ صافی میں الحاد و بدعت کی کوئی آمیزش نہ ہونے دیں۔ اور امت کے عقائد یا اعمال میں جب کوئی زیغ یا فساد پیدا ہو یا غفلت اور بے دینی کا غلبہ ہو تو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک وفادار لشکری کی طرح وہ اس کی بیخ کنی کے لئے اپنی پوری طاقت کے ساتھ جدوجہد کریں اور کوئی لالچ اور کوئی خوف ان کے قدم نہ روک سکے ——— اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اس ضرورت کا بھی تکفل فرمایا اور اس کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر حکمت الٰہی کے اس فیصلہ کا اعلان فرمایا کہ ——— اللہ تعالیٰ میری امت میں قیامت تک ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو دین کی امانت کے حامل وامین اور محافظ ہوں گے، وہ اہل افراط و تفریط کی تحریفات، اہل زیغ وہوی کی تراشی ہوئی بدعات اور حق ناآشنا مدعیوں کی تاویلات سے دین کو محفوظ رکھیں گے اور اس کو اس کی بالکل اصلی شکل میں (جس میں کہ وہ ابتدا میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا تھا) امت کے سامنے پیش کرتے رہیں گے اور اس میں نئی روح پھونکتے رہیں گے ——— اسی کام کا اصطلاحی عنوان **تجدید دین** ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں سے یہ کام لے وہی **مجددین** ہیں۔

بعض لوگوں کی باتوں سے محسوس ہوتا ہے کہ مجددیت کے بارہ میں ان کا تصوّر

کچھ ایسا ہے کہ گویا وہ نبوت سے چھوٹے درجہ کا کوئی خاص منصب ہے، اور ہر صدی میں اللہ تعالیٰ اپنے بس کسی ایک خاص بندے کو اس منصب پر فائز کرتا ہے اور اس صدی کے مسلمانوں کی فلاح وسعادت اور دینی وروحانی کمالات کا حصول اس پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ اپنی صدی کے اس مجدد کو پہچانیں اور اس کا اتباع کریں۔

اس عاجز کو کافی تلاش اور مطالعہ کے بعد بھی مجددیت کے اس تصور کی کتاب و سنت میں کوئی اصل و بنیاد نہیں مل سکتی   سنن ابی داؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ کی وہ مشہور حدیث جو اس مسئلہ تجدید کی گویا تنہا اساس و بنیاد ہے، اس کا مطلب ومفاد جو اس کے الفاظ سے سمجھا جاسکتا ہے وہ بس اتنا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ (جو اپنے اعلان ومنشور "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون" کے مطابق دین کی حفاظت کا ذمہ لے چکا ہے) ہر دور میں ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو آمیزشوں اور آلائشوں سے دین کو صاف کرتے اور نکھارتے رہیں گے اور اس کی رگوں میں اپنی جدوجہد سے تازہ خون دوڑاتے رہیں گے ـــــ حدیث کے الفاظ (جو چند صفحے پہلے بھی درج ہو چکے ہیں) یہ ہیں۔

"ان اللہ عزوجل یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا"

اس میں جو "من" کا لفظ ہے وہ جس طرح واحد اور فرد کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی طرح جمع اور جماعت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، بلکہ شارحین حدیث نے خاص اسی حدیث کی شرح میں بھی اسکی تصریح کی ہے (ملاحظہ ہو "مرقاۃ الصعود" از علامہ سیوطیؒ اور "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" از علامہ علی قاری مکیؒ) اسی طرح جن حضرات نے اس حدیث کے لفظ راس کی وجہ سے کسی کے مجدد ہونے کے لئے بطور شرط کے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اس کا تجدیدی کام صدی کے سرے پر (یعنی صدی کے شروع میں یا آخر میں) جاری

ہونا چاہئے، اور صدی سے انھوں نے یہی معروف ہجری صدی مراد لی ہے، (اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے) ان سے یقیناً لغزش ہوئی ہے۔ سنہ ہجری کا یہ نظام تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے قائم ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو یہ نظام تھا ہی نہیں اور یہ اصطلاح اس وقت تک وضع ہی نہیں ہوئی تھی، اس لئے اس حدیث کے لفظ "کل مائۃ سنۃ" سے ہجری صدی مراد لینا صحیح نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کا مطلب بس "کل قرن" ہوگا اور پھر رأس کی قید کو اتفاقی ہی ماننا پڑیگا۔[1] اور اس بنا پر حدیث کا مطلب بس یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر قرن اور ہر دور میں اس امت مسلمہ میں ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو اس امت کے لئے دین کی تجدید کرتے رہیں گے یعنی اہوال اور زمانہ کی آلائشوں اور آمیزشوں سے اس کو صاف کرتے اور نکھارتے رہیں گے اور اس کی رگوں میں تازہ خون دوڑاتے رہیں گے۔

اور اس امت کی تاریخ گواہ ہے کہ ایسے بندے ہر دور میں برابر پیدا ہوتے رہے ہیں، اور دین کی تجدید کا یہ سلسلہ مسلسل جاری رہا ہے، اور ہماری دینی تاریخ ہی اس کی بھی شاہد اور مصدق ہے کہ تجدید کا یہ کام کبھی اور کسی ملک میں ہجری صدی کی ابتداء میں ہوا ہے کبھی اور کہیں وسط میں اور کبھی اور کہیں اواخر میں ـــــــــــ نواب

---

[1] اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ حدیث کے لفظ "کل مائۃ سنۃ" سے صدی کا کوئی متعین نظام مراد ہو ہی نہیں سکتا، سنہ ہجری کی اصطلاح تو اس وقت وضع ہی نہیں ہوئی تھی، اس کے علاوہ ولادت نبوی یا بعثت نبوی یا وفات نبوی کے حساب سے صدی کا نظام متعین کرنے کا بھی کوئی قرینہ حدیث میں نہیں ہے۔ اس لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ حدیث کے لفظ "کل مائۃ سنۃ" کا مطلب بس "کل قرن" سمجھا جائے اور ظاہر ہے کہ جب اس لفظ سے صدی کا کوئی متعین نظام مراد نہیں رہا تو پھر "راس" کے لفظ کو قید اتفاقی بلفظ دیگر مقحم ہی ماننا پڑے گا جیسے کہ عربی میں "علی رؤس الاشہاد" میں رؤس کا لفظ مقحم ہے اور فارسی یا اردو میں "برسر منبر" اور "برسر مجلس" میں سر کا لفظ مقحم ہوتا ہے۔

صدیق حسن خاں مرحوم نے "حجج الکرامہ" میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ

مراد برأس بدایت مائہ نیست بلکہ مقصود بعثت مجدد درہر مائہ است خواہ در اول بعوث باشد یا در وسط یا در آخر و تقیید رأس اتفاقی است و غرض آنست کہ ہیچ مائہ از وجود کدام مجدد دین خالی نہ باشد و وجود ...... مجددین در ہر مائہ از اوائل و اواسط و اواخر موید تصحیح این احتمال است۔ (حجج الکرامہ ص۱۳۴)

"راس مائۃ" سے مراد خاص صدی کا آغاز نہیں ہے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی میں مجدد کھڑے کرے گا، خواہ شروع میں خواہ درمیان میں خواہ آخر میں، اور رأس کی قید محض اتفاقی ہے، اور غرض حدیث کی صرف یہ ہے کہ کوئی صدی کسی مجدد کے وجود سے خالی نہ رہے گی، اور ہر صدی کے اوائل اور اواسط اور اواخر میں مجددین کا ہونا اس احتمال کے صحیح ہونے کی تائید کرتا ہے۔

اس حدیثِ تجدید کی شرح کے سلسلہ میں ایک یہ بات بھی سوچنے اور سمجھنے کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا اصل منشا اور اس سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ بعض حضرات کی تحریروں اور ان کے طرزِ عمل سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس ارشاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ امت حق و ناحق میں تمیز کرنے کے لئے اور دین میں صحیح رہنمائی حاصل کرنے کے لئے اپنی صدی کے مجدّد کو تلاش کیا کرے اور پہچانا کرے اور جب کسی کے بارہ میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو اس کا اتباع کیا کرے، حقیقی فلاح و سعادت بس اسی کے اتباع سے نصیب ہوگی۔

اس ناچیز کے نزدیک ایسا سمجھنا غلط اور بہت غلط ہے، اس صورت میں تو یہ حدیث امت میں سخت اختلاف و تفرق اور فتنہ کی بنیاد بنے گی، ہر طبقہ اپنے علم و اندازہ اور اپنی عقیدتمندی کے لحاظ سے کسی کو مجدد کہے گا اور اصرار کرے گا کہ فلاح و سعادت بس اسی کے اتباع سے وابستہ ہے اور جو لوگ اس کے دامن سے وابستہ نہیں ہیں وہ فلاح و سعادت سے محروم ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ امت میں نئے نئے اختلافات پیدا ہوتے رہیں گے اور امت ان اختلافات کی وجہ سے مختلف گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہوتی رہے گی۔ اس لئے اس حدیث کا یہ مقصد و منشا تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔

دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس ارشاد سے امت کو یہ اطمینان دلانا ہے کہ یہ دین کبھی محرف نہیں ہو سکے گا اور نہ مرور زمانہ سے یہ بوسیدہ ہوگا اور نہ زمانہ کے انقلابات اس کی حقیقت کو بدل سکیں گے، بلکہ اللہ تعالےٰ اس کی بقا اور حفاظت اور تجدید کا انتظام برابر کرتا رہے گا اور ہر دور اور ہر قرن میں ایسے بندے پیدا ہوتے رہیں گے جو دین پر سے اس گرد و غبار کو برابر جھاڑتے رہیں گے جو زمانہ کی ہواؤں سے اس پر پڑے گا اور اس کی کہنگی دور کرنے کے لئے اس کی رگوں میں تازہ خون اپنی جد و جہد سے دوڑاتے رہیں گے۔ اس تشریح کی بنا پر یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے محکم وعدے "اِنّا لہ لحٰفظون" کے سلسلہ کے ایک الٰہی انتظام کا بیان ہوگی اور ان دوسری حدیثوں کے ہم معنی ہوگی جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کو دوسرے الفاظ میں اور دوسرے عنوانوں سے بیان فرمایا ہے:-

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں "ابواب الاعتصام بالکتاب والسنۃ" کے زیر عنوان اس حدیث کی جو تشریح کی ہے اور اپنے خاص انداز میں اس کے

مقصد و منشا اور اس کی حقیقت پر جو روشنی ڈالی ہے اس کا حاصل یہی ہے جو اس
عاجز نے عرض کیا ــــ کم از کم اس کی ابتدائی چند سطریں یہاں بھی پڑھ لی
جائیں۔ فرماتے ہیں:-

قوله صلی الله علیه وسلم
ولا تجتمع هذه الامة
علی الضلالة" وقوله
صلی الله علیه وسلم
"یبعث الله لهذه الامة
علی راس کل مائة سنة
من یجدد لها دینها"
تفسیره فی حدیث آخر
یحمل هذا العلم من کل
خلف عدوله ینفون عنه
تحریف الغالین وانتحال
المبطلین وتاویل الجاهلین

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا یہ ارشاد کہ "میری یہ امت
کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی"
اور آپ کا یہ ارشاد کہ "اللہ تعالے
اس امت کے لیے ہر صدی کے
سرے پر ایسے بندے پیدا کرتا
رہے گا جو اس کے لئے اس کے
دین کو تازہ کرتے اور نکھارتے
رہیں گے" ٢

٢ آپ کے اِن ارشادات کی وضاحت اور تشریح آپ کی اس
حدیث سے ہوتی ہے (جو کتب حدیث میں مروی ہے) کہ میرے
لائے ہوئے اس علم یعنی دین کی امانت کو ہر زمانے کے اچھے
اور نیک بندے سنبھالیں گے اور اس کی خدمت و حفاظت کا
حق ادا کریں گے، وہ غلو اور افراط والوں کی تحریفوں سے اور کھوٹے
سکے چلانے والوں کی ملمع کاریوں سے اور جاہلوں کی فاسد تاویلوں

سے اس دین کی حفاظت کریں گے۔"

اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے اپنے خاص حکیمانہ اور عارفانہ انداز میں اس پر روشنی ڈالی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی حفاظت و تجدید کے اس نظام اور فیصلہ کا اصل سِرّ اور راز کیا ہے۔ لیکن ہم نے جس مقصد کے لیے شاہ صاحبؒ کا حوالہ دیا تھا وہ ان کی اتنی ہی عبارت سے پورا ہو جاتا ہے۔ . . . . . .

. . . .

جو ہم نے اوپر نقل کی ہے ــــــــ منقولہ عبارت میں جن تین حدیثوں کا ذکر ہے، شاہ صاحبؒ کے نزدیک ان سب کا مقصد و منشا ایک ہی ہے اور وہ یہی ہے کہ امت مطمئن رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ کا لایا ہوا دین محفوظ رہے گا اور آپ کا روشن کیا ہوا چراغِ ہدایت ہمیشہ یوں ہی روشن رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس امت ہی میں سے ایسے بندے ہر دور میں کھڑے کرتا رہے گا جو اللہ و رسول کی اس امانت کی حفاظت کریں گے اور اس کو اس کی اصلی شکل میں پیش کرتے رہیں گے اور اس طرح آپ کی لائی ہوئی ہدایت انسانی نسل کی آپ کے بعد بھی ہمیشہ ہمیشہ رہنمائی کرتی رہے گی اور اللہ کے بندے اس کی روشنی میں سعادت کی راہ پر چلتے رہیں گے۔ اور اس دین کی حقیقت تحریفوں اور تاویلوں کے پردوں میں کبھی اس طرح گم نہ ہوسکے گی جس طرح پہلے نبیوں کے ذریعہ آئی ہوئی ہدایتیں دنیا سے گم ہوگئیں۔

بس یہی ہے اس حدیثِ تجدید کی اور اس مضمون کی سب حدیثوں کی روح اور مراد، اور اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کارِ تجدید میں ہر دور کے ان سب بندگانِ خدا کا حصّہ ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے دین کی اس قسم کی خدمات لیں، اس طرح امت میں مجددین کی تعداد صرف ۱۳-۱۴ ہی نہ ہوگی (جن کی

تعیین میں اختلافات ہوں اور ہر حلقہ اپنے ہی کسی بزرگ کے مجدد ہونے پر اصرار اور دوسروں سے تکرار کرے) بلکہ اللہ کے ہزاروں وہ بندے جن سے اللہ تعالیٰ نے دین کی ایسی خدمتیں مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں لی ہیں سب ہی اس کار تجدید میں حصہ دار ہوں گے اور سب ہی مجددین میں ہوں گے۔

ہاں! ایسا بیشک ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی زمانہ میں اپنے کسی بندے سے کوئی بہت بڑا تجدیدی کام لیا ہے اور اس کے ذریعہ دین کے بہت سے شعبوں کی تجدید کرائی ہے۔ اور کبھی کسی سے اس سے کم درجہ کا اور دین کے کسی خاص شعبہ میں تجدیدی کام لیا ہے اور یہ فرق ایسا ہے جو نبیوں رسولوں کے کاموں اور ان کے درجوں میں بھی رہا ہے "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ" ــــ چنانچہ اس امت کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں سے تجدیدی نوع کی خدمات لیں۔ ان میں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ بہت ممتاز ہے، اسی طرح اس اخیر دور میں (جس کا آغاز ہزارۂ دوم (الف ثانی) کے آغاز سے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک ہزار سال گزرنے کے بعد سے ہوتا ہے) امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ سے دین کی تجدید وحفاظت اور احیاء شریعت کا جو عظیم کام ہمارے اس ملک ہی میں لیا وہ بھی اسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے اور اسی وجہ سے ان کا لقب **مجدد الف ثانی** ایسا مشہور ہوگیا ہے کہ بہت سے لوگ ان کا نام بھی نہیں جانتے صرف مجدد الف ثانی کے معروف لقب ہی سے ان کو پہچانتے ہیں۔

اس مجموعہ میں مختلف پہلوؤں سے اسی ربانی عالم وعارف اور عظیم مجدد کے تجدیدی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان پر اور اپنے اُن سب بندوں پر اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر خود مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے آپ کے لائے ہوئے مقدس دین کو تازہ اور اس کے باغ کو سرسبز و شاداب کرنے کے لئے اپنی توانائیاں صرف کیں اور امت کو ان کے فیوض سے استفادہ کی اور ان کی اقتدا و پیروی کی توفیق دے۔

ہزارۂ دوم یا الف ثانی

کا

تجدیدی کارنامہ

از

مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

ناظرین کو اس مقالہ کے مطالعہ کے وقت یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ ۱۹۳۸ء میں اسوقت لکھا گیا تھا جب ہندوستان میں انگریزی اقتدار اپنے آخری دور میں تھا اور انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت جنرل الیکشن ہونے کے بعد تمام صوبوں میں نیم آزاد حکومتیں قائم ہو چکی تھیں جنمیں سے سات صوبوں میں کانگریس کی حکومت تھی جنکے طرز عمل سے پہلی دفعہ یہ بات کھل کر سامنے آئی تھی کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کو کن مسائل کا سامنا ہوگا۔

"مرتب"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود کی فنی نکتہ نوازیوں، یا شریعت وطریقت کی ملایانہ وصوفیانہ معرکہ آرائیوں کے ہنگاموں میں حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعی اور حقیقی تجدیدی کارنامے کچھ اس طرح رل مل گئے کہ آج حضرت شیخ قدس سرہ العزیز کو مجدد الف ثانی کہنا بجز ایک روائتی خوش اعتقادی کے بظاہر اور کسی امر مہم پر مبنی نہیں معلوم ہوتا مشہور کر دیا گیا ہے کہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کو اس خطاب سے کسی خاص وقت میں مخاطب کیا تھا، اور اسی خاص خطاب نے رفتہ رفتہ عام لقب کی صورت اختیار کر لی۔ لیکن کیا حضرت کا مجدد الف ثانی ہونا محض ملا عبدالحکیم کے ایک خاص خطاب وتلقیب ہی کا نتیجہ ہے اور ملا صاحب نے بھی آپ کو اس خطاب سے محض اس لئے مخاطب کیا تھا کہ گزشتہ بالا دو مسئلوں کے متعلق آپ نے ایسی تعبیریں پیش کیں، جو قرآن وسنت سے زیادہ قریب تھیں، مجھے اس سے انکار نہیں کہ ان مسائل میں حضرت مجدد صاحب نے کسی خاص تعبیر کو نہیں پیش فرمایا ہے۔ اور نہ اس سے انکار ہے کہ ان مسائل کے متعلق بعض جاہلانہ غلط فہمیاں جن کے عوام شکار ہو گئے تھے ان سے نجات نہیں ہوئی۔ اور ان اصلاحی کوششوں سے جن کا تعلق علمی وعملی دونوں شعبوں سے ہو صرف ہندوستان ہی کے مسلمان متاثر نہیں ہوئے، بلکہ جاننے والے جانتے ہیں، کہ مختلف اسباب وذرائع ایسے مہیا ہوئے کہ ان کا اثر قریب قریب تمام اسلامی ممالک پر پڑا جس کا سب سے کھلا ہوا

ثبوت یہ ہے کہ سلسلۂ مجددیہ کی ایک بڑی شاخ خالدیہ سلسلہ کے نام سے عراق وشام عرب خصوصًا ترکی ممالک میں بہت زیادہ مقبول ہوئی اور ہے۔ نیز آپ کے "مکاتیب طیبہ" خود براہ راست اُن ممالک میں بکثرت پڑھے گئے اور پڑھے جاتے ہیں، جہاں کے باشندے فارسی زبان سمجھتے ہیں۔ اور جو اس زبان سے ناواقف ہیں۔ ان تک آپ کے مکتوبات عربی اور اُردو زبانوں میں پہونچائے گئے۔ غالبًا روس کے رہنے والے ملامراد جو مہاجر ہو کر بالآخر مکہ معظمہ میں رہ پڑے تھے انھوں نے مکاتیب کا ترجمہ عربی میں کیا اور مصری ٹائپ میں چھپ کر سارے عربی ممالک میں پھیل گیا۔ یہ خداداد بات تھی کہ اس کے بعد حدیث وتفسیر میں جتنی اچھی کتابیں لکھی گئیں ان میں ایسی معتدبہ کتابیں مل سکتی ہیں، جن میں "مکتوبات" کے مضامین نقل کئے گئے ہیں۔ خصوصًا عصر جدید کی مشہور تفسیر "روح المعانی" جو سلطان عبدالحمید خاں مرحوم خلیفۂ ٹرکی کے عہد میں لکھی گئی اس میں علامہ شہاب محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے گویا اس کا التزام کر رکھا ہے۔ کہ جہاں بھی ذکر کا موقعہ میسر آئے، وہاں قال المجدد الفاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے وہ آپ کے خاص خاص نظریات، اور جدید تعبیرات کو پیش کرتے ہیں اور بڑے افتخار وناز سے پیش کرتے ہیں اہم مسائل کے تصفیہ میں سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

بلاشبہ یہ بڑے امتیازات ہیں، جو کم از کم ایک ہندوستانی عالم وصوفی کے لیے سرمایۂ ناز بن سکتے ہیں لیکن کیا آپ کی "مجددیت" صرف ان ہی چند باتوں تک محدود ہے۔؟

شائد غور نہیں کیا گیا، خصوصًا ہمارے علماء اور صوفیا نے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب دیکھنا چاہا تو اس احول سے جدا کر کے دیکھا۔ جس میں آپ کا وجود مسعود قدرت کی جانب سے سرزمین ہند کو عطا کیا گیا تھا۔ کچھ سنی سنائی باتیں، افواہی قصے، بھی مشہور چلے آتے ہیں کہ جہانگیر بادشاہ نے اس جرم میں کہ آپنے اُس کے آگے سجدۂ تعظیمی سے انکار کیا تھا، کچھ دن کے لئے قید وزنداں کی سزا دی تھی زیادہ سے زیادہ اس زمانہ کی حکومت سے آپ کے

تعلق کا اظہار اسی واقعہ سے کیا جاتا ہے اور اسی پر ختم کر دیا جاتا ہے گویا حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حکومت سے تعلق اس سے زیادہ کچھ اور نہ تھا۔ یا للعجب!

احسان فراموشی ہوگی، اگر میں اس کا اظہار نہ کروں کہ سب سے پہلے اس مسئلہ کی طرف جس کا میں آج ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی مدظلہ العالی سابق صدر الصدور ممالک محروسہ آصفیہ نے توجہ دلائی تھی۔ آپ نے اپنی ایک تحریر میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ کیا وجہ تھی کہ مغل حکومت کے تخت پر چار بادشاہ مسلسل ایسے بیٹھے کہ ان میں دو پچھلوں کو دو پہلوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نواب علامہ کا اشارہ اسطرف تھا، کہ شاہجہاں اور عالمگیر ان دو پچھلوں کو جہانگیر اور اکبر سے مقابلہ کر کے دیکھئے دونوں میں کوئی مناسبت ہے؟ ابھی اس سے بحث نہیں کہ ان چاروں میں کون سے دو آسمان تھے اور کون زمین۔ لیکن نسبت دونوں طبقوں میں یقیناً وہی تھی جو آسمان و زمین میں ہو سکتی ہے۔ آخر بجائے "گندم" کے "گندم" سے "جو" کی روئیدگی کس طرح ہوگئی۔ وہی دریا جو شاہنشاہی قوتوں کے ساتھ ایک سمت بہہ رہا تھا یکایک پلٹ کر اس کا بہاؤ، بالکل مخالف رُخ کی طرف کن اسباب کے تحت ہو گیا۔

نواب علامہ کا یہ سوال جو فلسفہ تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ یقیناً ایک عجیب سوال تھا اور میں اس کا اعتراف کرتا ہوں، کہ سب سے پہلے اس اہم سوال کے جواب کا علم مجھے آپ ہی کی زبان مبارک سے ہوا اور در اصل میں اسی مجمل جواب کی آج کچھ تفصیل اس حد تک کرنا چاہتا ہوں جس حد تک کسی مجلاتی مقالہ میں گنجائش ہو سکتی ہے۔

بہرحال کمپنی بہادر کے عہد میں غالباً سب سے پہلے ہندوستان کی تاریخ فارسی زبان میں جو مرتب ہوئی وہ بہار جو بنگال کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا اجارائی محروسہ ہے، اسی بہار کے ایک طبا طبائی سید صاحب کے قلم سے یہ نقرہ ان کی کتاب سیر المتاخرین میں درج ہوا؛

مذہب الٰہی کہ آسائشِ غیر تناہی خلق	مذہب الٰہی جس میں خلق اللہ کے بیشمار
دراں بود تا عہد جہانگیر رواج داشت	فائدے تھے۔ جہانگیر کے زمانہ تک اس کا
باز از عہد شاہجہان تعصب شروع شدہ در	چرچا اور رواج رہا۔ پھر شاہجہاں کے زمانہ
عہدِ عالمگیر شدت پذیرفت۔	سے تعصب شروع ہوا اور عالمگیر کے عہد میں
سیر المتاخرین صفحہ ۱۴۴ ج ۱۔	تو اس نے شدت اختیار کر لی۔

پھر اس متن کی شرح نوازیوں و حاشیہ آرائیوں کے سلسلہ میں جو بلند و بالا عمارتیں تیار ہوئیں، ان کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ شاہ جہاں تو کم لیکن " شدت پذیرفت" کے ساتھ جو بیچارا متہم کیا گیا آج اُسی شاعنیہ (پروپاگنڈا) کا نتیجہ ہے، کہ" عالمگیر اور مذہبی تعصب" تقریباً دو مترادف الفاظ بن گئے ہیں مشکل ہی سے اب کوئی تعصب کے لفظ کا تخیل اس طرح کر سکتا ہو کہ بے ساختہ اس کے ساتھ عالمگیر کی صورت بھی دماغ میں نہ کھنچ جائے۔ یہ سب کچھ کیا گیا اور اس اجمال کی تفصیل میں معلومات کے دریا بہا دیے گئے۔ مجلدات شائع کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں لیکن عجیب بات ہے۔ بایں ہمہ ذوق بسط و تفصیل دعویٰ کے دو پہلوؤں سے ایسی لاپروائی برتی گئی کہ آج جب " ہسٹری کے شگوفوں" میں رگِ گل پر بھی نشتر زنی سے نہیں چوکا جاتا۔ یہ دونوں پہلو غنچہ دہن بستہ کی شکل میں چھوٹ گئے۔ یا قصداً چھوڑ دیے گئے۔ تاریخی حوادث و واقعات کی توجیہ و تعلیل کے سلسلہ میں اگرچہ واقعہ تو وہی ہے جو مرحوم واقعہ نویس نے۔

توحید کا مسئلہ ہے اصلی   باقی ہیں شگوفے ہسٹری کے

کے ذریعہ ظاہر کیا ہے لیکن آج جب چیونٹی کی آنکھوں کے پردے گنے جاتے ہیں اور مکڑی کے جال کے تانوں کی بھی رپورٹ مرتب کی جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ایک ہی دعویٰ کے ایک پہلو کو تو اتنا روشن کیا جاتا ہے اور اس زور سے اس کا نرسنگھا پھونکا جاتا ہے کہ آنکھیں چیخ اُٹھتی ہیں اور کان اُنگلیوں کے لئے بیتاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن اسی دعویٰ

کے دوسرے اجزا، کو اتنی کس مپرسی میں ڈال دیا جاتا ہے کہ گویا علم و تحقیق کے سزاوار ہی نہ تھے۔

میری مراد یہ ہے کہ سیر المتاخرین کے مذکورۂ بالا بیان کا یہ جزو کہ مذہبی تعصب نے عالمگیر کے عہد میں انتہائی شدت کی صورت اختیار کر لی تھی آج تحقیق و تنقیح، تعلیل و توجیہ کا کیوں تختۂ مشق بنا ہوا ہے لیکن ہمیشہ اس دعویٰ کے حسب ذیل اجزاء

(۱) اکبر نے "الٰہی مذہب" قائم کیا تھا۔

(۲) اس مذہب کی وجہ سے "خلق در آسائش بود"۔

(۳) لیکن شاہجہاں سے رُخ بدل گیا۔ یعنی مذہبی تعصب شروع ہوا۔

کیا یہ تینوں جز بھی قابلِ بحث نہ تھے بڑی تفصیل کے ساتھ بتانا چاہئے تھا کہ "الٰہی مذہب" کی حقیقت کیا تھی، "خلق" جو آسائش میں تھی، تاریخی حیثیت سے اس کی تحقیق کرنی چاہئے کہ اس خلق کے تحت میں کون کون سی جماعتیں، داخل تھیں، ان کی آسائش کی نوعیت کیا تھی۔ اور آخر میں سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاہ جہاں کے عہد سے اس میں کیوں تبدیلی ہوئی۔ اور کن موثرات کے زیر اثر عالمگیر تک پہونچ کر اس نے "شدت" کی شکل اختیار کی میری غرض یہ نہیں ہے کہ مورخین نے بالکلیہ ان اجزا سے بحث نہیں کی ہے۔ بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان میں بعض جز تو ایسے ہی ہیں مثلاً آخری سوال اس کو تو آج تک کسی کتاب میں اٹھانے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ اسی طرح "خلق در آسائش بود" کو بھی ہمیشہ مجمل ہی رکھا گیا کسی نے نہیں بتایا کہ اس سے مراد خدا کی کونسی مخلوق ہے۔ البتہ "الٰہی مذہب کا" تھوڑا بہت ذکر ان کتابوں میں ضرور کیا جاتا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ جس رنگ میں کیا جاتا ہے اُس سے بجائے "علم" کے شاید جہالت ہی میں زیادہ اضافہ ہو سکتا ہو۔ آخر دین اکبری کے متعلق جو کچھ مشہور کیا گیا ہے۔ اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ ایک "صلح کل" مسلک تھا اس میں تمام ادیان و مذاہب کو ایک نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

کسی مذہب والے کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں دی جاتی تھی۔ لیکن کیا یہی واقعہ ہے؟ جب واقعہ کا ذکر کیا جائے گا، اس وقت معلوم ہوگا کہ واقعہ کیا تھا؟ اور اس کو کس رنگ میں پیش کیا گیا۔ اس سے انشاء اللہ، "الف ثانی" کے کلمہ کی حقیقت بھی معلوم ہوگی کہ اس کا تعلق دراصل کس واقعہ سے ہے۔

عجیب بات ہے کہ آج بھی ہندوستان میں پھر ایک "مذہب" پیش کیا جا رہا ہے۔ اکبر کے زمانہ میں چونکہ "الٰہ" کے وجود کا انکار نہیں کیا گیا اس لئے اس کا نام "الٰہی مذہب تھا" اس زمانہ میں "الٰہ" کی جگہ قوم نے لی ہے۔ اس لیے اس کا نام بھی "قومی مذہب" رکھا گیا ہے۔ آسمان گھومتا رہتا ہے۔ تاریخ دہرائی رہتی ہے۔ اس مثل سائر کی تصدیق ہوتی ہے جب اس وقت بھی جو کچھ سنایا جا رہا ہے اس کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو دکھایا جا رہا ہے یا جس کے دکھانے کا منصوبہ پکایا جا رہا ہے، اور زیادہ تر اس موضوع پر قلم اٹھانے کی وقتی وجہ شاید یہی تماشا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جو چونکنا چاہتے ہوں ان کو اپنے چونک میں اس سے کچھ مدد ملے۔

"الٰہی مذہب"
یا
ہندوستان کا فتنۂ کبریٰ

یہ مت، کہو یا مذہب۔ کیوں پیدا ہوا؟ اور کن موثرات کے تحت پیدا ہوا، میرے سامنے سر دست یہ سوالات نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ آخر میں کچھ اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے لیکن اس وقت جو کچھ بھی پیش نظر ہے وہ صرف سادہ لفظوں میں معتبر تاریخی دقائق کی روشنی میں صرف یہ دکھانا ہے کہ یہ مذہب تھا کیا؟ عہد کمپنی سے پیشتر کی کتابوں میں بھی اگر ڈھونڈا جائے تو اس مسلک کے مختلف عناصر اور اجزاء کا سراغ مل سکتا ہے، لیکن بہ نظر احتیاط میں نے صرف پیمانہ اور دکھایا ہے کہ اکبری دربار کے سب سے زیادہ ثقہ راوی ملا عبدالقادر بدایونی کی

مشہور کتاب منتخب التواریخ پر ہی کفائت کروں۔ کیونکہ یہی ایک ایسا بیان ہمارے سامنے ہے جو حلفی شہادت کے بعد ادا کیا گیا ہے۔ دوسروں کو اس پر اعتبار ہو یا نہ ہو لیکن ملا صاحب جیسے راستباز بزرگ کے حلف کے بعد ہمارے لئے عدم اعتماد کی بہرشکل ہی سے گنجائش پیدا ہوسکتی ہے۔ بلکہ کلی طور پر ان کے جزئی بیانات کی تصدیق میں خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت بھی انشاء اللہ تعالیٰ پیش کی جائے گی۔ کیا اس کے بعد بھی شک کے لیے کوئی راہ پیدا ہوسکتی ہے۔

بہرحال ملا صاحب نے اپنی تاریخ میں واقعات کو منتشر صورت میں پیش کرنے کے بعد ایک موقعہ پر یہ لکھا ہے:۔

"دلیری بر نوشتن آں قضایا کہ از وادی حرم و احتیاط بغایت دور بود کردم و خدائے عزوجل گواہ است وکفیٰ باللہ شہیدا کہ مقصود ازیں نوشتن غیر از درد دیں و دل سوزی بر ملت مرحومہ اسلام کہ عنقا وار روئے غربت کشیدہ و سایہ بالی ہما خود از خاک نشینان حضیض گیتی باز گرفتہ چیزے دیگر نہ بود، و از تعنت وحقد وحسد وتعصب بخدا پناہ می جوئم۔

صفحہ ۲۶۴

اور اسی کو میں ان کا حلف نامہ قرار دیتا ہوں۔

بہرحال اب واقعات کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔

اجتہاد کا دعویٰ

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں جو چیز شروع شروع میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ عہد اکبری کا مشہور محضرنامہ ہے جسے کلیۃً ملا صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کردیا ہے۔ یہ وہی محضرنامہ ہے۔ جسے ملا مبارک ناگوری پدر ابوالفضل و فیضی نے مرتب کیا اور بعضوں سے طوعاً بعضوں سے کرہاً علماء وقت کے اس پر دستخط کرائے گئے۔

اصل محضر نامہ:-

مقصود از تشئید این مبانی و تمہید
این معانی آں کہ چون ہندوستان صینت
عن الحدثان بہ یامن معدلت سلطانی
و تربیت جہاں بانی مرکز امن و امان و دائرہ
عدل و احسان شدہ وطوائف انام از خواص
و عوام خصوصاً علمائے عرفاں شعار و فضلائے
دقائق آثار کہ ہادیان بادیہ نجات و
سالکان مسالک اوتوا العلم درجات اند از عرب
و عجم رو بدیں دیار نہادہ توطن اختیار نمودہ اند
جمہور علمائے فحول کہ جامع فروع و اصول و
حاوی معقول و منقول اند بدین و دیانت و
صیانت اتصاف دارند بعد از تدبر وافی
و تامل کافی در غوامض معانی اطیعوا اللہ و
اطیعوا الرسول واولی الامر منکم و احادیث صحیح
ان احب الناس الی اللہ یوم القیمۃ امام
عادل من یطع الامیر فقد اطاعنی ومن
یعص الامیر فقد عصانی وغیر ذالک
من الشواھد العقلیہ والدلائل
النقلیہ قرار دادہ حکم نمودند کہ مرتبہ

ترجمہ (بطور حاصل):-

مطلب ان امور کے درج کرنے سے یہ ہے کہ
بادشاہی عدل و انصاف اور سرپرستی کی بدولت
ہندوستان آج کل امن و امان کا مرکز بنا ہوا ہے
اور اس کی وجہ سے عوام و خواص خصوصاً ان
صاحب علم و فضل علماء کا یہاں ان دنوں اجتماع
ہو گیا ہے جو نجات کی راہوں کے راہنما ہیں
اور "اوتوا العلم درجات" قرآنی آیت کے مصداق
یہ لوگ عرب و عجم سے اس ملک میں تشریف
لائے ہیں اور اسی کو اپنا وطن بنا لیا ہے۔ اب
جمہور علماء جو ہر قسم کے علوم میں کامل دستگاہ
رکھتے ہیں اور عقلی و نقلی فنون کے ماہر ہیں اور
ایمان داری اور انتہائی دیانت و راستبازی
کے ساتھ موصوف ہیں۔ قرآن کی آیت اطیعوا اللہ
و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (یعنی اطاعت
کرو اللہ کی۔ اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں
کی جو تم میں صاحبان امر ہیں) اور صحیح حدیثیں
مثلاً یہ کہ خدا کے نزدیک قیامت کے دن سب سے
زیادہ محبوب وہ امیر ہو گا جو عادل ہے جس نے
امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور

سلطان عادل عند اللہ زیادہ از مرتبہ
مجتہد است۔ و حضرت...... جلال الدین
محمد اکبر بادشاہ غازی........ اعدل
و اعقل و اعلم باللہ اند بنا بریں۔
اگر در مسائل دین کہ بین المجتہدین
مختلف فیہا است۔ بذہن ثاقب و فکر صائب
خود یک جانب را۔ از اختلاف بہ جہت
تسہیل معیشت بنی آدم و مصلحت انتظام عالم
اختیار نمودہ باں جانب حکم فرمایند متفق علیہ
شود و اتباع آں بر عموم برایا لازم و متحتم است
اگر بموجب رائے صواب نمائے خود حکمے را
از احکام قرار دہند کہ مخالف نصے نہ باشد و
سبب ترفیہ عالمیاں بودہ باشد عمل براں
نمودن بر ہمہ کس لازم و متحتم است و مخالفت
آں موجب سخط اخروی و خسران دینی و
دنیوی است۔ انتہی بلفظہ صـ۲۷۲ ج۲
مطبوعہ کلکتہ

جن نے امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔
ان کے سوا اور دوسرے دلائل عقلی و نقلی کی بنیاد پر
یہ قرار دیتے ہیں اور فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ خدا کے
نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے۔
اور بادشاہ جلال الدین محمد اکبر غازی
چونکہ سب سے زیادہ عدل والے عقل والے اور علم
والے ہیں اس بنا پر ایسے دینی مسائل میں جن میں
مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں اگر وہ (یعنی
اکبر بادشاہ) اپنے ذہن ثاقب اور صائب رائے
کی روشنی میں بنی آدم کی معاشی سہولتوں اور
دنیاوی انتظام کی آسانیوں کے مدنظر کسی ایک
پہلو کو ترجیح دے کر اسی کو مسلک قرار دیں تو
ایسی صورت میں بادشاہ کا یہ "فیصلہ" اتفاقی سمجھا
جائے گا۔ اور عام مخلوق رعایا و برایا کے لئے
اس کی پابندی لازمی و لابدی ہوگی۔ (اسی طرح)
اگر کوئی ایسی بات جو قطعی نصوص کے مخالف نہ
ہو اور دنیا والوں کو اس سے مدد ملتی ہو۔ بادشاہ
اگر اس کے متعلق کوئی حکم صادر فرمائیں تو اس کا ماننا
اور اُس پر بھی عمل کرنا ہر شخص کے لئے ضروری اور لازم
ہوگا اور اس کی مخالفت دینی اور دنیوی بربادی
اور اخروی مواخذہ کی مستوجب ہوگی۔

غالباً اسی کے بعد وہ لطیفہ پیش آیا کہ بحیثیت مجتہد و امام عادل ہونے کے جمعہ میں خطبہ پڑھنے کا اکبر کو خیال آیا۔ فیضی نے فارسی اشعار میں خطبہ تیار کیا۔ لیکن میدان جنگ میں جس کی تلوار سروں کو اڑاتی تھی وہ تھرّانے لگا اور صرف دو شعر پڑھکر ممبر سے اتر گیا۔

یہ تھی وہ پہلی منزل جہاں تقلید سے کنارہ کش ہوکر اکبر کو اجتہاد کے درجہ پر پہونچا یا گیا۔ لیکن اس کے بعد پھر کیا ہوا وہی جو ہمیشہ اس کے بعد ہوا ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد علانیہ ائمہ مجتہدین کی توہین وتحقیر ہونے لگی۔ دین کا بھرم اُٹھ گیا۔ ملا صاحب اپنے کانوں سنی بیان فرماتے ہیں کہ ابوالفضل کی جرارت اس حد کو پہونچ گئی تھی کہ

اگر در حین بحث سخن مجتہدین رامی آورد می گفت فلاں حلوائی و فلاں کفش دوز، و فلاں چرم گر بر ما حجت می آرید و نفی ہمہ علما، بدو ساز دار آمد صفحہ ۲۰۰	اگر کسی بحث و مباحثہ کے درمیان مجتہدین کی بات پیش کی جاتی تو ابوالفضل اس کے جواب میں کہتا فلاں حلوائی اور فلاں کفش دوز اور فلاں چمڑے والے کے قول سے تم مجھپر حجت قائم کرتے ہو۔ ابوالفضل کو تمام علماء کا یہ انکار بہت موافق ثابت ہوا۔

لیکن معاملہ ابھی صرف ائمہ مجتہدین تک پہونچا تھا۔ بدقسمتی سے ہمایوں کو چونکہ ایرانیوں کی امداد سے دوبارہ تخت وتاج میسر آیا تھا۔ اس لیے بہ تقاضائے منت شناسی عراق عجم اور ایران کے علماء وشعراء کو خود اس نے اپنے عہد میں اعزاز واکرام سے سرفراز کیا۔ اور یہ دستور اکبر کے دربار میں بھی جاری رہا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہمایوں کے بعد ہندوستان کی طرف ایک سیلاب تھا جو مسلسل انقراض دولت مغلیہ تک ان ممالک سے ہندوستان میں آتا رہا۔ یہ سیلاب کس قسم کا تھا۔ اُس زمانے کے کسی شاعر نے اس کو خوب ادا کیا ہے۔

نفاق آمدہ در ہند از بلاد عراق عراق قافیہ سیداں برھگذار نفاق

یہ ٹڈیوں کا بھوکا دل تھا جو ہندوستان کی کشت زاروں کی طرف بے تحاشا اُٹھا

چلا آرہا تھا۔ اور ہرادنیٰ ہندوستان پہونچ کر اس درجہ عالی ہوجاتا تھا کہ بالآخر لوگوں کو کہنا پڑا سہ

پار بودم قطبک و امسال قطب الدین شدم   گر بیا بم سال دیگر قطب دیں حیدر شوم

بہرحال یہ وہ گروہ تھا، جو ائمہ و مجتہدین سے آگے بڑھکر بے محابا شرف صحبت کے سعادت یافتوں پر بھی حملہ کرنے میں قطعًا بے باک تھا۔ اکبر کو تاریخی واقعات کے سننے کا بیحد شوق تھا جس ریفیوں نے خصوصیت کے ساتھ اس کے سامنے ان ہی کتابوں کو اور کتابوں کے بھی خاص اُن حصوں کو پیش کرنا شروع کیا جن کا تعلق مشاجرات صحابہ سے تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں:۔

وانچہ درحق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم در وقت خواندن کتب سیر مذکور ی ساختند خصوصًا درخلافت خلفائے ثلثہ و قضیہ فدک و جنگ صفین وغیرآں کہ گوش از استماع آں کر باد خود بزباں نتواں آورد صـ ۳۰۶

صحابہؓ کی شان میں سیر کی کتابوں کے پڑھنے میں جو الفاظ بادشاہ کی زبان سے نکلتے تھے۔ خصوصًا خلفائے ثلثہ فدک جنگ صفین وغیرہ کے ذکر کے وقت جو کچھ کہا جاتا تھا۔ کان اگر ان کے سُننے سے بہرے ہوتے تو بہتر تھا۔ میں اپنی زبان سے اُن کو ادا بھی نہیں کر سکتا۔

مجتہدین اور ائمہ پہلے وار میں ختم ہوئے، اور اس دوسری ضرب نے تو اسلام کی رہی سہی ساکھ بھی ختم کردی جیسا کہ اس کے بعد ہونا چاہیئے اور یہ ہوا کہ اکبری دربار میں۔

ملت اسلام ہمہ نامعقول و حادث واضع آن فقرا اعرباں بودند کہ جملہ مفسدان و قطاع الطریق اوزال دوبیت شاہنامہ کہ فردوسی طوسی بہ طریق نقل آوردہ تمسک می ساختند۔

ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادث و بدعقلی کا مجموعہ ٹھہرایا گیا۔ اور اس کے بنانے والے (العیاذ باللہ) عرب کے وہ چند مفلس بدو قرار پائے جن میں سب کے سب مفسد اور بٹ مار اور راہزن تھے۔

ز شیر شتر خوردن و سوسمار   چو عرب را بجائے رسید ست کار

اور شاہنامہ فردوسی کے دو مشہور شعروں سے

کہ ملک عجم راکند آرزو بہ تفو باد بر چرخ گرداں تفو — سند پکڑی گئی۔ جو اس سے بطور نقل کے

صہ۳۰۷

"شجرۂ طیبہ نبوت" علی صاحبہا الف سلام و تحیۃ کے ان ثمرہائے رسیدہ تک جن کی زبان پہونچ چکی تھی وہ آخر کب تک پھلوں سے خود درخت تک نہ پہونچتا۔ العیاذ باللہ آخر وہ منحوس دن بھی سامنے آ ہی گیا۔ کہ :-

در ہر رکنے از ارکان دین و ہر عقیدہ از عقیدۂ اسلامیہ چہ در اصول و چہ در فروع مثل نبوت و کلام و رویت و تکلیف و تکوین، و حشر و نشر شبہات گوناگوں بہ تمسخر و استہزاء آوردہ صہ۳۰۷

ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی العقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت، مسئلہ کلام، دیدار الٰہی انسان کا مکلف ہونا، عالم کی تکوین حشر و نشر وغیرہ کے متعلق تمسخر اور ٹھٹھے کے ساتھ طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کئے جانے لگے

یہی نہیں کہ بادشاہ ہی صرف شک میں مبتلا ہو گیا تھا، بلکہ اہلِ دربار سے بھی ان مسائل کے متعلق بحث کرتا اور سب کو اپنی ذہنی کیفیت کے قریب لانے کی کوشش کرتا، ملا صاحب لکھتے ہیں کہ بادشاہ،

خلق را بخلق قرآن و توغل در استحالہ وحی تشکیک در نبوت و امامت امتحان کردند و لود جن و ملک و سائر مغیبات و معجزات و کرامات را انکار صریح آوردند و تواتر قرآن و ثبوت کلامیت آن و بقائے روح بعد از اضمحلال بدن و ثواب و عقاب را از غیر از تناسخ محال می شمردند۔ صفحہ ۲۷۳

عام مخلوق کو خلق قرآن کے مسئلہ کی تبلیغ کرتا اور وحی کے محال ہونے پر اصرار و غلو سے کام لیتا اور نبوت و امامت کے مسئلوں میں لوگوں کا امتحان لیتا اور جن فرشتے اسی طرح ساری غیبی ہستیوں۔ نیز معجزات اور کرامتوں کا کھلے لفظوں میں انکار کرتا قرآن کے تواتر، اور اس کے کلام خدا ہونے اور بدن کے فنا ہونے کے

بعد ثواب و عذاب کے لیے روح کے باقی
رہنے کو محال سمجھتا تھا، البتہ تناسخ کے طور پر
ثواب و عذاب کا قائل تھا۔

اپنی اس تبلیغ میں غلو کی آخری حد یہ تھی، کہ کبھی کبھی بھرے دربار میں اکبر سے خلاف
وقار شاہی بعض مذبوحی حرکتیں بھی سرزد ہو جاتی تھیں۔ مثلاً بیٹھے بیٹھے یکایک ایک ٹانگ
پر کھڑا ہو جاتا اور اس کے بعد حسب ذیل تقریر کرتا۔

دریں معنی را عقل چہ گونہ قبول کند کہ شخصے دریک لحظہ با گرانی جسم از خواب بآسمان رود و نود ہزار سخن گو گموئے با خدا ئے تعالیٰ کند و بستر ش ہنوز گرم باشد و مردم باں دعوی بگروند و ہم چنیں شق القمر و امثال آں

آخر اس بات کو عقل کس طرح مان سکتی ہے کہ ایک شخص بھاری جسم رکھنے کے باوجود یکایک نیند سے آسمانوں پر چلا جاتا ہے اور نوّے ہزار..... بات؟ خدا سے کرتا ہے۔ لیکن اس کا بستر اس وقت تک گرم ہی رہتا ہے اور لوگ اس دعوی کو مان لیتے ہیں۔ اور اسی طرح شق القمر وغیرہ جیسی باتوں کو بھی مان لیتے ہیں۔

پھر اپنی اٹھی ہوئی ٹانگ کی طرف حاضرین کو مخاطب کر کے سوال کرتا۔

ممکن نیست کہ تا پائے دیگر بر جا ماند استادہ توانیم ایں چہ حکایتہاست

ناممکن ہے، کہ جب تک دوسرا پاؤں زمین سے نکالا نہ ہو میں کھڑا نہیں رہ سکتا۔ آخر یہ ہیں کیا قصے؟ ص ۳۱۷

گویا خلاف عادت کے ناممکن ہونے کو اپنی اٹھی ہوئی ٹانگ سے ثابت کیا جاتا تھا۔
یہی رنگ تھا جو آخر گہرا ہوا گہرا ہوا اور خوب گہرا ہوتا رہا تا اینکہ نوبت بایں جا
رسید کہ اب اس کی زبان سے (معاذ اللہ) یہ باتیں بھی نبوت کبریٰ کی شان میں نکلنے لگیں۔

ندن قافلہ قریش در اوائل ہجرت

یعنی، اوائل ہجرت میں قریش کے

وچہاردہ زن خواستن وتحریم شہد کردن برائے خوشنودی زنان۔ ص۲۰۸

قافلہ کا لوٹنا چودہ عورتوں سے نکاح کرنا اور بیویوں کی رضامندی کے لئے شہد کو حرام کرنا۔

(ان سے نبوت پر اعتراض کرتا تھا)

آج یورپ کے کمان سے جن تیروں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اب برس رہے ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ آج سے تین سو برس پیشتر بھی ہو چکا تھا۔ آخری کیفیت اکبر کے نفس کی یہ ہوئی کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ملا صاحب کا بیان ہے ا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ ابتدا میں بات کتنی ہوتی ہے لیکن آخر کہاں جا کر ختم ہوتی ہے۔

نام احمد و محمد و مصطفےٰ وامثال آں بہ جہت کافران بیرونی و زنان اندرونی گراں می آمد تا بمرور ایام اسامی چندے از مقربان کہ بایں نام مسمی بودند تغیر دادہ مثلاً یار محمد محمد خاں را رحمت می خواندند و می نوشتند۔ ص۲۱۵ ج۲

احمد، محمد، مصطفےٰ وغیرہ نام بیرونی کافروں کے خاطر سے اور اندرونی عورتوں کی وجہ سے اس شخص پر گراں گذرنے لگے۔ آخر کچھ دن کے بعد اپنے چند خاص لوگوں کے نام اس نے بدل بھی ڈالے مثلاً یار محمد اور محمد خاں کو وہ رحمت ہی کے نام سے پکارتا بھی تھا، اور لکھنے کے وقت بھی ان کو اسی نام سے موسوم کرتا ہے۔

اور غالباً یہی وجہ ہے، جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے کہ اکبری عہد کے مصنفین خطبہ کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھنے سے گریز کرنے لگے۔

علماء سوء در تصنیفات از خطبہ تبرا می آوردند و اکتفا بہ توحید کردند و القاب پادشاہی می نوشتند۔ و مجال نہ بود کہ نام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی رغم المکذبین بہ برند ص۲۶۹

علماء سوء اپنی تصنیفوں میں خطبہ لکھنے سے بچنے لگے۔ صرف توحید اور بادشاہی القاب کے ذکر پر قناعت کرتے تھے ان کی مجال نہ تھی کہ بے ایمان جھٹلانے والوں کے علی الرغم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک زبان و قلم پر لاتے۔

یہاں تک کہ خود ملا صاحب کو جب مہابھارت کے ترجمہ کے شروع میں خطبہ لکھنے کی فرمائش بادشاہ نے کی۔ تو محض اس وجہ سے انھوں نے اعراض کیا، کہ بغیر نعت کے وہ خطبہ لکھنا نہیں چاہتے تھے۔ ان ہی باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ بادشاہ تو بادشاہ ہر عامی کی جرات بھی حد سے متجاوز ہونے لگی۔ ملا صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

بدبختے چند از ہندواں و مسلماناں[ل]	چند ہندو اور چند ہندو مزاج مسلمان، یہ
ہندو مزاج "قدح صریح بر نبوت می	بدنصیب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت
کردند	پر صراحۃً اعتراضات کرتے تھے۔

لیکن ان کا کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ تھا۔ حد تو یہ ہوگئی کہ جب اکبر کے دربار میں عیسائی مشنری کا وفد پہونچا ہے تو ان لوگوں نے جہاں اور باتیں دربار میں کہیں تھیں ان میں العیاذ باللہ یہ بھی تھا۔

در تعریف دجال ملعون ایں ملاعین	اِن ملعونوں نے دجال کے صفات
اوصاف او را در باب حضرت خیر النبیین	بیان کرکے (استغفر اللہ) ان کو ....
صلی اللہ علیہ وسلم علی رغم الدجالین فرود آوردند	پر ڈھالتے تھے۔

صـــــہ

اللہ اکبر! اتنی بدبختانہ بیہودگی کو سُن کر بھی اکبر کی پیشانی پر بل تو کیا پڑتا ــــ نہایت خندہ جبینی سے ان کا استقبال کرتا ہے۔ اور خاص اپنے شاہزادہ مراد کو حکم دیتا ہے کہ:۔

سبقے چند تیمناً ازاں بخواند صــــہ	چند اسباق ان پادریوں سے پڑھ لو۔

عقائد میں جس شخص کا یہ حال ہوچکا تھا۔ اس کے اعمال کے متعلق سوال ہی فضول ہے۔ وہی نماز جس کے متعلق کبھی یہ حال تھا۔

[ل] ملا صاحب کی یہ اصطلاح اس زمانہ میں خاص طور پر قابل لحاظ ہے شاید دنیا ہر مزاج رکھنے والوں سے ہمیشہ بھری رہی ہے ۱۲

ہر پنج وقت برائے خاطر جماعت در دربار می گفتند ص۲۱۵

پانچوں وقت (نماز تو نماز) جماعت کے لئے بھرے دربار میں فرمایا کرتے تھے۔

اب ان ہی ملا صاحب کا بیان ہے کہ:۔

در دیوان خانہ ہیچکس را یارائے آں نہ داشت کہ علانیہ ادائے صلوٰۃ کند ص۲۱۵

دیوان خانہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ علانیہ نماز ادا کر سکے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

نماز روزہ و حج پیش ازاں ساقط شدہ بود ص۲۵۱

نماز روزہ اور حج تو اس سے پہلے ہی ساقط ہو چکے تھے۔

اور معاملہ صرف سقوط و اسقاط تک ہی ختم نہیں ہوا تھا بے دینوں نے شاہی اشارہ پاکر پھر اس کے بعد جو کچھ کیا اس کے ذکر سے بھی دل ڈرتا ہے۔ غیر اسلامی خاندان کے آدمی نے نہیں بلکہ ایک مشہور ملا کے بیٹے نے جیسا کہ بدایونی کا بیان ہے:۔

پسر ملا مبارک شاگرد ابو الفضل رسائل درباب قدح و تسخر ایں عبادات بدلائل نوشتہ و مقبول افتادہ باعث تربیت گشت ص

ملا مبارک کے ایک بیٹے نے جو ابو الفضل کا شاگرد تھا اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور مسخرگی کے پیرایہ میں چند رسالے تصنیف کئے (شاہی جناب) میں اس کے ان رسالوں نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور اس کی سرپرستی کا ذریعہ یہی رسالے بن گئے۔

دینی شعائر کی ہجو میں اشعار بنائے گئے اور کوچہ و بازار میں وہی گائے جاتے تھے جن میں کے بعض اشعار ملا صاحب نے بھی نقل کیے ہیں، یہ دکھانے کے لیے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں "دین کی غربت" کا نوحہ جن دردناک پیرایوں میں کرتے ہیں اس کے اسباب کیا تھے، ہم بھی چند بطور "نقل کفر" کے نقل کرتے ہیں۔ مثلاً غالباً یہ فیضی کی فیاضیٔ کفر تھی۔

از حقیقت بدست کردے چند　　مصحفے ماندکہنہ گردے چند
گو رباکس سخن نمی گوید　　سر قرآں کسے نمی جوید

ایک مستزاد اس پر مستزاد ہے۔

عید آمد وکارہا نکو خواہد شد　　چوں روئے عروس
ساقی مے ناب در سبو خواہد کرد　　چوں خون خروس
(العیاذ باللہ)
افسار نماز پوز بند روزہ　　یک بار دگرہا
از گردن ایں خراں فرو خواہد کرد　　افسوس افسوس

اور ان جزئیات کی کہاں تک تفصیل کیجئے۔ جب اس اصل سے وہ ٹوٹ چکا تھا تو آخر شاخوں سے کب تک لپٹا رہتا۔

لیکن اس وقت تک جو کچھ ہوا تھا، اس کی حیثیت "تخریب" کی تھی ظاہر ہے کہ ہر تخریب کے بعد تعمیر کا خیال پیدا ہونا قدرتی بات ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ جن لوگوں نے یہ سارے فتنے کھڑے کئے تھے ان کی نیت کیا تھی۔ اللہ اعلم بالصواب

الف ثانی کا نظریہ اور "دین الٰہی" کی تدوین

عجیب بات ہے، کہ تاریخوں میں اس نظریہ کا ذکر کنائے اشارے میں نہیں بلکہ کھلے کھلے لفظوں میں بکثرت کیا گیا تھا لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ پچھلے مورخین نے اس کے ذکر میں تساہل سے کیوں کام لیا حالانکہ ہمارے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تجدید کی جو اضافت "الف ثانی" یعنی "اسلام" کی مدت عمر کے دوسرے ہزار سال کی طرف ہے، جہاں تک میرا خیال ہے اور انشا اللہ اس کی تفصیل آیندہ آتی ہے اس کا زیادہ تر تعلق اکبر کے اسی نظریہ سے معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال میں واقعات درج کرتا ہوں۔ نتیجہ تک ہر شخص خود بہ آسانی پہونچ سکتا ہے

چونکہ التزاماً اس سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھ رہا ہوں ملا عبدالقادر ہی کی کتاب سے لکھ رہا ہوں اس لیے اس مسئلہ میں بھی میرا مواد اِن ہی کی تاریخ تک محدود رہے گا۔

ملا صاحب فرماتے ہیں:۔

چوں در زعم خویش مقرر ساختند کہ ہزار سال از زمان بعثت پیغمبر اسلام علیہ السلام کہ مدت بقائے ایں دین بود تمام شد و ہیچ مانعے برائے اظہار دواعی خفیہ کہ در دل داشتند نماند و بساط از مشائخ و علماء کہ صلابت و مہابت داشتند و ملاحظہ تمام از آنہا بکسے بود خالی ماند بفراغ بال در صدد ابطال احکام و ارکان اسلام و بندوبست ضوابط و قواعد نو مہمل و مختل و ترویج بازار فساد اعتقاد در آمد ص ۳۰۱

بادشاہ نے یہ خیال پکایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدت عمر کل ایک ہزار سال تھی جو پوری ہوگئی۔ بادشاہ کے دل میں اس کے بعد ان منصوبوں کے اظہار و اعلان میں اب کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی جو اپنے دل میں انھوں نے گانٹھا تھا۔ ادھر ایسے علماء جن کا کچھ رعب و داب تھا ان سے بھی بساط خالی ہو چکی تھی پھر کیا تھا اس کے بعد تو بادشاہ خوب کھل کھیلے، اور اسلامی احکام و ارکان کے ہدم و بربادی ان کی جگہ نت نئے اپنے ساختہ پرداختہ قوانین کی ترویج میں مشغول ہوئے جس کے بعد عقائد کی بربادی کا بازار گرم ہوا۔

یہ تھا وہ "نظریہ" جس کا نام میں نے "نظریہ الف ثانی" رکھا ہے اور صرف نظریہ پر قناعت نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کے اعلان عام کا ذریعہ یہ اختیار کیا گیا۔ کہ سکہ کا نام "سکہ الفی" رکھا گیا۔ اور اس پر "الف" ہی کی تاریخ ثبت کی گئی۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ گذشتہ بالا تجویز کے بعد

اول حکمے کہ فرمودند ایں بود کہ در سکہ تاریخ الف نویسند۔ ص ۳۰۱

پہلا حکم جو دیا گیا یہ تھا کہ سکہ میں الف (ہزار) کی تاریخ لکھی جائے۔

پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"در تنکہا و مہرہا تاریخ الف نوستند کہ بایں اعتبار شعر باشد از انقراض دین مبین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ بیش از ہزار سال نخواہد بود ص۳۰۶"

ٹنکوں اور اشرفیوں میں الف کی تاریخ لکھوائی گئی اور اس سے اشارہ ادھر کرنا مقصود تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین مبین کی عمر جو ہزار سال تھی وہ پوری ہو گئی۔

ظاہر ہے کہ سکہ ہی ایسی چیز ہوتی ہے جس کی ہر خاص و عام تک رسائی ناگزیر ہے کتابوں۔اخباروں رسالوں سب سے زیادہ کارگر تدبیر اشتہار کی اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی تھی اور غالباً یہی وجہ تھی کہ پہلے سلاطین کے جتنے سکے اور خود اپنے زمانہ کے دوسرے سکوں کو سخت ترین احکام و فرامین کے ذریعے اکبر نے گلوا دیا تھا۔صرف ایک ہی سکہ باقی رکھا تھا۔لیکن بات اسی پر ختم نہیں کی گئی۔بلکہ ایک کتاب بھی "تاریخ الفی" کے نام سے اکبر نے تالیف کرائی جس کی تدوین و ترتیب کا کام چند علماء کے سپرد ہوا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں:۔

"در یں سال حکم شد کہ چوں ہزار سال از ہجرت تمام شد و ہمہ جا تاریخ ہجری می نویسند حالا می باید کہ تاریخ تالیف باید کرد کہ جامع جمیع احوال بادشاہان اسلام تا امروز کہ در معنے ناسخ تاریخہائے دیگر باشد و نام او الفی نہند و در ذکر سنوات بجائے ہجرت لفظ رحلت نویسند"

اسی سال یہ حکم ہوا کہ ہجرت سے چونکہ ہزار سال پورے ہو گئے اور لوگ ہر جگہ ہجری تاریخ لکھتے ہیں۔اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی تاریخ مرتب کی جائے جو ان تمام سلاطین کے حالات پر حاوی ہو۔جو ابتدا سے اب تک اسلام میں گذرے ہیں جس کے دوسرے معنے یہ تھے کہ ایسی تاریخ لکھوائی جائے جو دوسری تمام تاریخوں کی ناسخ ہو۔اس تاریخ کا بادشاہ نے الفی نام رکھا اور یہ بھی حکم دیا کہ سنوں کے ذکر میں بجائے ہجرت کے رحلت کا ذکر کیا جائے۔

مطلب یہ تھا کہ اپنے زمانہ کی حد تک تو "سکہ" کا طریقہ اشتہار کے لئے مفید تھا۔ لیکن اس کے بعد پھر اس کی یاد دہانی کا ذریعہ کوئی اور ہونا چاہیئے اور اس کے لئے "تاریخ الفی" کا ذریعہ اختیار کیا گیا۔

اکبر تک یہ نظریہ کس طرح پہونچا۔ خود اس کے اپنے دماغ نے یہ ایجاد کی یا اس کے پیچھے جو "فرنار" لگائے گئے تھے یہ ان ہی کی تسویل و تزویر تھی، صحیح طور پر اس کا پتہ نہیں چلتا لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریہ کی تائید میں دلائل کا ایک انبار جمع کر دیا گیا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں۔

دریں سال اسافل واراذل عالم نمائے جاہل تما ضد دلائل باطل نمودہ براہین آوردند کہ حالا صاحب زمانے کہ رافع خلاف واختلاف و ہفتاد و دو ملت از مسلم و ہندو باشد حضرت اند۔ ص۲۷۹

اسی سال چند رذیل ادنیٰ درجہ کے لوگ جو عالم نما جاہل ہیں، انھوں نے دلیلوں کا پشتہ اس دعویٰ کے متعلق باندھ دیا کہ وقت اس صاحب زمان کا آگیا ہو جو "ہندو اور مسلمانوں" کے بہتر فرقوں کے اختلاف کا مٹانے والا ہوگا۔ اور اس صاحب زماں کی ذات خود حضرت بادشاہ کی ہے۔

اس عبارت سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دین الٰہی کی بنیاد کیا تھی، آج جس "نظریہ" کو "قومیت" کے نام سے روشناس کیا جارہا ہے عمل کو نہ دیکھئے، الفاظ کی حد تک کیا اس کی تعبیر اس سے زیادہ الفاظ میں کی جاسکتی ہے۔ اس "نظریہ" نے بالآخر جو رنگ اختیار کیا — قدرت نے غالبًا..... ہماری عبرت کے لئے اس کا نقشہ ہماری نگاہوں کے سامنے گذار بھی دیا لیکن کون ہے۔ جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ پاک پر اس آواز کو پہونچائے کہ آپ جس فتنہ کو دیکھ دیکھ کر یا ویلاہ یا مصیبتاہ کے ساتھ عمر بھر چیختے رہے، آج ہندوستان کے مسلمانوں کو پھر دہی دھوکا دیا جارہا ہے اور ستم یہ ہے کہ وہ دھوکا کھا رہے ہیں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے تین سو سال پیش تر، ہندی قومیت، کے ان ہی علمبرداروں کے باطنی ارادوں اور پوشیدہ نیتوں

کا اعلان ان لفظوں میں کیا تھا:۔

کار این نابکاران استہزا و سخریہ است بہ اسلام و اہل آن منتظر اند کہ اگر قابو یابند ملا از اسلام برآرند یا ہمہ را بقتل رسانند یا بہ کفر باز گردانند صـ۲۶۱	ان لوگوں کا ہر کام صرف اسلام کے ساتھ مذاق اور ٹھٹھا اڑانا ہے۔ یہ لوگ اس کے منتظر ہیں کہ ان کو قابو حاصل ہو جائے تو ہم مسلمانوں کو، یا اسلام سے جدا کرلیں یا سب کو قتل کر ڈالیں یا سب کو پھر کفر کی طرف لوٹائیں۔

یہ ہے پوشیدہ مقاصد کی سہ صد سالہ تاریخ ان فی ذالك لعبرة،

آج جب کہ مغربی قومیت کی تیز آندھیوں نے ان دبی چھپی چنگاریوں کو ہوائے دیگر مختلف تدبیروں سے شعلہائے جہنم بنا دیا ہے لیکن معصوموں کا ایک گروہ ہے جو باوجود "قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر" یہی سمجھ رہا ہے، کہ یہ عالم اصغر بھی نہیں، بلکہ "صفر" ہے۔ چند ہوا پرستوں کی صرف بدگمانیاں یا بدنفسیاں ہیں بہر حال اس نظریہ کی تائید میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں، آج تو ان کو صرف عقلی رنگ سے دیکھا جاتا ہے لیکن اس وقت علاوہ عقلیت کے اس میں "الہام اور" پیشگوئی" کی قوت بھی بھری جاتی تھی۔ ملا صاحب کا بیان ہے کہ

برہمنان..... شعرائے ہندی را از زبان دانایان سابق نقل کردہ می گذرانیدند با این مضمون کہ بادشاہ عالمگیرے در ہند پیدا شود کہ برہمنان را احترام کند و محافظت گاؤ نماید وگیتی را بعدل نگاہبانی کند و در کاغذہائے کہنہ آں خرافات را نوشتہ می نمودند و ہمہ با وری افتاد صـ ۳۲۶/۲	ہندوستان کے قدیم دانش مندوں کے نام سے (اس زمانہ) میں برہمن ہندی اشعار نقل کر کرکے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے جن کا مضمون یہ ہوتا تھا کہ جہاں کا فتح کرنے والا ایک بادشاہ ہندوستان میں پیدا ہوگا جو برہمنوں کی بڑی عزت کرے گا اور گائے کی حفاظت کریگا، اور عالم کی نگرانی انصاف کے ساتھ کرے گا۔

(ملا صاحب لکھتے ہیں کہ) پرانے کاغذات پر
ان خرافاتوں کو لکھ کر بادشاہ کو دکھایا کرتے تھے
اور بادشاہ ان کو صحیح خیال کرتا تھا۔

سنا جاتا ہے کہ آج بھی برہمنوں کی ایک بڑی جماعت پرانے کاغذات اور تانبے کے پتروں میں حسب مطلب مضامین لکھ لکھ کر زمین میں دفن کرتی ہے۔ اور پھر کچھ دن کے بعد "ڈیسکوری" کے نام سے آسمان و زمین کو سر پر اٹھا لیا جاتا ہے۔ اور ان ہی وثیقوں سے آج ہندوستان کی تاریخ مرتب ہو رہی ہے۔ ایک معتبر راوی نے مجھ سے حال ہی میں بیان کیا کہ "پونہ" کے علمی حلقوں میں اس نوعیت کے تحقیقی کاموں کا زیادہ زور ہے خیال گذرا تھا کہ شاید یہ وہاں کے برہمنوں کی کوئی "نئی اپج" ہے۔ مگر ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا پرانا دستور ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس قدامت پرست قوم کے پاس کوئی نئی چیز آخر کس طرح پیدا ہو سکتی ہے۔

بہر حال "ہندو مسلم" کے رفع خلاف کے لئے ایک طرف اندرونی طور پر یہ کارروائی ہو رہی تھی۔ اور کیا کہوں، مگر بے کہے رہا بھی نہیں جاتا کہ ٹھیک جس طرح اسی "ہندو مسلم اختلاف" کے رفع کے لیے یا "ہندی قومیت" کے لئے غیر تو جو کچھ کر رہے ہیں، کر ہی رہے ہیں، لیکن اپنوں کی بھی ایک جماعت ہے جو پوری قوت سے اس کی تائید و اثبات کے لئے آستین چڑھائے ہوئے ہے اسی طرح اس وقت بھی ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا، جس میں بدقسمتی سے زیادہ تر اسی جماعت کے افراد شریک تھے جو آج بھی اس نظریہ کے قبول کرنے میں عام مسلمانوں سے دس قدم آگے نظر آ رہے ہیں۔ ملا صاحب کا بیان ہے کہ کوئی صاحب حاجی ابراہیم صاحب سرہندی تھے جن کا ذکر اس کتاب میں مختلف مواقع پر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی آدمی تھے۔ اکبر کے زمانہ میں صوبۂ گجرات کی صدارت پر سرفراز تھے۔ آپ نے گجرات سے جو تحفے بادشاہ کے پاس بھیجے تھے، ان میں ایک تحفہ یہ بھی تھا:۔

عبارت جعلی از شیخ ابن عربی قدس
سرہ در کتابے کہنہ کرم خوردہ بخط مجہول نوشت
کہ "صاحب زمان" زنان بسیار خواہد داشت
در ریش تراش خواہد بود و صفتے چند کہ "در خلیفۃ
الزمان" بود درج کرد صہ ۲۷ ج ۲

ایک جعلی عبارت حضرت شیخ ابن عربی
قدس سرہ کی ایک پرانی کرم خوردہ کتاب سے
نامانوس حروف میں نقل کر کے بھیجی جس کا مطلب
یہ تھا کہ "صاحب زمان" کے پاس بہت سی
عورتیں ہوں گی اور ڈاڑھی منڈا ہوگا۔ اسی طرح
کے چند صفات جو "خلیفۃ الزمان" میں تھے،
اس میں درج تھے۔

اگرچہ برہمنوں کی طرح ان کی بات نبھ نہ سکی اور یہ حادثہ اس گروہ کے ساتھ اکثر پیش آتا ہے۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ:-

"آں جعل دیباس ظاہر شد"

ایک اور "مولنا صاحب" تھے۔ جن کا ذکر ملا صاحب نے مولنائے خواجہ شیرازی کے لقب سے کیا ہے۔ ان مولنا صاحب کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-

از مکہ معظمہ رسالہ از شرفا آوردہ
کہ در احادیث صحاح ہفت ہزار سال کہ مدت
ایام دنیاست سپری شدہ حالات وقت ظہور
مہدی موعود است و خود ہم رسالہ ترتیب
دادہ گذرانید صہ ۲۸۶

شرفاء کے پاس سے مکہ معظمہ سے
ایک رسالہ لائے کہ صحیح حدیثوں میں دنیا کی پوری
مدت عمر سات ہزار سال ہے اور یہ مدت پوری
ہو چکی۔ بس یہی وقت اس مہدی کے ظہور کا ہے۔
جن کا وعدہ کیا گیا ہے۔ خود ان مولنائے خواجہ
شیرازی صاحب نے بھی اس موضوع پر ایک
رسالہ مرتب فرمایا تھا۔

ملا صاحب لکھتے ہیں کہ اس تحریک کی تائید میں صرف سنی علماء ہی کے افراد شریک نہیں ہو گئے تھے۔ بلکہ شیعی علماء کے بعض افراد بھی:-

از امیرالمومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کردہ ص ۲۸۶

اکبر کے عہد کے ایک شیعی عالم ملا شریف آملی بھی تھے، صاحب تالیف و تصنیف تھے، ملا صاحب نے ان کا ایک طویل تذکرہ درج کیا ہے، انھوں نے محمود بسخوانی جو تیموری عہد کا ایک مشہور سطح نویس مصنف گذرا ہے، اس کی کتاب سے بھی یہ مضمون نکالا:۔

کہ در سال نہ صد و نود برداندہ باطل	نو سو نوے (ہجری) میں باطل کا مٹانے
شخصے خواہد بود۔ و ہمہ تعبیر از صاحب دین حق	والا ایک شخص پیدا ہوگا "صاحب دین حق" سے
تشخیص کردہ بہ حساب جمل نہ صد و نود ست	اس کی تعبیر کی گئی اور جمل کے قاعدہ سے وہی نو سو
ص ۲۸۷	نوے کے عدد نکالے گئے۔

ان سب کے علاوہ ناصر خسرو کی دو رباعیاں بھی اسی "نظریہ الف ثانی" کی تائید میں پیش کی جاتی تھیں۔ پہلی رباعی یہ ہے۔

در نہ صد و ہشتاد و نہ از حکم قضاء	آیند کواکب از جوانب یک جا
در سال اسد ماہ اسد روز اسد	از پردہ برون خرامد آں شیر خدا

اور "آں شیر خدا" سے مراد اکبر کی ذات تھی، دوسری رباعی یہ ہے۔

در نہ صد و تسعین دو قرآں می بینم	وز مہدی و دجال نشاں می بینم
یا ملک بدل گردد یا گردد دیں	سرے کہ نہاں است عیاں می بینم

بہر کیف اکبر کے زمانہ میں اتفاقاً اسلام کی عمر کے ہزار سال کا گذرنا ایک ایسا واقعہ بنالیا گیا جس پر "الف ثانی" کے نظریہ کی یاروں نے، بڑی بڑی تعمیریں کھڑی کردیں اور مستقل طور پر طے کردیا گیا کہ "محمدی اسلام" کی عمر پوری ہوگئی بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی اضافہ کردیا گیا کہ بالفرض اگر نہ بھی پوری ہوئی (جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے جب بھی

دریں سال شیخ مبارک در خلوت بحضور	ملا مبارک نے بیر بر سے بادشاہ کے
بادشاہ بیر بر گفت کہ چنانچہ در کتب شما تحریفات	سامنے خلوت میں مخاطب کر کے کہا کہ جس طرح

است در دین ما نیز تحریفات بسیار رفته و اعتماد نے نماند ص ۳۱۲

تمہارے دین میں تحریفیں ہوئی ہیں اس طرح ہمارے مذہب میں بھی تحریفیں ہوئی ہیں جنکی وجہ سے اب اس مذہب پر بھی اعتماد باقی نہ رہا۔

ایک مقدمہ یہ ہوا۔ اور دوسرا اسی کے بعد۔

مدت ہزار سال از ہجرت تمام شدہ ص ۲

اور ہجرت سے اس وقت تک ایک ہزار سال کی مدت پوری ہو چکی ہے

نتیجہ ظاہر ہے کہ اب کسی جدید آئین کی ضرورت ہے۔ لیکن جدید آئین کی بنیاد کیا ہونی چاہئے۔ گذر چکا کہ "ہندو مسلم" اختلاف کو رفع کرنا۔ اب سنئے کہ اس پر جدید حاشیہ آرائی کیا ہوئی۔

عقلا در ہمہ ادیان موجود بودہ اند و ارباب ریاضات و کشف و کرامات در کل طوائف انام پیدا و حق ہمہ جا دائر پس انحصار آں در یک دین و یک ملت کہ نو پیدا شدہ و ہزار سال بر و نگذشتہ باشد چہ لازم و اثبات یکے و نفی دیگرے ترجیح بلا مرجح از کجا

ص ۲۵۶

تمام مذاہب میں عقلمند موجود ہیں اور پائے جاتے ہیں اسی طرح ریاضت و مجاہدہ کشف و کرامات والے بھی دنیا کے تمام لوگوں میں پائے جاتے ہیں، اور حق تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے پھر ایک ہی دین و ملت میں حق کو کیوں منحصر خیال کیا جاتا ہے اور وہ بھی ایسے دین میں جو نو مولود ہے اس پر بھی ہزار سال بھی نہیں گذرے ہیں۔ آخر ایسے دین میں حق کو منحصر کر دینا کیوں ضروری ہے یقیناً ایک مذہب کو صحیح خیال کرنا اور دوسرے کو غلط ٹھہرانا یہ ترجیح بلا مرجح ہے یعنی بلا وجہ کی ترجیح ہے۔

"ہندی قومیت" کی تعمیر کا شاید یہی وہ مقدمہ ہے، جو اس کی جدید تحریک "اسلام" نشاۃ ثانیہ" کی تائید میں اسی جماعت کے ایک فرد فرید نے چند دن ہوئے کہ بعض آیات قرآنیہ کی جدید تفسیر کے ذریعہ سے اسی دعوی کو دہرا دیا ہے اور تحریک کے بانیوں کی جانب سے مفسر کو کافی داد ملی حتیٰ کہ بعض "دیسی" زبانوں میں اس کا ترجمہ کرکے بھی شائع کرایا گیا۔ خیر مجھے اس سے کیا بحث میں تو صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اسلام کو جس آتشگیر مادہ نے

کہ لیا ہے اور ناتوانوں کو خطرہ پیدا ہو رہا ہے کہ "خدانخواستہ" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب و اتباع باحسان کے فراہم کردہ خرمن کو (لا فعلہ اللہ) یہ شعلے بھڑک کر بھسم نہ کر دیں۔ یہ خیال اس قرآن کے متعلق جو "محفوظ" لوح میں انا لہ لحافظون کے دست قدرت سے ثبت کیا گیا ہے؛ اس کو برباد کرنا تو بڑی چیز ہے انشاء اللہ ناپاکوں کے ناپاک ہاتھ اس کو چھو بھی نہیں سکتے وہ خود اپنی اندرونی لازوالی قوتوں سے اس قسم کی اطفائی کوششوں کا ہمیشہ ردعمل کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ خواہ جھٹلانے والوں کی یہ جماعت فرعون و ثمود کے جنود ہی کیوں نہ ہوں،

بہرحال آخر یہ طے کر لیا گیا کہ "جدید ملت" کی بنیاد رکھدی جائے۔ ظاہر ہے کہ اکبر کی تکذیبی رفتار اس وقت تک صرف دامان نبوت تک پہونچی تھی۔ الحاد کی آخری منزل تک نہیں پہونچا تھا اس کے دماغ میں ابھی "الٰہ" کا عقیدہ باقی تھا اور اسی لیے اس جدید دین کا نام "الٰہی مذہب" رکھا گیا تھا۔ الٰہی مذہب کے لئے عموماً الہام ووحی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر کیا اکبر نے اس کا بھی کوئی سامان کیا تھا اور کتابوں میں تو شاید اس کا بھی کچھ سراغ ملتا ہے لیکن ملا صاحب باوجودیکہ ایک موقع پر لکھ گئے ہیں۔

این ہمہ باعث دعوئی نبوت شد — یہی باتیں دعوی نبوت کی سبب ہوئیں لیکن
اما نہ بلفظ نبوت بلکہ بعبارت آخر ۔۔۔ — نبوت کے لفظ کے ساتھ نہیں دوسرے لفظوں میں۔

اور ملا شیری نے بھی اپنے مشہور قصیدہ میں اکبر کی ان بیہودہ کوششوں کا اس ایک شعر میں جواب دیکر کہ:

شورش مغز است اگر در خاطر آرد جاہلے — کز خلائق مہر پیغمبر جدا خواہد شدن

آخر میں انھوں نے بھی کچھ "نبوت" ہی کے جانب ظریفانہ اشارہ کیا ہے۔

بادشاہ امسال دعوائے نبوت کردہ است — گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

لیکن بجز ایک واقعہ کے جس کا ذکر بدایونی نے بھی کیا ہے کہ نندانہ (پنجاب) سے

لوٹتے ہوئے اکبر کو سیر و شکار کا شوق ہوا۔ اور قمرغہ (ہانکنے) کا فرمان دے کر شکار میں صروف ہوا۔ چار دن تک مسلسل شکار کھیلتا رہا۔ شکاروں کا انبار لگ گیا۔ کہ اچانک ایک درخت کے نیچے۔

ناگاہ بہ یک بار حالتے عجیب و جذبۂ عظیم بر شاہنشاہی وارد گشت و تغیر فاحش در وضع ظاہر شد بمثابہ کہ تعبیر از آں ممکن نہ بود ہر کس ام ہر چیزے حمل می کردند صفحہ ۲۵۳	اچانک بادشاہ پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی اور عظیم جذبہ وارد ہوا۔ حالت میں غیر معمولی انقلاب سا پیدا ہو گیا، اور ایک ایسی کیفیت تھی جس کی تعبیر ناممکن ہے ہر شخص اپنے خیال کے مطابق ایک رائے قائم کرتا تھا۔

اکبر پر یہ کس قسم کا حال طاری ہوا تھا۔ ملا صاحب تو "الغیب عند اللہ" کہہ کر نکل گئے۔ لیکن آگے چل کر خود ہی لکھتے ہیں کہ۔

ایں خبر در شرق رویہ ہند شہرت یافتہ۔ اراجیف عجیب و اکاذیب غریب در افواہ عوام افتاد صفحہ	ہندوستان کے شرقی علاقوں میں بادشاہ کی اس کیفیت کے متعلق طرح طرح کی گپیں اور بیہودہ باتیں مشہور ہو گئیں۔

بظاہر وحی اور کتاب کے متعلق جو بعض خبریں مشہور ہیں۔ وہ ان ہی "اراجیف" و "اکاذیب" پر مبنی ہیں۔ اتنا تو ثابت ہے کہ اس درخت کو "مقدس" قرار دیا گیا۔ اور "طرح عمارت عالی و باغ وسیع در آنجا۔ انداختند" و "زر بسیار بفقرا و مساکین دادہ" اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ "موئے سر را قصر کردند" کون کہہ سکتا ہے کہ یہ گیا کے "بوئی ٹری" کی نقل نہ تھی۔ کیا اکبر کو پیپل کے اس درخت کی خبر نہ تھی۔ جس کے نیچے ہندوستان کے مشہور بانی مذہب "بدھا" کے ساتھ کچھ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا تھا؟ لیکن باوجود "عمارت عالی" و "باغ وسیع" کے سو اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ ملا شیری نے سچ کہا تھا

شورش سغز است اگر در خاطر آرد جا ہلے کز خلائق مہر پیغمبر جدا خواہد شدن

بہر حال جہاں تک میرے محدود معلومات کا تعلق ہے۔ اکبر نے نبوت کا صریح اور صاف دعویٰ کبھی نہیں کیا۔ جس کی شہادت ملا صاحب بھی دیتے ہیں۔ لیکن ایک کوئی تاج العارفین تھے وہ۔

انسان کامل را عبارت از خلیفۃ الزماں داشتہ و تعبیر آں بذات اقدس نمودہ اکثر عین واجب ولا اقل عکس ان فہمانیدہ ص۲۰۰

انسان کامل خلیفۃ الزمان کو قرار دیتے تھے اور اکبر کی ذات کو اس کا مصداق ٹھہرا کر اس کو بجنسہٖ یا کم از کم خدا کا عکس ہونا سمجھاتے تھے۔

لیکن پھر بھی جو بات "نبی" بننے میں حاصل ہو سکتی تھی۔ عین واجب بننے میں وہ لطف نہ تھا۔

تاج العارفین کا جس طبقہ سے تعلق تھا۔ اس میں "بادشاہ" تو خیر ایک چیز بھی ہے' ہر فقیر گداگر "انا الحق" کا نعرہ لگا سکتا تھا اور اسی لئے اس کو کوئی اہمیت بھی نہیں دی گئی۔ القصہ اس سلسلہ میں دوسروں کے بیان سے نہیں بلکہ خود ملا صاحب ہی کی دوسری عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ الف ثانی اور "تحریف اسلام" "مساوات ادیان" ان تینوں نظریات کو طے کرنے کے بعد۔

نماز و روزہ و جمیع نبوات را تقلیدات نام نہادند یعنی غیر معقول و مدار دین بر عقل گذاشتند نہ نقل ص۲۱۱

نماز و روزہ اور وہ ساری چیزیں جن کا نبوت سے تعلق ہے' ان کا نام "تقلیدات" رکھا گیا یعنی سب بدعقلی کی باتیں ٹھہرائی گئیں' اور مذہب کی بنیاد "عقل" پر رکھی گئی۔ نہ نقل پر۔

ایک اور موقعہ پر نقل کرتے ہیں کہ جب کسی شرعی مسئلہ کا ذکر ہوتا تو اس وقت بادشاہ یہ کہا کرتے تھے:۔

ایں را از ملایاں بپرسید و چیزے کہ تعلق بعقل و حکمت دارد از من ص۳۰۰

اس کو ملاؤں سے پوچھو' البتہ ایسی چیز جس کا تعلق عقل و حکمت سے ہو' وہ مجھ سے دریافت کرو۔

لیکن "عقل" کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس "جدید دین" کے تمام اصول و فروع سب براہِ راست "عقل" سے پیدا کیے جاتے تھے۔ بلکہ صورت یہ اختیار کی گئی کہ پہلے تو "مساوات ادیان" کا دعویٰ کیا گیا۔ گویا کسی دین کو کسی دوسرے دین پر ترجیح نہ دی جائے۔ لیکن مذاہب میں جو تضاد و تناقض ہے "نظریہ مساوات" پر اس کا نباہنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال تھا، اس لیے ترجیح کے لئے "عقل" میزان ٹھہرائی گئی۔ اور ممکنہ حد تک تمام مذاہب کے علماء و ماہرین جمع کرنے کی کوشش کی گئی اور ہر ایک سے اس کے مذہب کے معلومات حاصل کئے جاتے تھے۔ مسلمان اور ہندو تو دربار میں موجود ہی تھے۔ ان دو کے علاوہ اس وقت تک اس ملک میں یوروپین صلیبیوں کی بھی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ جیسا کہ ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ عموماً یہ لوگ ساحلی علاقوں میں بحری قزاقوں کی حیثیت سے منڈلاتے رہتے تھے۔ اور اندرونِ ملک میں ان کا داخلہ غالباً اس وقت بحیثیت بازیگروں کے ہوتا تھا۔ کیونکہ ملا صاحب نے ان کا اپنی کتاب میں جہاں کہیں تذکرہ کیا ہے اس میں زیادہ تر یہی ہے کہ جشن نوروز میں فرنگیوں کی بھی ایک ٹولی شریک ہوئی، اس نے ارغنون نامی باجہ بجا کر لوگوں کو متحیر کیا غالباً پیانو یا ہارمونیم تھا۔ کبھی بیلون اڑا کر تماشے دکھاتے تھے۔ الغرض اکبری عہد تک ان کی حیثیت بظاہر بازیگروں ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ بعد کو انھوں نے سوداگروں کا بھیس بدلا اور آخر میں جو کچھ ہو کر رہا وہ تو سب کے سامنے ہی ہے "توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء" کی حقیقی تفسیریں کتابوں میں نہیں بلکہ صحیفۂ فطرت کے اوراق میں ہمیشہ یوں ہی لکھی جاتی ہیں۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ قصہ یہ ہو رہا تھا کہ اکبری دربار میں مختلف ارباب مذاہب کی ٹولیاں یکے بعد دیگرے دھمکنے لگیں۔

ہر ایک اپنے مذہب کو دربار میں پیش کرتا جن میں ایک

دانایان مرتاض ملک افرنجہ کہ ایشاں را پادری مجتہد ایشاں را ..... پاپا می گویند

ملک فرنگ کے مرتاض دانشمندوں کا بھی گروہ تھا ان لوگوں کو پادھری کہتے ہیں، اور ان کے

انجیل او ر دو بر ثالثہ، دلائل گذرانیدہ و
حقیقت نصرانیت اثبات کردہ ۔۔۔

بڑے مجتہد کا نام پایا ہے۔ ان لوگوں نے
انجیل پیش کی، "اور ثالث ثلثہ" کے متعلق
دلائل پیش کئے اور نصرانیت کو حق ثابت کیا۔

ابو الفضل کو حکم دیا گیا کہ انجیل کا ترجمہ ان پادریوں سے پوچھ پوچھ کر کریں
یہی ترجمہ تھا جس کا بجائے بسم اللہ کے ای نام تو ژ ژو کرستو ۔ سے آغاز کیا گیا تھا۔
اسی طرح

آتش پرستان کہ از شہر نوساری
ولایت گجرات آمدہ بودند دین زردشت را
حق مے ونند و تعظیم آتش را عبادت عظیم می
گفتند و بجانب خود کشیدہ از اصطلاح وراہ
کیانیاں واقف ساختند

ولائت گجرات کے شہر نوساری سے
آتش پرست بھی آئے انھوں نے زردشت کے
دین کی حقیقت ثابت کی، یہ لوگ آگ کی تعظیم کو
بڑی عبادت خیال کرتے ہیں اُنھوں نے بادشاہ
کو اپنے جانب مائل کرنے کی کوشش کی اور کیانی
بادشاہوں کے رسم و رواج سے واقف کیا۔

..ن کے متعلق بھی ابو الفضل ہی کو حکم دیا گیا کہ

آتش بہ اہتمام شیخ ابو الفضل بروش
ملوک عجم کہ آتش ایشان ہمہ برپائے بود دائم
الاوقات وچہ در شب وچہ در روز در محل نگاہ
می داشتہ باشند ۔۔۔

شیخ ابو الفضل کی نگرانی میں حکم دیا گیا
ہے کہ ہمیشہ رات دن شاہی محل میں آگ
کے روشن رکھنے کا انتظام کیا جائے۔

ان کے سوا اور جو تاریکیاں تھیں وہ تو چراغ ہی کے نیچے تھیں۔ ہندو مذہب کے
تمام فرقے اور اسلام کے بھی مختلف العقائد گروہ دربار میں موجود تھے۔ ابتداءً سب سے پوچھا
جاتا تھا۔ اور ہر مذہب والے کی رائے دریافت کی جاتی تھی۔ جیسا کہ ملا صاحب کے اس بیان
سے معلوم ہوتا ہے۔

اصناف دانایان از ہر دیار وارِ بار	ہر ملک سے ہر قسم کے دانشمند اور مختلف
ادیان و مذاہب بدربار جمع شدہ بشرف	مذاہب و ادیان کے لوگ دربار میں جمع ہو کر
ہمزبانی مخصوص بودند بعد از تحقیق و تفتیش	بادشاہ کی ہمکلامی سے شرف یاب ہوتے تھے
کہ شب و روز شیوہ و پیشہ غیر ازاں نداشتند	تحقیق و تلاش جس کے سوا بادشاہ کا رات دن
ص ۲۵۶	میں کوئی شغلہ نہ تھا اس میں مشغول رہتے۔

لیکن یہ ساری تعمیر جو ہو رہی تھی ظاہر ہے کہ ایک مستقل مذہبی نظام" کی تخریب و تکذیب کے بعد ہو رہی تھی ممکن ہے کہ ابتدأً اس عمارت منہدمہ کی چیزوں سے بھی اس جدید عمارت کی تیاری میں کام لیا جاتا ہو۔ لیکن حالات نے بتدریج کروٹ لینا شروع کیا، اور نوبت آخر میں یہاں تک پہونچی کہ

برزعم اسلام ہر حکمے کہ ارباب ادیان	اسلام کی ضد اور اس کے توڑ پر ہر وہ حکم
دیگر بیاں می کردند آں رانص قاطع شمردند	جو کسی دوسرے مذہب کا ہوتا اوس کو بادشاہ
بخلاف دین ملت (اسلام) کہ ہمہ ان	نص قاطع اور قطعی دلیل خیال کرتے تھے۔ بخلاف
نامعقول و حادث و واضع ان فقرا ے	اسلامی ملت کے کہ اس کی ساری باتیں مہمل
عرباں ص ۲۵۶	اور نامعقول نو پیدا، عرب کے مفلسوں کی گڑھی
	ہوئی چیزیں خیال کی جاتیں۔

اس لئے اب سلسلۂ تحقیقات میں "اسلام" کا نام تختہ سے کاٹ دیا گیا۔ اور آخری طریقۂ کار یہ رہ گیا:۔

ہر چہ خوش می آمد از ہر کس غیر از	مسلمانوں کے سوا جس شخص کی جو بات پسند
مسلمانان التقاط و انتخاب نمودہ از انچہ نامرضی	آجاتی تھی اس کا انتخاب کیا جاتا تھا اور جو باتیں
طبع و خلاف خواہش بود احتراز و اجتناب	ناپسندیدہ اور بادشاہ کی خواہش کے خلاف ہوتی تھیں
لازم می دانستند ص ۲۵۶	ان سے احتراز اور پرہیز کو ضروری خیال کرتے تھے۔

اس معاملہ میں اکبر کی رفتار جس نقطہ پر پہونچ کر رہی ملا صاحب ہی اس کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:-

بعد از پنج و شش سال اثرے از اسلام نماند و قضیہ منعکس شد ص۲۵۵	پانچ چھ سال کے بعد اسلام کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اور بات بالکل الٹ گئی۔

اور یوں "مساواتِ مذاہب" "ترجیح بلا مرجح" رواداری انصاف کا سارا دعویٰ انتہائی تعصب کی شکل میں بدل گیا اور جب کبھی جس ملک اور قوم میں اس قسم کے دعاوی کا اعلان کیا گیا ہے اس کا آخری انجام یہی ہوا ہے۔ ملا صاحب کی عینی شہادت ہے کہ "روادار اکبر- "صلح کل" والے اکبر کی ذہنیت کا آخری حال یہ تھا۔

ہر کرا نہ بروفق اعتقاد خویش می یافتند کشتنی و مردود و مطرود و ابدی می دانستند و نام وے فقیہہ ماندند ص۳۳۹	جس کسی کو اپنے اعتقاد کے موافق نہ پاتے تھے وہ بادشاہ کے نزدیک کشتنی اور پھٹکارا ہوا، شمار ہوتا تھا۔ اور اس کا نام "فقیہ" رکھ دیا جاتا تھا۔

اور ملا صاحب کے سامنے

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

حالانکہ اس میں کوئی بوالعجبی نہیں ہے۔ ہمیشہ ارتداد و الحاد کی بنا "رواداری" کے زعم و دل کش دعویٰ پر قائم کی جاتی ہے۔ لیکن اس مسلک کے سلوک کی آخری منزل وہی ہے جہاں بالآخر اکبر پہونچ گیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ اب یہ قاعدہ مقرر کر دیا گیا کہ اسلام کے سوا تمام دوسرے مذاہب کے اصول و فروع کا مطالعہ کیا جائے اور ترجیح و عمل کا ذریعہ عقل کے فیصلہ کو ٹھہرایا گیا۔ جیسا کہ ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوا کہ خود اکبر شب و روز اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہتا تھا۔ لیکن اکیلے کہاں تک خود کام کر سکتا تھا۔ اور متفرق طور پر مختلف لوگوں کی کوششوں سے بھی کسی مستقل "نظام" کی تکوین ناممکن تھی اور وہ ہی کمیٹی و انجمن جس کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ

یورپ کے عہد تجدید کا نتیجہ ہے۔ لیکن ملا صاحب فرماتے ہیں کہ اکبر مذہب کو بھی ریزولیشن کے خراد پر چڑھا کر رہا۔ چالیس آدمیوں کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی اور

حکم کردند کہ از مقربان چہل کس بعدد چہل تن بنشینند و ہرکس ہرچہ داند بگوید و ہرچہ خواہد پرسد ص ۳۰۸

بادشاہ نے حکم صادر کیا کہ چہل تن کے حساب سے خاص خاص لوگوں میں سے جن کو بادشاہ سے قرب حاصل تھا چالیس آدمی ایک جگہ بیٹھا کریں اور اس مجلس میں جو شخص جو کچھ جانتا ہو اس کا اظہار کرے اور جس قسم کے سوالات کرنا چاہتا ہو کرے۔

چہل تن کی اس مجلس میں مسائل پیش ہوتے تھے اور پھر عقل سے اس کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ البتہ اس کمیٹی کی یہ ایک خصوصیت بھی تھی کہ اسلامی عقائد و اعمال کے متعلق

شبہات گوناگوں بہ تسخر و استہزاء در آوردہ اگر کسے در معرض جواب شد جواب ہمہ منع بود ص ۳۰۷

طرح طرح کے شبہے ہنسی مذاق کی شکل میں کیے جاتے اور اگر کوئی بیچارہ جواب دینے کا ارادہ کرتا تو جواب سے روک دیا جاتا۔

آزاد کمیٹیوں کا یہ عارضہ گویا نیا عارضہ نہیں ہے سب کچھ بول سکتے ہو اور کچھ نہیں بول سکتے اس تناقض کا کتنا اچھا ثبوت آج بھی قومی اور حکومتی مجلسوں میں ملتا رہتا ہے۔ یہ تھی اکبر دی گریٹ کی مسلمہ رواداری اور بچارے اکبر کو کیا کہا جائے۔ آج بھی مسلک "صلح کل" رواداری کے مدعیوں کا جو تجربہ ہو رہا ہے کیا اس سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ لیکن سب کچھ سننے اور سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی جو سننا نہ چاہتے ہوں اور دیکھنے سے آنکھیں میچتے ہوں ان سے کیا کہئے کہ بہت جلد ہی خود اُن کو۔

لوکنا نسمع او نعقل ماکنا فی اصحاب السعیر۔

اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔

کہنا ہی پڑے گا۔ بہرحال یوں "اسلام" کے سوا دیگر ادیان و مذاہب کے عناصر کا

انتخاب کیا جاتا اور اس ذریعہ سے "دین الٰہی" کی تعمیر ہو رہی تھی اس ذیل میں یہ واقعہ ہے کہ بیش شدہ مذاہب میں سے سب ہی سے کچھ نہ کچھ لیا جاتا تھا۔ مثلاً عیسائیوں سے بقول ملا صاحب

نواختن ناقوس نصاریٰ و تماشائے صورت ثالث ثلثہ و بلبلان کہ خوش گاہ ایشان ست وسائر لہو ولعب وظیفہ شد ص۳۱۲	نصاریٰ سے گھنٹہ بجانے اور "ثالث ثلثہ" (باپ بیٹا روح القدس) کی صورت دیکھنا اور بلبلان جو ان لوگوں کی خوش گاہ کا نام ہے) اور ایسی ہی دوسری کھیل کود کی باتیں بادشاہ کے وظیفہ میں داخل ہو گئیں۔

واللہ اعلم بالصواب "بلبلان" کیا چیز ہے؟ "خوش گاہ ایشان ست" سے جو تفسیر کی گئی ہو بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "بال گھر" وغیرہ کا یہ کوئی بگڑا ہوا تلفظ ہے۔ اسی طرح ملا صاحب نے جہاں یہ لکھا ہے کہ "مدار دین بر عقل گذاشتند" اسی کے بعد ان کا یہ فقرہ ہے کہ:۔

آمد و رفت فرنگیان نیز شد و بعضے اعتقادیات عقلی ایشاں را فرا گرفتند ص۳۱۲	فرنگیوں کی آمد و رفت بھی شروع ہو گئی تھی، اور بعض عقلی اعتقادات بادشاہ نے ان سے حاصل کیے۔

اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس "عقلیت" کی آندھی کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ مغربی تسلط کے بعد ہندوستان میں آئی۔ در اصل وہ اس سے دو صدی پیش تر دھمک چکی تھی۔ شاید وحی و نبوت معجزات کرامات وغیرہ کے انکار کی بنیاد "آمد و رفت فرنگیان" پر ہی مبنی ہو۔ گویا ریشنلزم (عقلیت) جسے خود اب یورپ کے اگناسٹک (ارتیابی) سراسر بدعقلی قرار دے چکے ہیں ہندوستان کے لیے یورپ کا یہ تحفہ کوئی جدید تحفہ نہیں ہے۔ "مغربی فلسفہ" کی تاریخ پڑھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہی زمانہ تھا کہ جب کیتھولک مظالم سے تنگ آکر کمزور اعصاب والوں کا غضبناک گروہ یورپ میں پیدا ہو کر سرے سے "مذہبی بنیادوں" پر جا و بیجا طریقہ سے پیہم حملے کر رہا تھا۔ اور نادانی سے اس عہد کے لوگوں نے منافرت کی اس پیداوار کا نام فلسفہ رکھ دیا تھا۔

اسی طرح پارسیوں کی بھی بعض باتیں قبول کی گئی تھیں، اور جیسا کہ گذر چکا شاہی محل میں انھیں کے مشورہ سے ایک "دوامی آتشکدہ" بھی علامی ابوالفضل کی نگرانی میں قائم کر دیا گیا تھا، ملا صاحب نے لکھا ہے کہ آگ "آیتے ست از آیات خدا و نورے ست از انوار وے" قرار دیگئی تھی، اور ھوَن کی رسم جو پارسیوں سے پہلے بھی شاہی محل میں "دختران راجہائے ہند" کی وجہ سے انجام دی جاتی تھی، اس میں اس آتشکدہ کے قیام سے اور اضافہ ہو گیا، خود بادشاہ علانیہ آتش پرستی کرتا تھا - اور

مقربان نیز در وقت افروختن شمع و چراغ قیام لازم می ساختند

اور بادشاہ کے مقربین بھی شمع اور چراغ کے روشن ہونے کے وقت قیام کرنا اپنے لئے فرض قرار دئے ہوئے تھے۔

یہ تھے وہ اجزا، جو نصرانیوں، اور مجوسیوں کے دین سے اس "جدید مذہب" میں شریک کئے گئے تھے لیکن سچ یہ ہے کہ سب سے زیادہ "اس دین" پر جس مذہب کا اثر پڑا تھا، وہ وہی مذہب تھا جس کو "ہندی قومیت" کی تعمیر کے سلسلہ میں سب سے زیادہ اثر انداز ہونا قدرتی طور پر ضروری تھا یوں تو اس مذہب کے علما اور پیروؤں سے دربار بھرا ہوا تھا اور جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے کہ بادشاہ کو

از صغر سن باز بطوائف مختلف از براہمہ وبادفروشان وسائر اصناف ہندواں ربطے خاص والتفاتے تمام است ۔ ص۲۶۱

بادشاہ کو بچپن ہی سے ہندوستان کی مختلف قوموں مثلاً برہمنوں سے بھاٹوں سے اور ازیں قبیل دوسری ہندی جماعتوں سے خاص ربط اور ان کی طرف فطری میلان تھا۔

ماسوا اسکے،

دختران راجہائے عظیم ہند کہ خیلے بتصرف آوردہ بودند تصرف درمزاج کردہ ۔ ص۲

ہندوستان کے بڑے بڑے راجواڑوں کی لڑکیاں جنھیں بادشاہ اپنے تصرف میں لاچکا تھا ان لوگوں

کو بھی بادشاہ کے مزاج میں خاصہ دخل ہو گیا تھا۔

اور اسی کے ساتھ کالپی کا ایک برہمن جس کا نام برہمداس تھا، اور جسکو پہلے "کب رائے" یعنی "ملک الشعراء" کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا اور بعد کو وہی بیربر (بہادر) کے نام سے مشہور ہوا، بادشاہ کے مزاج میں یہ بہت دخیل ہو گیا تھا۔ اکبر و بیربر کے تعلقات اس درجہ پر پہونچے ہوئے تھے کہ آجتک ان کے چرچوں سے ہندوستان کے گلی کوچے معمور ہیں۔

ملا صاحب نے اگر اسکے متعلق یہ لکھا ہے، کہ بادشاہ سے اس کا تعلق "لحمک لحمی ودمک دمی" کا سا ہو گیا تھا تو اس میں کیا تعجب ہے۔ اور آخر میں اسی بیربر کی سفارش سے ایک بڑا فلسفی برہمن جس کا نام دیوی تھا بادشاہ کے قرب سے معزز ہوا۔ بتدریج اس برہمن کا اثر اکبر پر یہانتک پڑا کہ رات کو بھی جب شاہی خوابگاہ میں چلا جاتا تھا، دیوی برہمن سے ملنے کے لئے بیچین رہتا تھا۔ معلوم نہیں کہ خاص اسی برہمن کے لئے یا کسی اور وجہ سے اکبر نے ایک لوٹ (جھولا) تیار کیا تھا، جس پر بیٹھنے والا بیٹھ جاتا، اور اوپر کھینچ لیا جاتا تھا۔ جہاں وہ خاص شاہی خوابگاہ میں پہنچ جاتا تھا، ملا صاحب لکھتے ہیں:-

چندگاہے دیوی برہمن کہ از معبران مہابھارت بود، بر چارپائی نشاندہ و بالاکشیدہ نزدیک بقصرے کہ آں را خوابگاہ ساختہ بودند معلق داشتہ از وے اسرار و افسانہائے ہندی و طریق عبادت اصنام و آتش و آفتاب و تعظیم کواکب و احترام اساطین کفرہ از برہما و مہادیو و بشن و کشن و مہامائی ...... شنیدہ بآں جانب گرائیدند ص۲۵۸

ایک زمانہ تک دیوی برہمن جو مہابھارت کی کتھا کہنے والا تھا اسکو چارپائی پر اوپر کھینچ لیا جاتا تھا جو اس قصر کے پاس تھا جسکو بادشاہ نے اپنی خوابگاہ میں بنایا تھا، اور اس سے ہندوستانی قصے اور اس کے اسرار نیز بتوں کے آفتاب کے آگ کے پوجنے کے طریقے ستاروں کی تعظیم کے آداب، کافروں کے بڑے لوگ گذرے ہیں مثلاً برہما، مہادیو، بشن، کشن، مہامائی وغیرہ کے احترام کی صورتیں سنتا اور پھر ان کی جانب مائل ہوتا۔ انکو قبول کرتا۔

اسی طرح پرکوتم نامی برہمن بھی بادشاہ سے بہت زیادہ ہل مل گیا تھا ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ تر "دین اکبری" میں ان ہی لوگوں کے عقائد و اعمال رسوم و طریقوں کو جگہ ملی۔

دین الٰہی کے عناصر

اگرچہ ایک "مستقل نظام مذہبی" کا تفصیلی تذکرہ اس مختصر سے مضمون میں ناممکن ہے لیکن بہ طور نمونہ کے بعض نمایاں اجزاء کا ذکر بھی آئندہ "مقصد" کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے ضروری ہے۔

یہ تو معلوم ہو چکا کہ سلبی طور پر اسلامی عقائد و عبادات و اعمال و رسوم کا بتدریج خاتمہ ہو چکا تھا، لیکن ان کی جگہ جو چیزیں اس جدید دین میں بھری گئیں ان میں ممتاز چیزیں یہ ہیں۔

عبادت میں بجائے توحید کے شرک صریح

کسی تاویل و توجیہ کی پناہ میں نہیں، بلکہ علانیہ اس باب میں اکبر کا جو مسلک تھا، ملا صاحب ہی سے اسکو سننا چاہیئے۔

عبادت آفتاب را روزے چہار وقت کہ سحر و شام نیم روز و نیم شب باشد لازم گرفتند، دہزار و یک نام ہندی آفتاب را وظیفہ ساختہ نیم روز متوجہ آں شدہ بحضور دل مے خواندند و ہردو گوش گرفتہ و چرخے زدہ مشتہا بر بناگوش کوفتہ حرکاتے دیگر نیز ازیں قبیل بسیار بود، و قشقہ کشیدند و نوبت و نقارہ یکے در نیم شب و یکے در وقت طلوع قرار یافت صـ ۳۲۲

آفتاب کی عبادت دن میں چار وقت یعنی صبح و شام دوپہر آدھی رات میں لازمی طور پر کرتے تھے۔ اور ایک ہزار ایک آفتاب کے ہندی ناموں کو اپنا وظیفہ بنایا تھا، ٹھیک دوپہر کو آفتاب کی طرف متوجہ ہو کر حضور قلب کے ساتھ ان ناموں کو پڑھا کرتے تھے، اور اپنے دونوں کانوں کو پکڑ کر بادشاہ ایک چرخ کھاتا اور کانوں کے دیبر ٹھکے لگاتا اور اسی قسم کی دوسری حرکات بہت سی بادشاہ سے صادر

ہوتی تھیں، وہ قشقہ بھی لگاتے تھے، اور آدھی
رات کو ایک دفعہ، پھر طلوع آفتاب کے وقت
دوسری دفعہ روزانہ نوبت ونقارہ بھی مقرر تھا۔

یہ قاعدہ مقرر تھا کہ جب آفتاب کا ذکر کیا جائے (العیاذ باللہ) اس وقت جلت
قدرتہ کہا جائے اور ایک بیچارہ آفتاب ہی کیا،

ہم چنیں آتش وآب وسنگ ودرخت وسائر
مظاہر روزگار تاگاؤ وسرگیں آں نیز وقشقہ
وزنار را جلوہ داد ودعا تسخیر آفتاب کہ ہندو
آں تعلیم دادہ بودند بہ طریق ورد در نیم شب و
وقت طلوع خواندن گرفتند ص۲۶۱

اسی طرح آگ، پانی، درخت، اور تمام مظاہر فطرت
حتیٰ کہ گائے اور گائے کے گوبر تک کو پوجتا تھا، اور
قشقہ جنیو سے اپنے بدن کو آراستہ کرتا، اور آفتاب
کے مسخر کرنیکی دعا جس کی تعلیم ہندوؤں نے دی تھی
"ورد" کے طور پر آدھی رات کو اور طلوع آفتاب
کے وقت پڑھا کرتا تھا۔

اور صرف عبادت ہی نہیں کی جاتی تھی، بلکہ ربوبیت میں بھی اسکو شریک ٹھیرایا گیا
تھا کہ:۔

آفتاب نیر اعظم وعطیہ بخش تمام عالم ومربی
بادشاہان وپادشاہان مروج ادا نیند۔ ص۲

آفتاب نیر اعظم ہے، اور سارے عالم کو وہ داد و
دہش کرتا ہے، بادشاہوں کا مربی وسر پرست
سورج ہی ہے، اور سلاطین اسکو رواج دلانے والے ہیں۔

کواکب پرستی میں غلو اس قدر بڑھ گیا تھا کہ:۔

لباس راموافق رنگ از سبع سیارہ کہ ہر روزے
بکوکبے منسوب است ساختند ص۲

بادشاہ اپنے لباس کا رنگ سات ستاروں کے رنگ
کے مطابق رکھتے تھے، چونکہ ہر دن کسی سیارہ کے ساتھ
منسوب ہے اس لئے ہر دن کے لباس کا رنگ جداگانہ
مطابق رنگ سیارہ ہوتا)

مود کے متعلق بھی ہندوؤں نے باور کرایا تھا کہ :۔

"خوک ازاں وہ مظہرست کہ حق تعالیٰ دراں حلول کردہ (العیاذ باللہ)"

"مبداء و معاد" جن پر مذاہب کی بنیاد قائم ہے، اسمیں مبدء کے متعلق تو یہ عقیدہ قرار دیا گیا، اب رہا معاد یعنی "بعد مردن" کے متعلق جدید دین میں ۔

درمذہب تناسخیہ رسوخ قدم حاصل شد، ص۳۰۵ تناسخ کے عقیدہ میں بڑی پختگی پیدا ہوگئی تھی۔

اعظم خاں گورنر بنگال جب دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا :۔

"ادلائل قطعی بر حقیقت تناسخ یافتہ ایم شیخ ابوالفضل خاطر نشاں شما خواہد کرد" ص۳۰۰

اس مسئلہ کے متعلق خوش اعتقادی یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ برہمنوں کے مشورہ سے بادشاہ صرف سر کے بیچ کے بال منڈوایا کرتے تھے۔ اور چاروں طرف کناروں کے بال چھوڑ دیے جاتے تھے۔ عقیدہ یہ تھا کہ چونکہ بادشاہ کی روح کامل ہو چکی ہے اور

روح کامل کملاں از راہ امر کہ منفذ دہم ست خروج میکند دراں وقت آوازے مثل صاعقہ میکند و آں دلیل سعادت و نجات میت است ازگناہان و علامت حلول روح است بمذہب تناسخ در بدن بادشاہے ذی شوکتے صاحب اقتدارے نافذ الامرے ص۳۲۵

اور کامل و مکمل لوگوں کی رُوح کھوپری (تالو) کی راہ سے نکلا کرتی ہے جو دس سوراخوں (یعنی بدن کے) سوراخوں میں سے دسواں سوراخ ہے جس وقت کاملوں کی رُوح کھوپری سے نکلتی ہے اس وقت ایک کڑاکے کی آواز پیدا ہوتی ہے، اور یہ آواز رُوح کی سعادت و نجات کی دلیل ہوتی ہے، اور یہ کہ مردہ کو گناہوں سے نجات ہو گئی (شاید جلنے کے وقت آخر میں جو مردوں کی کھوپڑی پھٹتی ہے اور اس وقت ایک سخت آواز قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہے برہمنوں نے اسی کو نجات کی دلیل بنا لیا ہوگا) بہرحال اس آواز کو یہ لوگ اسکی دلیل بھی قرار دیتے تھے کہ ایسے آدمی کی رُوح کسی صاحب شوکت با اقتدار عظیم الشان بادشاہ کے بدن میں جنم لیتی ہے۔

گویا اس طریقہ سے بادشاہ کو یقین تھا کہ مرنے کے بعد پھر کسی دوسرے تخت پر اسی شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر ہوں گے، اگرچہ بعض برہمنوں نے تو یہ بھی باور کرا دیا تھا کہ اکبری عہد (الف ثانی) سے چونکہ بجائے قمر کے زحل کا عمل و دخل شروع ہو گیا ہے اس لئے عمر کی جو دورہ قمر کا نتیجہ تھی اب نہ ہو گی۔ دورہ زحل کے متعلق خیال تھا کہ "مجدد اطوار ادوار، و مورث طول اعمار است" الغرض پہلے تو موت ہی کے خیال کو ایک دور دراز زمانہ تک ملتوی کر دیا گیا اور اسکے بعد بھی یقین دلایا گیا کہ آئندہ بھی بادشاہ کی روح کسی ایسے ہی بادشاہ کے جون میں حلول کرے گی جیسا کہ وہ خود تھا، ان باتوں نے تناسخ پر اس کے قدم کو راسخ کر دیا تھا۔
ملا عبد القادر لکھتے ہیں کہ

ایک دفعہ مہابھارت کے ترجمہ میں بے ساختہ ایک قصہ کے ذکر میں میرے قلم سے یہ مصرعہ نکل گیا تھا ع

ہر عمل اجرے و ہر کردہ جزائے دارد

بادشاہ نے جس وقت یہ مصرعہ سنا، بگڑ گیا کہ (میرے اس مصرعہ کو

این معنی را حمل بر سوال منکر نکیر و حشر و نشر و حساب و میزان و غیر آں نمودہ مخالف قرار داد خویش کہ بغیر تناسخ ہیچ چیز قائل نیستند منتخب

بادشاہ نے منکر نکیر کے سوال، حشر و نشر، حساب و میزان وغیرہ کی طرف اشارہ خیال کیا، اور ان ہی پر اس مصرعہ کو محمول کیا، اور اسکو اپنے تناسخ کے عقیدے کے مخالف قرار دیا جس کے سوا وہ کسی چیز کا قائل نہ تھا۔

ملا بیچارے کی خیر نہیں تھی، بارے ترجمہ کے حیلے سے رہائی ملی، عقائد کے یہی دو اہم جزا تھے اور اکبر کا اس میں یہ حال تھا۔

یہ عقائد و عبادات تھے جو بادشاہ کرتا تھا،

اور ستم ظریفی یہ تھی کہ با ایں ہمہ شرک اس مذہب کا نام

"به توحید الٰہی" موسوم ساختند۔ ص ۳۲۵ "توحید الٰہی" کے نام سے اس مذہب کو موسوم کیا گیا تھا،

مریدوں سے باضابطہ اس دین میں داخل ہونے کے متعلق بیعت لی جاتی تھی سب سے پہلے جو کلمہ پڑھایا جاتا تھا، وہ جیسا کہ ملا صاحب لکھتے ہیں:۔

قرار دادند که به کلمه لا اله الا اللہ" اکبر خلیفۃ اللہ" علانیہ تکلیف نمایند۔ ص ۲۷۳

حکم تھا کہ "لا الہ الا اللہ" کے ساتھ "اکبر خلیفۃ اللہ" کہنے پر لوگوں کے ساتھ اصرار کیا جائے اور اس کا ان کو مکلف ٹھیرایا جائے۔

بلکہ اس قول سے تو معلوم ہوتا ہے کہ محض مریدوں ہی تک یہ بات محدود نہ تھی بلکہ عام رعایا کو بھی اس کے کہنے پر قانونی حیثیت سے مجبور کیا جاتا تھا۔

بہرحال جو لوگ اس دین میں باضابطہ داخل ہوتے تھے۔ ان کو گزشتہ بالا کلمہ کے ساتھ حسب ذیل معاہدہ نامہ کا اقرار کرنا پڑتا تھا ملا صاحب نے اس معاہدہ نامہ کو بجنسہ نقل کر دیا ہے۔

منکہ فلاں بن فلاں باشم بہ طوع و رغبت و شوق قلبی ازیں اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم ابرا، و تبرا نمودم و در دین الٰہی اکبر شاہی درآمدم و مراتب چہار گانہ اخلاص کہ ترک مال و ترک جان و ناموس و دین باشد قبول کردم ص ۳۰

منکہ فلاں بن فلاں ہوں، اپنی خواہش و رغبت اور دلی شوق کے ساتھ دین اسلام مجازی، اور تقلیدی جو باپ دادوں سے سنا اور دیکھا تھا اس سے علیحدگی اور جدائی اختیار کرتا ہوں اور اکبر شاہی دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں، اور اس دین کے اخلاص کے چاروں تبوں یعنی ترک مال، ترک جان، ترک ناموس و عزت، ترک دین کو قبول کرتا ہوں۔

جو لوگ اس دین میں داخل ہوئے تھے انکو "موافق اصطلاح جوگیاں چیلہ نامیدند" ص ۳۲۵ اور خود یہ لوگ "جماعۃ را کہ مرید مے گرفتند الہیان مشہور بودند" ص ۲۹۹ ان لوگوں کے لئے یہ دستور ٹھیرایا گیا تھا کہ:۔

اللہ اکبر عنوان نامہائے قرار یافت ص۳۲۱	اپنے خطوط کے سرناموں میں "اللہ اکبر" لکھا کریں۔

نیز بجائے "سلام" کے

مریدان چو بہم گر ملاقات بہ کردند یکے "اللہ اکبر" دیگرے جل جلالہ گویند۔ ص۳۵۶	مرید جب باہم ملتے جلتے، تو ان میں ایک "اللہ اکبر" اور دوسرا "جل جلالہ" کہتا۔

مرید کرنے کا طریقہ یہ تھا،

ہر دوازدہ نفر نوبت بہ نوبت و مثل بہ مثل مرید شدہ موافقت در مشرب مذہب مے نمودند	بارہ بارہ آدمیوں کی ٹولی ٹولی نوبت بہ نوبت بادشاہ سے مرید ہوتی اور مشرب و مذہب میں یہ لوگ موافقت اختیار کرتے

ان کو "شجرہ" بھی دیا جاتا تھا لیکن وہ "شجرہ" کیا ہوتا تھا، "حامیان تجدد" کے لئے باعث رشک ہے ہائے!

حریفاں بادہا خوردند و رفتند	تہی خم خانہ ہا کردند و رفتند

بجائے شجرہ شبیہے دادہ آں را علامت اخلاص و مقدمہ رشد و دولت مے دانستند و درغلافے مرصع پیچیدہ بالائے دستار مے گذاشتند۔ ص۳۴۱	"شجرہ" کی جگہ بادشاہ کی ایک "شبیہ" (تصویر) مرید کو دی جاتی تھی، اس تصویر کو اخلاص کی علامت، پختگی اور دولت و اقبال کا مقدمہ خیال کیا جاتا تھا ایک مرصع جواہر نگار غلاف میں اس تصویر کو رکھ کر یہ لوگ اپنی اپنی دستاروں پر لگاتے تھے،

علاوہ ان معبودوں کے جنھیں پیر پوجتا تھا، مریدوں کے لئے خود "بادشاہ" کی عبادت بھی "دین جدید" کے اہم ارکان میں شمار کی جاتی تھی، اس عبادت کا خاص طریقہ تھا، ملا صاحب لکھتے ہیں:-

ہر صباح در وقت عبادت شمس بجھروکہ تا طلعت مبارک نے دیدند مسواک و طعام	ہر صبح میں اس وقت جس وقت بادشاہ جھروکہ میں آفتاب کی پوجا کرتا تھا ان مریدوں کی جبتک بادشاہ کے مبارک

آب بر ایشان حرام بود و در ہر شے صاحب
حاجتے و نیاز مندے از ہندو مسلم و انواع
طوائف مرد و زن صحیح و سقیم را آنجا بار عام
بود و کار بارے طرفہ و ہنگامہ گرمی و ار
دحامے عظیمے و ہمیں کہ از تسبیح ہزار و یک
نام نیر اعظم فارغ شدہ از حجاب بر مے آمدند
ایں جماعت در سجودے افتادند۔ ص ۳۲۶

چہرہ پر نظر نہ پڑتی تھی تو یہ دتون کرتے تھے اور
کھانا پانی انپر اس وقت تک حرام تھا، رات ہی کو وقت
سے ہر شب میں حاجت و ضرورت والے خواہ ہندو ہوں
یا مسلمان عورتیں مردوں میں سے اچھے بیمار سب ہی طرح
کے لوگوں کو اس جگہ آنے کی عام اجازت تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا
کہ ایک بڑا ہنگامہ، ایک بڑا میلہ روز لگ جاتا تھا، بادشاہ
جوں ہی آفتاب کے ایک ہزار ایک نام کے وظیفہ سے فارغ
ہو کر پردہ کے باہر آتا سب کے سب ایک دفعہ سجدہ میں گر جاتے۔

الغرض بادشاہ تو ذرہ سے لیکر آفتاب تک ہر اس چیز کا پجاری بن گیا تھا جس میں نفع و ضرر کا پہلو کچھ بھی نمایاں ہوتا، اور بادشاہ کے مرید علاوہ ان معبودوں کے خود اپنے پیر کو بھی پوجتے تھے اسی سجدہ کا نام "زمیں بوس" رکھا گیا تھا، اس سلسلہ میں تاج العارفین صاحب کا صوفیانہ اغوا، بھی شریک تھا، یہ مولنا زکریا اجودھنی کے صاحبزادے تھے۔ اور نزہۃ الارواح جو تصوف کی مشہور کتاب ہے اس پر شرح بھی لکھی تھی آپ ہی نے بادشاہ کو "عین واجب" لا اقل عکس واجب قرار دے کر

سجدہ برائے او تجویز کردہ آں را زمیں بوس
نامیدند و رعایت ادب بادشاہ را فرض
عین شمردہ و روئے او را کعبہ مرادات و
قبلہ حاجات دانا نیدند و بعضے روایات
مرجوحہ و عمل مریداں بعضے مشائخ ہند را
دریں باب تمسک آوردند ص ۲۵۹

بادشاہ کے لئے سجدہ کو جائز قرار دیا، اور اس کا نام
"زمین بوس" رکھا گیا تھا، اور بادشاہ کے ادب کا خیال
فرض ٹھیرایا گیا، اور بادشاہ کو مقاصد و مراد دل کا کعبہ
اور اس کے چہرہ کو قبلہ حاجات مقرر کیا گیا، اور بعض
کمزور روایتوں، اور ہندوستان کے بعض صوفیوں کے
طرز عمل سے اس دعوے کو ثابت کیا جاتا تھا۔

• زمیں بوس کا یہی طریقہ تھا، جو بعد میں بھی جاری رہا، حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے دل کا زخم اسی مسئلہ کے منہ سے بالآخر پھوٹ پڑا تھا، جیسا کہ آئندہ ذکر آتا ہے۔ اکبری عہد میں عوام ہی نہیں بلکہ خواص علما بھی اِس مشرکانہ فعل کے مرتکب ہوتے تھے ملا صاحب نے ایک عالم کی تصویر میں بوس کے وقت کی کھینچی ہے فرماتے ہیں کہ یہ مولوی دربار میں جس وقت حاضر ہوا تو

گردن کشر کورنش کردہ تا دیرے دست بستہ چشم پوشیدہ ایستادہ ماند بعد از مدتے چوں حکم نشستن فرمودند سجدۂ بجا آوردہ و مانند اشتر لوک نشست۔ صفحہ ۲۴۷

گردن ٹیڑھی کرکے کورنش بجالایا، اور دیر تک ہاتھ جوڑے اور آنکھیں بند کئے کھڑا رہا، دیر کے بعد جب اس کو بیٹھنے کا حکم ملا۔ تو فوراً سجدہ میں چلا گیا اور بے کینڈے اونٹ کی مانند بیٹھ گیا۔

یہ حال عقائد و عبادات کا تھا، ان کے اسوا اور جو باتیں اس "دین" کے رسوم و عادات میں سے تھیں ان کا افسانہ طویل ہے، تاہم خروارے "ایک مشت" ہی پر کفایت کی جاتی ہے۔

سود اور جوئے کی حلت | ملا صاحب لکھتے ہیں:۔

ربوا و قمار حلال شد و دیگر محرمات برایں قیاس باید کرد و قمار خانہ در دربار بنا کردہ زرے بسود بقماراں از خزانے مے دادند۔

سود اور جوا حلال کر دیا گیا تھا، اسی پر دوسری حرام چیزوں کو قیاس کر لینا چاہئے ایک جوا گھر خاص دربار میں بنایا گیا اور جواریوں کو شاہی خزانہ سے سودی قرض دیا جاتا تھا۔

شراب کی حلت | فتویٰ دیا گیا کہ۔

شراب اگر بحیثیت رفاہیت بدنی بطریق اہل حکمت بخورند وفتنہ وفسادے ازاں نزائد مباح باشد بخلاف مستی مفرط و اجتماع و غوغا کہ اگر ایں چنیں یابند سیاست بلیغ نمودند۔

شراب بدن کی اصلاح کے لئے طبی طور پر استعمال کی جاسکتی ہے بشرطیکہ اس کے پینے سے کوئی فتنہ و فساد نہ پیدا ہو اس طرح شراب پینا جائز ہے، البتہ حد سے گذرا ہوا نشہ، اور اسکی وجہ سے لوگوں کا جمع ہو کر شور و غوغا مچانا بادشاہ کو اگر اسکی خبر ہو جاتی تھی تو سخت دارو گیر کرتے تھے۔

اور جس طرح جوئے اور سود کی عملی شکل اختیار کی گئی تھی، بادشاہ نے خود ہی۔

دوکان شراب فروشی بر در بار باہتمام خاتون دربان کہ از نسل خمار است برپا کردہ نرخ نے معین نہادند۔

ایک دکان شراب فروشی کی بھی دربار ہی کے پاس دربان عورت جو شراب فروشوں کی نسل سے تھی اس کے اہتمام میں قائم کی تھی اور اس کے نرخ بھی خود ہی مقرر کئے تھے۔

گویا محکمۂ "آبکاری" کی ہندوستان میں یہ پہلی بنیاد تھی۔ شراب کے مسئلہ میں بادشاہ کو جس قدر غلو تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ:۔

در مجالس نوروزی اکثرے علما و صلحا، بلکہ قاضی و مفتی را نیز در وادی قدح نوشی آوردند۔

کہ نوروز کی مجلسوں میں اکثر علما، و صلحا، بلکہ قاضی و مفتی تک شراب نوشی کے میدان میں لائے جاتے تھے۔

"نشاط" کی اس مجلس میں مختلف لوگوں کے نام سے جام تجویز کئے جاتے ہیں۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

ملک الشعراء (فیضی) مے گفتند کہ ایں پیالہ بکوری فقہاء مے خوریم۔

کہ ملک الشعراء فرمایا کرتے کہ یہ پیالہ میں فقہا کے "اندھاپن" کے نام سے پیتا ہوں۔

داڑھی کی درگت شراب کی حلت کے بعد "دین الٰہی" میں سب سے زیادہ زور جس چیز پر دیا جاتا تھا۔ وہ "ریش تراشی" کا مسئلہ تھا۔ ملا صاحب کا بیان ہے کہ ابتداءً داڑھی منڈانے کا خیال "دختران راجہائے عظیم" کی بدولت پیدا ہوا اس کے بعد پھر کیا تھا اس خیال کی تائید میں عقلی و نقلی دونوں قسم کے دلائل کا دریا بہا دیا گیا۔ عقلی دلائل میں دلچسپ دلیل تو یہ تھی کہ:۔

ریش از خصیتین آب مے خورد لہذا ہیچ خواجہ سرائے ریش ندارد و نگاہ داشتن او چہ ثواب۔

ڈاڑھی کے بال کی سیرابی چونکہ خصیتین سے ہوتی ہے اور ان ہی سے ڈاڑھی پانی لیتی ہے، پھر اس کے رکھنے سے کیا ثواب ہو سکتا ہے۔

اور نقلی دلائل جو اس سلسلے میں پیش کئے گئے، ان میں بعض سننے کے قابل ہیں، ان ہی سے دوسری دلیلوں کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے فقہ کی کسی کتاب میں لکھا ہوا تھا کہ ڈاڑھی کو اس طرح

نہیں ترشوانا چاہئے جس طرح عراق کے بعض اوباش کرتے ہیں۔ اوباش کا ترجمہ عربی میں عصاۃ سے کیا گیا تھا۔ ہندو مسلمانوں کی صورت کو واحد نقطہ پر جمع کرنے کی کوشش میں ایک مولوی صاحب نے عین کو قاف بنا دیا۔ اور شاہی دربار میں انھوں نے عبارت اس شکل میں پیش کی۔

کما یفعلہ قضاۃ العراق　　جس طرح عراق کے قاضی منڈایا کرتے ہیں؛

دلیل یہ تھی کہ جب عراق کے قاضی داڑھی منڈاتے تھے۔ تو ہندوستان کے کیوں نہ منڈائیں۔

ملا ابو سعید پانی پتی جو ملا امان کے بھتیجے تھے، ان کے پرانے مسودوں سے ایک حدیث بھی بارگاہ شاہی میں گزرائی گئی تھی جس کا ترجمہ ملا صاحب نے درج کیا ہے۔

پسر صحابی متراش در نظر ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آمد فرمودند کہ اہل بہشت با یں ہئیت خواہند بود صہ ۲۷۵

ایک صحابی کے صاحبزادے ڈاڑھی منڈائے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت والوں کی یہی صورت ہوگی۔

آخر میں "ریش تراشی" کے معاملہ میں اکبر کا جنون اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ "ریش تراشی بہ کلاش میکردند"۔ بیچارے ملا صاحب نے اس کی تاریخ بھی لکھی۔

گفتہ ریشہا برباد دادہ مفسدے چند

دربار اکبری کے بڑے بڑے فضلا و علما روزمرہ اپنی اپنی داڑھیاں بادشاہ کے قدموں پر نثار کرتے تھے۔

غسل جنابت | ایک مسئلہ اس "دین جدید" کا یہ بھی تھا۔

فرضیت غسل جنابت مطلقاً ساقط شد کہ تخم آفرینش نیکان است بلکہ مناسب آن ست کہ اول غسل کنند بعد ازاں جماع

ناپاکی کی وجہ سے غسل کے فرض ہونے کا مسئلہ منسوخ کر دیا گیا اس لئے کہ (منی) نیک لوگوں کی پیدائش کا تخم ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ پہلے آدمی غسل کرے بعد اس کے ہم بستر ہو۔

قانون نکاح اور سارداایکٹ | نکاح کے متعلق چند جدید قوانین نافذ کئے گئے ایک تو یہ کہ دختر خال را

نکاح نکنند کہ نسل کم شود" اور اسی کے ساتھ یہ بھی قانون بنایا گیا کہ:۔

پسر را پیشتر از شانزدہ سالگی و دختر را از چاردہ سالگی نکاح روا نہ باشد کہ فرزند ضعیف مے شود

سولہ سال سے پہلے لڑکوں کا اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح جائز نہ ہوگا اس لئے کہ بچے کمزور پیدا ہوتے ہیں۔

گویا ساردا ایکٹ کا نفاذ بھی اسی زمانہ میں ہوگیا تھا۔ ملا صاحب نے لکھا ہے، کہ مسلمانوں نے اس وقت حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کو عذر میں پیش کیا تھا غنیمت ہے کہ اکبر نے صرف واقعہ کے انکار پر قناعت کی جیسا کہ لکھتے ہیں۔

قصہ زفاف صلی اللہ علیہ وسلم با صدیقہ را مطلق منکر بودند

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیقہ کی رخصتی کے بالکلیہ منکر تھے (یعنی عمر کی مشہور مدت غلط ہے)

نکاح ہی کے سلسلہ کا ایک قانون یہ بھی تھا کہ "بیشتر از یک زن نکاح نکنند"
گویا تعدد ازدواج کا قصہ اسی وقت اٹھ چکا تھا، دلیل میں کہا جاتا کہ "خدا یکے و زن یکے"

یہ بھی حکم تھا کہ آئسہ عورت (جس کے ایام بند ہوں) نکاح نہیں کر سکتی، اسی طرح ایسی عورت جو مرد سے بارہ سال بڑی ہو، مرد اس کے ساتھ ہم بستری نہیں کر سکتا، ساردا ایکٹ کی پیچیدگیاں ابھی سامنے نہیں ہیں چونکہ اس دور میں ابھی اس پر پورا عمل نہیں ہوا ہے ورنہ اکبر کے عہد میں اس کا جو انجام ہوا تھا، ملا صاحب بیان کرتے ہیں کہ حکم چونکہ یہ تھا کہ جب تک لڑکا اور لڑکی کا کوتوالی میں معائنہ نہ کرالیا جائے، اور عمر کا صداقت نامہ نہ حاصل کر لیا جائے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا نتیجہ اس کا یہ ہوا

بایں تقریب خیلے منافع و فوائد بعہدہ داران خصوصاً کسان کوتوال و خانوے کلال و سائر اعوانان ارذال بیروں از دہم و

اس ذریعہ سے عہدہ داروں کو کمانے کا خوب موقعہ ملا خصوصاً کوتوال اور خانوے کلال کے آدمیوں، اور انکے دوسرے مددگاروں اکتوں کو جو عموماً کمینے ہوتے ہیں ان کو اس

خیال عائد گردید۔ ص۳۹۱

قانون سے جو نفع پہونچا اس کا اندازہ حدِ وہم و خیال سے باہر ہے۔

پردہ | ملا صاحب کی اس عبارت سے

زنے جوانے کہ در کوچہ و بازارے گردیدہ باشد در ان حال یا روبپوشد یا روے کشادہ گردد ص۳۹۱

جو آن عورتیں جو کوچہ بازار میں نکلتی ہیں، باہر نکلنے کے وقت میں چاہئے کہ چہرہ کو یا کھلا رکھیں، یا چہرہ کو کھول دیا کریں (اگر برقعہ وغیرہ ہو)

معلوم ہوتا ہے، کہ شائد قانوناً پردہ بھی اٹھا دیا گیا تھا۔ گویا وہ ساری روشن خیالیاں اور جدت طرازیاں جن پر "عہد جدید" کو ناز ہے، نہایت افسوس ناک سانحہ ہے، کہ تقریباً ان میں سے اکثر روشنی جدید نہیں، بلکہ قدیم ہے، کاش! اس کی کہنگی و قدامت ہی ان لوگوں کے چونکنے کا ذریعہ بنجائے۔

زنا کی تنظیم | نکاح کے قوانین میں ان ترمیموں کے سوا عہد اکبری میں بعض علماء نے فقہ حنفی کی رو سے "جواز متعہ" کا بھی فتویٰ صادر کیا تھا جس کا قصہ طویل ہے بعضوں نے تو اکبر کے "الحاد" کا نقطۂ آغاز اسی مسئلہ کو قرار دیا ہے بعض مولویوں نے بجائے چار کے اکبر کے کانوں تک یہ بھی پہونچا یا تھا کہ بعض مجتہدین (نو) اور بعض اس سے زیادہ بھی بیویوں کے قائل ہیں لیکن یہ باتیں اس وقت کی ہیں جب تک ان مولویوں کو "نقیہ کو"[؟] کا خطاب نہ ملا تھا" دین الہیٰ" کی تدوین کے بعد تو آپ دیکھ چکے کہ ایک سے زائد تک کی حرمت کا قانون بن گیا تھا، البتہ بانجھ ہونے کی صورت میں دوسری بیوی کی اجازت تھی، ایک طرف تو یہ حال تھا، دوسری طرف بغیر نکاح و متعہ کے بھی اس فعل کی اجازت ہوگئی تھی، گویا قانوناً زنا حرام نہ تھا، صرف اس کو منظم کرنے کے لئے ایک دستور بنا دیا گیا تھا، ملا صاحب لکھتے ہیں۔

از شہر بیروں آبادی ساختند و آں را شیطان پورہ نامیدند و آنجا نیز محافظے و مشرفے مدار وغہ

شہر سے باہر آبادی بنائی گئی، اور اس کا نام شیطان پورہ رکھا گیا، وہاں باضابطہ محافظ، نگراں، داروغہ مقرر تھے

نصب کردند تا ہر کہ باں جماعت صحبت دارد یا بخانہ ببرد اول نام و نسب خود بنویساند آں گاہ باتفاق تماچیاں جماع ہر چہ خواہد کند

یا گھر جانا ہے.... یا گھر لیجانا چاہے اپنا نام ونسب لکھوائے اور ان ملازموں کے اتفاق سے .... جو چاہے کرے،

اس سے بھی زیادہ پر لطف قانون کا یہ حصہ تھا "اگر کسے خواہد کہ بکارت آنہا بہ برد اگر خواستگار از مقربان نامی ست داروغہ بعرض رسانیدہ رخصت از درگاہ بگیرد الا نہ"، بادشاہ کو اس مسئلہ سے اتنی دلچسپی تھی کہ "پنہانی تحقیق مے نمودند کہ بکارت انہا کہ بردہ باشد"، بیربر کے متعلق اس سلسلہ میں بادشاہ تک یہ خبر پہونچائی گئی کہ "از نیات ہم بنی گذشت" مگر شدت محبت سے بادشاہ نے اس کے قصور کو معاف کر دیا۔

رسم ختنہ حالانکہ دین جدید سے پہلے اکبر نے اپنے شاہزادوں کا خود ختنہ کرایا تھا، ملا صاحب نے اس کو بھی نقل کیا ہے، لیکن "ہندو مسلم" کے رفع خلاف کا جب شوق پیدا ہوا تو اسلام کے ایسے اہم "شعار" کے متعلق یہ قانون نافذ کیا گیا کہ

ختنہ پیش از دوازدہ سالگی نہ کنند بعد ازاں اختیار دادہ خواہ کنند یا نکند۔ صفحہ ۳۶۲

کہ بارہ سال سے پیشتر لڑکوں کا ختنہ نہ کرایا جائے بلکہ ۱۲ سال کی عمر کے بعد لڑکے کو اختیار ہوگا چاہے کرے چاہے نہ کرے۔

ظاہر ہے کہ بارہ ۱۲ سال کی عمر کے بعد مشکل ہی سے کوئی اس اذیت کے برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہو سکتا تھا خصوصاً جب سلطنت کی جانب سے اس کی ہمت شکنی بھی ہوتی ہو، گویا "سنت ختنہ" کے مٹانے کی ایک مخفی تدبیر تھی۔

میت دین الٰہی میں داخل ہونے والوں کے لئے مرنے کے بعد یہ حکم دیا گیا

کہ پارہ از غلہ خام و خشت پختہ بر گردنش بستہ در آب سر دہند و بجائے کہ آب نباشد بسوزند یا بطور خطائیاں بر درختے

خام غلہ اور پکی اینٹیں مردہ کی گردن میں باندھ کر اس کو پانی میں ڈال دیا جائے اگر پانی نہ ہو، تو اس کو جلا دیا جائے یا چینیوں کی طرح کسی درخت

بر بندند　　　　　　　　　　　　سے مردہ کو باندھ دیا جائے۔

شاید ڈبونے یا جلانے لٹکانے کا حکم بعد کو ہوا، ورنہ اس سے پہلے جو حکم تھا اس میں دفن کی مخالفت نہیں کی گئی تھی، البتہ اتنی ترمیم اس میں بھی تھی کہ

سر مردہ بجانب مشرق و پائے آں بجانب　　　مردہ کا سر مشرق کی جانب اور پاؤں مغرب کی جانب
مغرب دفن کنند۔　　صفحہ ۳۰۵　　　رکھ کر اس کو دفن کیا جائے۔

سلطان خواجہ کہ از جملہ مریدان خاص الخاص بود، جب مرا ہے تو اکبر نے علاوہ مذکورہ بالا سمت کے ایک حرکت یہ بھی کی تھی کہ اس کی قبر میں ایک کھڑکی بنا دی گئی تھی۔ "مقابل نیر اعظم گذاشتند تا فروغ آں پاک کنندہ گناہاں است وہر صباح بر روئش افتد" ملا صاحب لکھتے ہیں کہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ "بزد ہانش زبانہ آتش نیز رسانیدہ بودند" یہ تھا وہ دین جس میں ہندوستان کے باشندوں کا تعلق بیرون ہند سے توڑ لیا گیا تھا، اور ٹھیک جس سمت کعبہ ہے مردہ کی ٹانگ اسی جانب رکھی جاتی تھی۔ ضد کی یہ حد تھی کہ

خواب رفتن خود را نیز بہ ہمیں ہیات قرار　　سونے کے وقت بادشاہ اسی ہئیت کے ساتھ سوتے
دادند　　صفحہ ۳۰۵　　　تھے (یعنی ٹھیک بجانب قبلہ پاؤں کرتا تھا)

کہاں تک لکھا جائے ایک جز ہو، دو جز ہو اس نے تو ابتداء زندگی سے آخر زندگی تک کے سارے قوانین کو الٹ پلٹ دیا تھا، ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ گذشتہ بالا چیزوں کے ریشم، سونے کو مردوں کے لئے نہ صرف حلال بلکہ قریب قریب وجوب کی حد تک پہونچا دیا گیا تھا، عموماً اس زمانہ کے وہی علماء جنھوں نے اس "ہندی دین" کو قبول کر لیا تھا، یا اس کے حامی تھے وہ ریشمین کپڑے پہنتے تھے، اور خدا کے ایک باغی کے حکم کی تعمیل کرتے تھے آج بھی کتنے ہیں جنھیں الٰہی احکام کی اتنی قطعاً پروا نہیں ہے جتنی کہ خدا کے بعض دشمنوں کی ہے اسی طرح سور، کتے کو پاک قرار دیا گیا تھا، نہ صرف پاک بلکہ

بر رغم اسلام خنزیر و کلب از نجس بودن　　　بلکہ اسلام کے توڑ پر سور اور کتے کے ناپاک ہونے کا

باز ماندں دروں حرم وزیر قصر نگاہداشتہ ہر صباح نظر براں عبادت می شمردند۔

مسئلہ منسوخ قرار دیا گیا، اور شاہی محل کے نیچے یہ دو ناپاک) جانور رکھے جاتے تھے۔ صبح سویرے اس کے دیکھنے کو بادشاہ عبادت خیال کرتا تھا۔

اس سلسلہ میں اکبری عہد کے ایک عالم (فیضی) کا قصہ تو ملا صاحب نے یہاں تک نقل کیا ہے کہ

چند سگ را در سفر ہمراہ گرفتہ طعام آنہا مے خورند، و بعضے شعراء زبان سگان در دہان می گرفتند۔

چند کتوں کو سفر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ان ہی کتوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے بعض شاعر تو کتوں کی زبان بھی اپنے منہ میں لیتے تھے۔

یہ تھا اس دین کا ایک اجمالی نقشہ، جس میں سارے مذاہب کو ایک نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کس قدر عجب ہے کہ اسلام اور اسلامی احکام کے سوا اور کسی مذہب کے کسی جزء کو ان لوگوں کی عقل نہ رد کرتی تھی نہ اس میں خرابی نظر آتی تھی، حالانکہ اسلام کے ساتھ جہاں ان کا یہ برتاؤ تھا اسی کے ساتھ دوسرے مذاہب اور ان کے رسوم کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت یہ نہ تھی، سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ آخر ان باتوں کو ان کی عقلیں کس طرح تسلیم کر لیتی تھیں، مثلاً یہی عقلی بادشاہ تھا، جو اپنے ہاتھ میں راکھی کے نام سے بخوشی لتہ باندھتا تھا، نیز

در روز عید ہشتم سنبلہ بر رسم اہل ہند قشقہ کشیدہ بر در دولت خانہ برآمدند و ریسمانے جواہر دراں کشیدہ از دست براہمہ بہ تبرک گرفتہ بر دست بستند۔

۸ سنبلہ کو جو تیوہار پڑتا تھا اہل ہند کے رسم کے مطابق بادشاہ قشقہ لگا کر برآمدہ پر بیٹھتے تھے، اور ایک ڈوری جس میں جواہرات پروئے ہوتے اسکو برہمنوں کے ہاتھ سے لیکر بطور تبرک کے اپنے ہاتھ پر باندھتے تھے،

دوسروں کے متعلق حسن ظنی کا یہ حال تھا کہ شیورات ری میں رات رات بھر جوگیوں کے ساتھ جاگا جاتا تھا کہ "سہ چہار بار از عمر طبیعی زیادہ باشد"

لیکن اسلام کا کوئی جزء قابل انتخاب و پسندیدگی نہ تھا، ایک طرف شیر اور بھیڑیے

کے گوشت کی حلت کا فتویٰ دیا جاتا تھا کہ اس سے بہادری پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف حکم "تحریم گوشت گاؤ دو گاؤ میش و اسپ و میش و شتر بود" اسی کے ساتھ یہ بھی ایک قانون تھا، کہ

اگر کسے با شخصے کہ ذبح جانور پیشہ او شدہ باشد	جو آدمی اس شخص کے ساتھ کھانا کھائے جس کا پیشہ
طعام بخورد دست او بہ برند و اگر اہل خانہ او	ذبح کرنے کا ہے، تو اس کھانے والے کا ہاتھ کاٹ دیا
بود انگشت اکل قطع نمائند	جائے حتیٰ کہ اگر اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ کھائے
ص ۳۰۶	تو کھانے کی انگلیاں اس کی بھی تراش لی جائیں۔

جس کے دوسرے معنے یہی تھے کہ ہندوستان سے "لحمی غذاؤں" کو ہمیشہ کے لئے معدوم کر دینے کا ارادہ کر لیا گیا تھا اور کون جانتا ہے کہ جب قدیم "ہندی قومیت" کی تعمیر اس نقطہ پر آکر ختم ہوئی تھی، حالانکہ اس کی تعمیر میں ایک ایسے شخص کا ہاتھ تھا جو اگر کچھ نہیں تو نسلینی مسلمان ضرور تھا مسلمان ماں اور باپ سے پیدا ہوا تھا لیکن کیا حال ہوگا "اس قومیت کا" جس کی تحریک ان ہاتھوں سے شروع ہوئی ہے، جو صدیوں سے اپنے سینوں کو انتقامی جذبات کی بھٹی بنائے ہوئے ہیں۔ بلا شبہ اس وقت بھی کہا ہی جاتا تھا کہ کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح نہ ہوگی، لیکن کیا جو کچھ جاتا تھا وہ آپ دیکھ چکے حد تو یہ ہے کہ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ منجملہ "دین جدید" کے قانونوں کے ایک قانون یہ بھی تھا۔

زن ہندو اگر بر مسلمانے فریفتہ شدہ در دین	کوئی ہندو عورت اگر کسی مسلمان مرد پر فریفتہ ہو کر مسلمانوں
مسلماناں در آید جبراً و قہراً گرفتہ با اہل او	کا مذہب اختیار کرے تو اس عورت کو جبراً و قہراً اس کے
سپارند۔ ص ۳۹۲	گھر کے لوگوں کو سپرد کر دیا جائے۔

خیر یہ تو ملا صاحب کی شہادت ہے، لیکن کیا کوئی اس شہادت کو بھی جھٹلا سکتا ہے؟

کفار ہند بے تحاشا ہدم مساجد مے نمایند و	ہندوستان کے کفار بے تحاشا مسجدوں کو ڈھاتے ہیں
آنجا تعمیر معبد ہائے خود مے سازند، و نیز کفار	اور ان کی جگہ اپنے مندر بناتے ہیں، اسی طرح کفار ملاپ

برملا مراسم کفر بجاے آرند و مسلمانان در اجرائے اکثر احکام اسلام عاجز اند (مکتوبات مجدد الف ثانی ص۱۴۳)

کفر کے رسوم انجام دیتے ہیں لیکن مسلمان اسلام کے اکثر احکام کے بجالانے سے مجبور ہیں۔

یہ اکبری نہیں، بلکہ جہانگیری عہد کے ابتدا کے زمانہ کی رپورٹ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے اور یہ باتیں تو وہ تھیں جن کا براہ راست تعلق مذہب سے ہے۔

"الف دوم" میں تجدد کا جو علم ہندوستان میں لہرایا گیا اس میں مسلمانوں کے تمدنی وتہذیبی اجزا کی حیثیت کیا باقی رہی تھی؟

مضمون کو ختم کرتے جی چاہتا ہے کہ درد کے ان پھپھولوں کو بھی پھوڑ لیا جائے، دعوی کیا گیا تھا کہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھا جائے گا، لیکن کیا گیا؟ یا کرایا گیا؟

ملا صاحب اکبر کی زبانی نقل فرماتے ہیں ایک دن اس نے مجمع کو مخاطب کر کے اپنی رائے ظاہر کی۔

اکنون کتابہائے ہندی را کہ دانایان مرتاض عابد نوشتہ اند ہمہ صحیح و نص قاطع است و مدار دین و اعتقادیات و عبادات ایں طائفہ بر آنست ترجمہ از ہندی بزبان فارسی فرمودہ چرا بنام خود نہ سازیم کہ غیر مکرر و تازہ است و ہمہ مثمر سعادات دنیوی و دینی و منتج حشمت و شوکت بے زوال و مستوجب کثرت اموال و اولاد است۔

ص۳۲۰

اب ہندی زبان کی کتابیں جو ہندوستان کے مرتاض وعابد دانشمندوں کی تصنیفات ہیں، یہ سب صحیح اور بالکل یقینی علوم پر حاوی ہیں اس گروہ (ہندوؤں کے) اعتقادات وعبادات کا سارا دار و مدار انہی کتابوں کے ہے۔ میں کیوں نہیں ان کتابوں کے ترجمے ہندی سے فارسی زبان میں اپنے نام سے کراؤں کہ یہ ایسی کتابیں ہوں گی جو فارسی میں مکرر مضمون والی نہ ہوں گی۔ بلکہ تازہ ملفوظات ہوں گے علاوہ ان سے دنیوی و دینی سعادت فتح و شوکت حشمت بے زوال کے نتائج حاصل ہوں گے، اور کثرت مال و اولاد کے یہ ذریعہ ہونگی،

اس کے بعد دفتر قایم کر دیا گیا۔ علما مقرر ہوئے جو ان کتابوں کی اشاعت کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے فارسی زبان میں انکو منتقل کر رہے تھے لیکن ٹھیک اسی کے مقابلہ میں:۔

عربی خواندن و دانستن آں عیب شد
و فقہ و تفسیر و حدیث و خوانندہ آن
ملعون و مردود۔

عربی پڑھنا عربی جانتا عیب قرار دیا گیا، اور فقہ
و تفسیر و حدیث کے پڑھنے والے مردود و ملعون
ٹھیرائے گئے۔

اور ان علوم کی جگہ: نجوم و حکمت و طب و حساب و شعر و تاریخ افسانہ رائج و مقبول گو یا مذہبی علوم اور دینیات کی سرپرستی جو اب تک حکومت کا شیوہ تھا۔ یہ سرپرستی اُٹھالی گئی، اور اکبری دور کے مدارس میں مضامین فنون و سائنس کی حوصلہ افزائی کی گئی، لیکن یہ بھی چند دنوں کی بات تھی، آخری فرمان وہی تھا جس کی توقع اس کے بعد ہونی چاہئے ملا صاحب لکھتے ہیں:۔

دریں سال حکم شد کہ ہر قوم ترک علوم عربیہ
نمودہ غیر از علوم غریبہ از نجوم و حساب
و طب و فلسفہ نخوانند ص۳۶۳

اسی سال فرمان صادر ہوا کہ ہر قوم عربی علوم کو چھوڑ کر
صرف علوم نادرہ و غریبہ یعنی نجوم حساب
طب، فلسفہ پڑھا کریں:

پھر اس کے بعد کیا ہوا، ملا صاحب بیچارے اسلامی علوم کے اس قتل کو دیکھتے ہیں اور روتے ہیں،

مدارس و مساجد مندرس علما، اکثرے جلا وطن
شدند و اولاد نا قابل ایشاں کہ بماند
بمرور بہ پاجی گیری نام برآوردند ص۳۶۴

مدرسے اور مسجدیں سب ویران ہیں، اکثر اہل علم جلا وطن
ہو گئے ان کی اولاد نا قابل جو اس ملک میں رہ گئی ہے
پاجی گیری میں نام پیدا کر رہی ہے۔

آخر میں ان دو شعروں پر ان کا نوحہ ختم ہوتا ہے۔

مدارس از علما، آن چناں بود خالی — کہ ماہ روزہ ز مے خوار خانہ خمار
برند تختہ لوح ادیب از پئے نرد — کنند مصحف قاری گرو بوجہ قمار

اور معاملہ اسی پر بس نہیں ہوتا ہے، یہ تو غنیمت ہے کہ اس وقت تک ہندوستان کی زبان سے عربی الفاظ کی جلاوطنی کی تحریک کا آغاز نہیں ہوا تھا اگرچہ اکبر کا رجحان طبع ادھر معلوم ہوتا ہے عموماً چیزوں کے نام رکھنے میں وہ ہندی ترکیبوں کو زیادہ پسند کیا کرتا تھا، مثلاً "انوپ تلاؤ" "سنتھ پول" "چین نگر" "پیر پرشاد" ہاتھی کا نام وغیرہ اس کے رجحانات کا پتہ دیتے ہیں، لیکن کھل کر ابھی دماغ میں اس کے یہ تجویز نہیں آئی تھی، تاہم اسی کے قریب قریب ایک "چیز" اس کے زمانہ میں بھی پائی جاتی ہے، یعنی روزمرہ کی بولی کے بجائے عربی الفاظ کے نکالنے کے مع عربی حروف کو ہندوستان کی عام زبان سے نکالنا چاہتا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں:۔

وحروف خاصہ زبان عرب مثل ثا، حا، عین، صاد، ضاد، طا و ظا، از تلفظ برطرف ساختند ص۳۰۶	ایسے حروف جو عربی زبان کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً ث ح ع ص ض ط ظ کو بول چال سے بادشاہ نے باہر کر دیا۔

اور اس پر عمل کرنے کی صورت یہ نکالی گئی تھی کہ

عبداللہ را ابداللہ، واحدی را ابدی وامثال آن اگر بگفتند خوش مے داشتند	عبداللہ کو ابداللہ، احدی کو ابدی اور ازیں قبیل (الفاظ کو بگاڑ کر) کوئی بولتا تو بادشاہ بہت خوش ہوتے تھے۔

لیکن یہ خدا کی غیبی تائید تھی، کہ اس کوشش کا دائرہ صرف بول چال ہی تک محدود رہا، ورنہ خدانخواستہ اگر لکھنے پڑھنے میں بھی اس طریقہ کو داخل کر دیا جاتا تو آج اسلاف کی محنتوں تک کیا ہماری رسائی ہو سکتی تھی، اور وہ کوشش جو اردو ہندی کے نام سے آج جاری ہے، اس کا مقصد اس کے سوا اور بھی کچھ ہے؟ کہ قرآن پڑھنے والی امت کو قرآنی الفاظ و حروف سے جتنی دور تک ڈھکیلا جا سکتا ہو ڈھکیل دیا جائے۔

اسلامی علوم کی بربادی کا ایک سامان تو یہ تھا، اسی کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ

اس دور میں علماء و مشائخ ائمہ و خطباء کے نام کی جو جاگیریں صدیوں سے چلی آتی تھیں ان پر دست اندازی کی گئی،

اور جیسا کہ ملا صاحب لکھتے ہیں۔

مدرس ہدایہ و کتب منتہیانہ مثلاً نہایتش نا صد بیگہ کم و بیش بود	کہ ہدایہ جیسی انتہائی کتابوں کے پڑھانے والوں کو کم و بیش سو بیگہ کی جاگیر آخری حد تھی۔

اور یہ تو ابتدائی زمانہ میں ملا عبد النبی کے ہاتھ عمل میں آیا۔ آخر میں تو جیسا کہ خود حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے،

از جملہ شعائر اسلام تعین قضاۃ است در بلاد اسلام، کہ در قرن سابق محو شدہ بود۔ (مکتوب ۱۹۵ ج ۱)	اسلام کے منجملہ دوسرے شعائروں کے اسلامی آبادیوں میں قاضیوں کا تقرر کرنا ہے، جو قرن سابق (عہد اکبری) میں مٹا دیا گیا تھا۔

یہ تھی اس "صلح کل" مشرب کی حقیقت جس کا ڈھنڈھورا اس زور سے پیٹا جا رہا ہے "خلق در آسایش بود" طباطبائی کے اس جملہ کا مطلب اب کھلتا ہے، واقعہ ہے کہ اس انقلاب کے بعد بقول حضرت مجددؒ۔

غربت اسلام نزدیک بہ یک قرن بجے قرار یافتہ است کہ اہل کفر بہ مجرد اجرائے احکام کفر برملا در بلاد اسلام راضی نے شوند۔ مے خواہند کہ احکام اسلامیہ بالکلیہ زائل گردند۔ واثرے از مسلمانان و مسلمانی پیدا نشود، کار تا باں سرحد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانے از شعائر اسلام اظہار نماید بہ قتل مے رسد، ص۱۶۱	ایک قرن میں اسلام کی غربت اس درجہ کو پہونچی کہ اہل کفر صرف اس پر راضی نہیں ہیں کہ محض کفر کے احکام کا علانیہ اسلامی بلاد میں اجرا ہو جائے، وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ مٹا دیے جائیں، اور اسلام و مسلمانی کا کوئی اثر باقی نہ رہے، بات یہاں تک پہونچائی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار کرتا ہے، تو اس کو قتل کے انجام تک پہونچا دیا جاتا ہے۔

یہ تھا اسلام کا حال جہانگیر کے ابتدائی عہد میں، پھر اکبر کے زمانہ میں جو کچھ ہوگا ظاہر ہے' اس کے بعد اندازہ ہو سکتا ہے کہ اکبر و جہانگیر کے بعد واقعی عدل اور حقیقی رواداری کے ساتھ جن مسلمان بادشاہوں نے حکومت کی۔ ان پر تعصب اور شدید تعصب کا الزام کیوں لگایا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں ایسی یک طرفہ خواہش عمل کر رہی ہو، اگر اس ملک میں کسی غیر کے ساتھ کچھ بھی اچھا سلوک کیا جائے گا۔ اس کا نام تعصب ہی رکھا جا سکتا ہے ورنہ شاہجہاں اور عالمگیر کی ایام حکومت میں کیا اکبری عہد کے ان قوانین کے مقابلہ میں کوئی ایک قانون بھی ایسا پیش کر سکتا ہے جس کا اثر ملک کے دوسرے طبقوں پر وہی پڑتا ہو، جو اکبر کی کرتوتوں سے سنی مسلمانوں پر پڑ رہا تھا، اور سچ تو یہ ہے کہ "الف ثانی" کی فرضی تحریک کی آگ جن پوشیدہ ہاتھوں میں تھی، ان میں ایک بڑا طبقہ ان لوگوں کا تھا جو مسلمانوں کے سوائے ہندوستان کے عام باشندوں کے ساتھ بھی رواداری کرنا نہیں چاہتا تھا، آخر اکبر سے مسلمانوں کے علوم کے انسداد کے بعد جو یہ فرمان نکلوایا گیا تھا کہ

ارا ذل را از خواندن علم در شہرہا مانع آیند کہ فساد ہا ازیں قوم مے خیزد ص۳۵۶	کمینہ قوم کے لوگوں کو علم کے پڑھنے سے شہروں میں روکا جائے کہ اس قوم سے فساد پیدا ہوتا ہے۔

بجز ان شودروں کے اس کا اور کون نشانہ تھا، جن کے کان میں علم سننے کے گناہ میں سیسہ پلایا جاتا تھا، اور خدا ہی جانتا ہے کہ ہندوستان کی کون کون سی ملکش قومیں ارذل کے تحت میں داخل تھیں۔

بہر حال بات بہت طویل ہوگئی، اور "حرف مدعا" سے پھر بھی میں اب تک دور ہوں لیکن کیا کیا جائے روشنی کو وہی پہچان سکتا ہے، جس نے اندھیرے کو دیکھا ہو، ان تفصیلات کی بڑی ضرورت تو یہی تھی، اس کے سوا مدعیان تنور و تجدد کو بھی تھوڑی دیر کے لئے ایک تماشا دکھانا تھا، شائد کہ انکو عبرت ہو، اور وہ یہ سمجھیں کہ ان کا دماغ ممکن ہے کہ نیا ہو۔ ان کا دل بھی نیا ہو، لیکن اپنے مشن سے جو انکو اپنا معمول و مسخر بنا تا ہے وہ

بہت پرانا ہے، پیغمبروں (علیہم الصلوٰۃ والتسلیم) کے مقابلہ میں اس کے یہ حربے بہت پرانے ہیں، ہوسکتا ہے کہ جدت پرستی کے ذوق میں شایدان فرسودہ دپارینہ وسوسوں سے ان میں کچھ گھن پیدا ہو۔

اسی کے ساتھ مایوسوں کے سامنے امید کی ایک روشنی ہے، آج جس خطرہ سے ایمانیوں کے دل تھرا رہے ہیں انکو دیکھنا چاہیئے کہ، کل کا خطرہ کیا اس سے کم تھا، بلکہ سچ تو یہ ہے، کہ اسوقت جو کچھ ہوسکتا تھا اب تو عقلی راہوں سے بھی اس کا ہونا بہت بعید ہے، یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام کا در تابندہ پروردہ "آغوش موج" ہے، نہ طوفانوں سے کبھی وہ گھبرایا، اور نہ سیلاب اس کی رفتار کو دھیما کرسکے۔ واللہ متم نورہ ولوکرہ الکافرون ہ

لیکن افسوس کے ساتھ ایک تلخ حقیقت کا بھی مجھے آخر میں اعتراف کرنا ہے کہ "غریب اکبر" دراصل ابتدا سے "اکبر" نہ تھا، یہی ملا عبدالقادر جن کے حوالہ سے میں نے سب کچھ نقل کیا ہے لکھتے ہیں۔

بادشاہے کہ جوہر نفیس وطالب حق بود، اما عامی محض ص ۲۵۵

اس کی زندگی کے ابتدائی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شدت کے ساتھ اسلامی عبادات کا پابند تھا، نماز تو بڑی چیز ہے، سفر وحضر میں جماعت بھی ترک نہیں ہوتی تھی، سات عالم امامت کے لئے مقرر تھے، جن میں سے ایک ہمارے ملا عبدالقادر بدایونی ہیں ان کا بیان ہے کہ

ہرپنج وقت برائے خاطر جماعت در دربار میگفتند، ص ۳۱۵	ہر پانچ وقت بر سر دربار جماعت کے متعلق فرماتے تھے۔

سفر میں ایک خاص خیمہ نماز کا ہوتا تھا، جس میں بادشاہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا تھا۔ علم دین اور علماء دین کا احترام جس حد تک کرتا تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ شیخ عبدالنبی جو اکبر کے ابتدائی عہد حکومت میں "صدر جہاں" تھے ان کے ساتھ،

بادشاہ از غایت تعظیم و احترام گاہے بہ جہت استماع علم حدیث بخانہ شیخ مے رفتند ویک دو مرتبہ کفش پیش پائے او ہم مے ماندند

انتہائی احترام و تعظیم کی وجہ سے بادشاہ کبھی کبھی علم حدیث سننے کے لئے ان کے گھر جاتا، اور ایک دو دفعہ تو جوتیاں بھی (شیخ) کے آگے بادشاہ نے رکھیں۔

علماء و صلحاء کی صحبت اس قدر مرغوب تھی کہ حضرت شیخ سلیم چشتی کے پڑوس میں رہنے کی غرض سے اس نے فتحپور سیکری کو دارالسلطنت بنا لیا، اور مدتوں پیادہ پا اجمیر شریف حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو جایا کرتا تھا۔ فتحپور میں اس نے (انوپ تلاؤ) کے نام سے تالاب بنوایا تھا، اور اس کے اردگرد عمارتیں بنائی گئی تھیں جن کا نام عبادتخانہ رکھا گیا تھا، ملا عبدالقادر کا بیان ہے، کہ جہاں پر یہ عمارت بنائی گئی، بادشاہ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں اسی مقام پر ایک پرانے حجرہ کے پتھر پر بیٹھ کر کہ:-

از آبادی یکسو افتادہ نشستہ مراقبہ مشغول می شدند و فیض سحرے ربودندے

آبادی سے دور مراقبہ میں مشغول رہتے تھے اور صبح کے فیض کو حاصل کرتے تھے۔

نماز جمعہ کے بعد اسی عمارت میں علماء کا اجتماع ہوتا تھا، بعد کو یہ ذوق اتنا بڑھا کہ جمعہ کی پوری رات ان ہی علماء و مشائخ کی صحبت میں گذرتی تھی، خوشبوئیں جلائی جاتی تھیں؛

پیوستہ کار تحقیق مسائل دین بود چہ اصول چہ فروع

اور دینی مسائل خواہ اصول سے متعلق ہوں یا فروع سے ہمیشہ ان ہی کی تحقیق سے سروکار تھا۔

بادشاہ اس مجلس میں حسب استعداد ہر ایک کی معقول خدمت بھی کرتا تھا، اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وسائل تلاش کر کر کے علماء و مشائخ کی ایک کافی جماعت یہاں اکٹھی ہونے لگی، ملا صاحب کا اندازہ ہے کہ:-

جماعت مباحثین و مناظرین چہ محقق چہ مقلد از صد نفر متجاوز بودند

بحث و مباحثہ و مناظرہ کرنے والے علماء خواہ محقق ہوں یا مقلد، ان کی تعداد سو آدمیوں سے متجاوز تھی،

بھلا جہاں مولویوں کی اتنی تعداد جمع ہو جائے۔ اور وہ بھی ان دنی اغراض کے تحت جو ان لوگوں کو یہاں تک کھینچ کر لائی تھیں، انجام اس کا وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ شروع شروع میں پہلا جھگڑا انشستگاہوں پر چلا، ہر ایک بادشاہ سے قریب ہونا چاہتا تھا، ملا صاحب لکھتے ہیں کہ یہ

بد نفسیہا ازیں جماعت ظاہر شد	پہلی بدنفسی تھی جو اس گروہ سے ظاہر ہوئی۔

اگرچہ اکبر نے اس دفعہ اغماض سے کام لیا، لیکن دل میں غیر شعوری طور پر ان کا وزن کم ہو رہا تھا آخر ایک دن جبکہ "چشم بد دور" دین کے ان ستونوں کا یہ حال تھا۔

کہ باہک دیگر تیغ زبان کشیدہ در مقام منافی و تقابل بودند و اختلاف بجائے رسید کہ تکفیر و تضلیل ہمدگر سے نمودند۔	باہم ایک دوسرے پر زبان کی تلواریں نکالے ایک دوسرے کی نفی و تردید اور مقابلہ میں مصروف تھے کہ ان کے اختلافات اس حد کو پہنچے کہ ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگا اور ایک دوسرے کو گمراہ کہنے لگا۔

اور شاہی دربار میں

رگ گردن علمائے زماں برآمدہ آوازہا بلند و دمدمہ بسیار ظاہر شد۔	ان مولویوں کی گردن کی رگیں پھول آئیں، اور شور ہونے لگا، بحث بڑھ گیا۔

بادشاہ کے متاثر قلب پر ان کی یہ حرکت ناگوار گذری۔ "برخاطر اشرف گراں آمد" اس کے بعد ملا عبد القادر کو حکم دیا گیا، کہ آئندہ سے جو ان میں نامعقول ہوں ان کو مجلس میں نہ آنے دیا، یہ پہلی خفت تھی، جو اس جماعت کو نصیب ہوئی، اور گو ان کی آمد و رفت باقی رہی لیکن ایک ایسے بادشاہ کے دربار میں جو ان کی ہر گفت گو سے بجائے ایمانی قوت کے سوء ظنی میں روز بروز ترقی کر رہا تھا، آخر ایک کے فتوی حلال اور دوسرے کے حرام نے بادشاہ کو مطلق دین ہی کے متعلق

در شک انداختہ حیرت بر حیرت افزود	شک میں ڈال دیا، اور اسکی حیرت پر حیرت میں اضافہ

ومقصود از میان رفت	ہوتا رہا تا آنکہ جو مقصود تھا وہی سامنے سے جاتا رہا۔

اکبر کے دربار میں کس قسم کے علما جمع تھے، اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے، کہ ان میں ملا عبد اللہ سلطانپوری تھے، جن کا عہدہ مخدوم الملک کا تھا، محض اس لئے کہ حج نہ کرنا پڑے، فریضۂ حج کے اسقاط کا فتویٰ دیا، زکوٰۃ کے متعلق بھی مشہور ہے کہ ششماہی تقسیم والے حیلہ سے کام لیا کرتے تھے اور آخر میں جب ہزارہا ذلت و خواری کے بعد انتقال ہوا۔ تو بادشاہی حکم سے ان کے مکان کا جو لاہور میں تھا جائزہ لیا گیا،

چنداں خزائن و دفائن او پدید گشت	اتنے خزانے اور دفینے ظاہر ہوئے کہ ان خزانوں
کہ قفل آں ہا بہ کلید وہم نتواں کشاد	کے تالوں کو وہم کی کنجیوں سے بھی کھولنا ناممکن ہے،
ازاں جملہ چند صندوق طلاء از گور خانہ	منجملہ ان کے سونے سے بھرے ہوئے چند صندوق
مخدوم الملک کہ بہ بہانہ اموات دفن کردہ	مخدوم الملک کے گورخانہ سے برآمد ہوئے جنھیں
بود ظاہر شد ص ۳۱۱	مردوں کے بہانہ سے اس نے دفن کیا تھا۔

ادھر حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مولانا عبد النبی تھے جو عہد اکبری کے سب سے بڑے محدث خیال کئے جاتے تھے، ان ہی کی بادشاہ نے جوتیاں سیدھی کی تھیں اور سارے ہندوستان کے ائمہ و خطباء وغیرہ کی جاگیروں کا اختیار ان کو دیا گیا تھا، لیکن علم کا حال یہ تھا کہ مشہور حدیث الحزم سوء الظن کو آپ ہمیشہ بجائے زائے معجمہ کے رائے مہملہ سے تلفظ فرماتے تھے، اور جب صدارت کے اختیارات ملے تو پھر کسی کو آنکھ ہی نہیں لگاتے تھے، سارے ہندوستان کے مذہبی جاگیرداروں کو دوڑانا شروع کیا، آخر میں یہ حالت ہوئی:۔

کہ سائر وکلائے شیخ و فراشاں و درباناں	کہ لوگ شیخ کے وکیلوں، ان کے فراشوں، دربانوں،
و سائساں و حلال خوراں نیز رشوتہائے کلی دادے	سائیسوں، حلال خوروں (مہتروں) تک کو رشوتیں دے
و گلیم ازاں ورطہ بدر بردے	دے کر اپنے اپنے کمل اس گرداب سے باہر نکالتے۔

مخدوم الملک اور ملا عبدالنبی دونوں میں رقیبانہ کشمکش جاری تھی، ہر ایک نے دوسرے کے متعلق رسالے لکھے، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کو بواسیر ہے، اس لئے اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے، دوسرا کہتا ہے کہ تو اپنے باپ کا چونکہ عاق شدہ بیٹا ہے، اس لئے تیرے پیچھے بھی نماز جائز نہیں، الغرض صبح و شام شاہی کیمپ علما کے ان دینی ہنگاموں سے گونجتا رہتا تھا، اور بقول ملا عبدالقادر، ایک بڑی مصیبت یہ بھی تھی کہ جاہل اکبر

علماء عہد خویش را بہتر از غزالی و رازی تصور نمودہ بودند رکا کتہائے ایشاں را دیدہ قیاس غائب بر شاہد کردہ سلف را نیز منکر شدند۔	اپنے زمانہ کے علما کو غزالی و رازی سے بھی بہتر خیال کرتا تھا، پھر ان کے چھچھورے پن کو جب بادشاہ نے دیکھا تو سامنے والوں پر غائبوں کو قیاس کرکے سلف کا بھی منکر ہو گیا۔

آخر اس عہد کا رازی جب حرّم کو خرم پڑھتا ہو۔ اور اس زمانہ کے غزالی کے گھر سے طلائی اینٹوں کی قبریں برآمد ہوتی ہوں، تو گزشتہ زمانے کے رازیوں اور غزالیوں کے متعلق کیا خیال کیا جا سکتا ہے۔ ازیں قبیل طرح طرح کے مشائخ بھی آتے اور اکبر کے سامنے جھوٹے دعوے کرتے کبھی کہتے کہ آپ کی فلاں حاملہ حرم کے لڑکا ہوگا، بدقسمتی سے لڑکی ہو جاتی، ایک بڑے باکرامت بزرگ لاہور سے تشریف لائے، جب اکبر نے تنہائی میں امتحان لیا اور کچھ پیش نہ چلی تو "پیٹ" کا حیلہ ظاہر کرکے دم بخود ہو گئے یقیناً علما کا یہ فتنہ بھی بڑا فتنہ تھا۔ اور بقول بدایونی

اختلاف علماء کہ یکے فعلے را حرام می گفت ودیگرے بحیلہ ہماں را حلال می ساخت وجہ انکار گشت	علما کا یہ اختلاف کہ ایک اُن میں ایک ہی فعل کو حرام کہتا تھا دوسرا کسی حیلہ سے اس کو حلال ثابت کرتا تھا اُوشؔا کے انکار کا سبب بنگیا۔

لیکن اس سلسلہ کا سب سے زیادہ "سیاہ حلقہ" وہ ہے، جو اگرچہ علما ہی کا فتنہ

تھا، لیکن شدت تاثیر نے اکبری الحاد کا اس کو سب سے بڑا ذریعہ بنا دیا۔

میری مراد ملا مبارک ناگوری اور ان کے شہرۂ آفاق صاحبزادوں سے ہے، ملا صاحب جیسا کہ ان کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے، بڑے پایہ کے عالم تھے، علوم متداولہ سے ان کو ہر فن کا ایک مستقل متن زبانی یاد تھا، جبتک ناگور میں رہے، زیادہ تر معقولات اور فقہ و اصول انکا علمی سرمایہ تھا، پھر یہ احمد آباد پہونچے ہیں، اس زمانہ میں ہندوستان کے ساحلی شہروں میں، بجائے عقلیات کے دینی علوم کا زیادہ چرچا تھا، ملا مبارک کو احمد آباد میں اپنے دینی تبحر کا موقعہ ہاتھ آیا، لیکن دماغ میں فطرۃً شورش تھی، مذاہب اربعہ اور ان کے اختلافات سے واقف ہونے کے بعد یہ غیر مقلد ہو گئے، جیسا کہ خود ابو الفضل لکھتا ہے کہ

دبہ تگاپوئے سخت پایہ اجتہاد در رو نمود اگرچہ بہ انتفائے نیاکان بزرگ روش ابو حنیفہؒ انتساب داشتند...... واز تقلید برکنارہ بندگی دلیل کردے، (آئین اکبری)

سخت دوڑ دھوپ کے بعد اجتہاد کے درجہ تک انکی رسائی ہو گئی اگرچہ بزرگان سلف کی پیروی میں ابو حنیفہؒ کی طریقہ کی جانب اپنے کو منسوب کرتے تھے ...... لیکن تقلید سے کنارہ ہو کر دلیل کی غلامی کرتے تھے۔

اس غیر مقلدی کے سونے پر سہاگا یہ ہوا کہ شیراز کے ایک فلسفی ابو الفضل گازرونی کے حلقہ میں بھی شریک ہو گئے اور،

بسیارے غوامض شفا و اشارات و تذکرہ و مجسطی را تنہ کار فرمودند،

اور شفا اشارات تذکرہ مجسطی کے بہترے مشکلات کو ان سے حاصل کیا۔

اس پر طرہ یہ تھا کہ ملا صاحب کو تصوف کا بھی شوق ہوا اور

اسالیب تصوف و اشراق برخواندند وفراوان کتاب نظر و تالہ دیدہ شد،

تصوف و اشراق کے مختلف طریقوں کا بھی مطالعہ کیا، اور نظر و فکر اور خدا شناسی کی کتابیں بھی نظر سے گذریں۔

ظاہر ہے کہ شوریدہ مغزوں میں جب یہ ساری کراماتیں جمع ہو جاتی ہیں تو پھر ان کو بے محابا ایسی باتیں صادر ہوتی ہیں، جن سے جمہور میں برہمی پیدا ہوتی ہے، اگرچہ ملا صاحب پر مہدویت کا کبھی شیعیت کا الزام لگایا گیا، لیکن ابوالفضل کو اس سے انکار ہے، بہر حال عام علماء کو ان کے طرز و روش سے ضرور شکایت تھی، اور ان پر مولویوں نے چند سخت حملے بھی کئے، اس کا آسان جواب تو یہی ہو سکتا تھا کہ یہ بھی جواب دیتے، لیکن علم کے غرور نے ملا صاحب کو ایک خطرناک اقدام پر آمادہ کیا، خلاف عادت اپنے زاویہ درس و ارشاد سے نکل کر بیٹوں کی معیت میں یہ ملک کی سیاسیات میں داخل ہو گئے، علم کا گھرانا تھا، اور پڑھتے ہوئے تھے؟ زیادہ دیر نہیں لگی، چند ہی دنوں میں دیکھا جاتا ہے کہ وہی ملا مبارک جن کے متعلق ابوالفضل لکھتا ہے کہ:۔

شیر خاں وسلیم خاں و دیگر بزرگان در مقام آں شدند کہ از وجوہ سلطانی چیزے بر گیرند	شیر خاں (شیر شاہ) وسلیم خاں (پسر شیر شاہ) اور دوسرے بزرگوں نے اصرار کیا کہ "سلطانی وجوہ" سے کچھ قبول کریں۔

لیکن "از انجا کہ ہمت بلند بود و نظر عالی سر باز زد" یہی ملا مبارک، یکایک اکبر کے بارگاہ جلال میں اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ جلوہ فرما ہیں، اس میں شک نہیں ہے، کہ مولویوں نے ان کو اور ان کے خاندان کو ضرور ستایا تھا، اور ملا صاحب کو ان کی وجہ سے کچھ دنوں پورے خاندان کے ساتھ در بدر مارا مارا پھرنا پڑا، لیکن کیا اس کا شریفانہ جواب یہ تھا کہ "بانسری" کے بجنے کو روکنے کے لئے دنیا سے بانس کے جنگل ہی نابود کر دئیے جائیں، اور بالفرض انتقام کے غصہ میں اگر یہی کرنا چاہتے تھے، تو پھر جو چوٹ انہوں نے پہاڑ سے کھائی تھی، اس کا بدلا یہ گھر کی "سل" سے کیوں لینے لگے،

بہر حال تینوں باپ بیٹوں نے اپنے شخصی انتقام کا نشانہ ہندوستان کے اہل سنت کے مولویوں ہی کو نہیں بلکہ اسلام ہی کو بنا لیا، مقصد میں کامیاب ہونے

کے بعد جس وقت "اسلام" کا ایوان" اپنے سارے متوسلین کے ساتھ چل رہا تھا، اس وقت ملا عبدالقادر کا بیان ہے، کہ ابوالفضل کی زبان پر ہر تھوڑی دیر کے بعد حسب ذیل اشعار جاری ہو جاتے تھے:

آتش بدو دست خویش در خرمن خویش | چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش | اے وائے من و دست من و دامن خویش

الغرض اکبری دربار میں ابوالفضل و فیضی کا فتنہ بھی سچ پوچھو تو یہ علماء سوء ہی کا فتنہ تھا، کس قدر عجیب بات ہے، کہ شخصی اغراض نے بہ تدریج کیسی سخت قومی اور مذہبی خطرہ کی صورت اختیار کر لی تھی، اور آج بھی جو کچھ ہو رہا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ کن اثرات کے تحت ہو رہا ہے، ان فی ذلک لعبرۃ

کیسا دردناک نظارہ ہے، کہ خود دین کے معماروں کے ہاتھوں دین کی بنیاد کھد رہی تھی، اور کسی کو اس کا خیال بھی نہیں آتا تھا، کہ آخر اس کا انجام کیا ہوگا، علماء و مشائخ کی عام حالت تو یہی تھی، لیکن اللہ کے بندوں سے زمانہ کا کوئی حصہ خالی نہیں ہوتا۔ اسی ہنگامہ میں کبھی کبھی ایسے نفوس بھی نظر آجاتے ہیں جن کے سامنے دنیا سے زیادہ "آخرۃ" اور "نقد" سے زیادہ "نسیئہ" عزیز ہوتا ہے۔ حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا بدرالدین کا کارنامہ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ممتاز ہے، خاندانی حیثیت سے انکا حکومت اور بادشاہ پر جو اثر تھا ظاہر ہے، لیکن جوں ہی بادشاہ کے طرز عمل میں یہ تغیرات شروع ہوئے، شاہی نوکری سے مستعفی ہو کر گھر بیٹھ گئے، اکبر نے چند بار خود ایوان خاص میں بلا کر ان کو سمجھایا، لیکن ہر ملاقات میں ناگواری بڑھتی رہی، انھوں نے قطعی طور پر "زمیں بوس" وغیرہ رسوم کا شدت سے انکار کیا، حکومت نے ان کے ساتھ سختیاں شروع کیں، آخر تنگ آکر چپ چاپ

جریدہ در غرابے نشستہ بشرف حج مشرف شد | اکیلے ایک کشتی میں بیٹھکر "حج" کے شرف سے مشرف ہوئے،

اور کعبہ کی دیوار کے نیچے کعبہ والے کی امانت بغیر کسی خیانت کے سپرد کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے فاللّٰھم ارحمہ

درباری امراء میں ایک صاحب قطب الدین خاں تھے، اکبر اپنے دین جدید کی ان کو بھی تبلیغ کیا کرتا تھا۔ خاں صاحب نے ایک دن فرمایا۔

بادشاہان ولایت چوں اخوندکار روم وغیرہ ایشاں کہ ایں سخناں شنوند چہ گویند ہمہ ہمیں دین دارند خواہ تقلیدی باشد خواہ نہ،

دوسرے ممالک کے سلاطین مثلاً روم کے اخوندکار (سلطان ترکی) وغیرہ اگر ان باتوں کو سنیں گے تو کیا کہیں گے، آخر وہ لوگ تو سب یہی دین رکھتے ہیں، خواہ تقلیدی ہو یا نہ،

اکبر ان کے اس فقرہ پر بگڑ گیا، اور غریب پر یہ الزام لگایا کہ تم "اخوندکار روم" کے دربار میں رسوخ حاصل کرنا چاہتے ہو، خوب خوب برسا، ایک اور امیر شہباز خاں تھے، بھرے دربار میں اللہ کے اس بندہ سے نہ رہا گیا، جب بیربر کو بھی اس نے اسلامی ارکان پر تمسخر کرتے ہوئے دیکھا، بے ساختہ ان کی زبان سے "اے کافر ملعون تو ہم ایں چنیں سخناں مے گوئی" نکل پڑا، خانصاحب کی ان گالیوں کو سن کر اکبر آپے سے باہر ہو گیا اور کہنے لگا کہ "ایسے لوگوں کے منہ پر نجاست بھری ہوئی جوتیاں لگواتا ہوں"

بہر حال زیادہ تو نہیں، لیکن اکے دکے اس قماش کے بھی لوگ کبھی کبھی نظر آجاتے ہیں۔ خود مولانا عبد النبی جن کو اکبر نے زبردستی مکہ معظمہ جلاوطن کرا دیا تھا جب دوبارہ ہندوستان واپس ہوئے ہیں، اس وقت حمیت وغیرت کی دبی دبائی چنگاریاں پھر چمک اٹھی تھیں، ایک دن برسر گفتگو زبان سے چند سخت الفاظ بادشاہ کے روبرو نکل پڑے، وہی اکبر جس نے کبھی ان کی جوتیاں سیدھی کی تھیں ملا عبد القادر لکھتے ہیں کہ۔

مشتے مضبوط بہ نفس خود بر روئے او زدند گفت چرا بکارد نمی زنی ص ۳۱۱

ایک مکہ کہ بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے (شیخ عبد النبی) کے منہ پر مارا شیخ صاحب نے کہا کہ چھری سے کیوں نہیں مار ڈالتے ہو،

لیکن بدتمیزی کے اس طوفان کا مقابلہ بھلا ان تنکوں سے کیا ہو سکتا تھا ؟
قدرت ہمیشہ ایسے موقعہ پر کسی ایسی "عظیم ہستی" کو برسر کار لاتی ہے، جو وہبی کمالات اور غیبی قوتوں سے سرفراز ہوتا ہے، اور دراصل یہ ساری تمہید اسی بزرگ ہستی اور اس کے محیر العقول کارنامے، آہنین عزائم و ارادے کی تفصیل ہی کے لئے تھی، لیکن تمہید بھی اتنی طویل ہو چکی ہے، کہ اب اس کے لئے کسی دوسرے مستقل باب یا "مقالہ" کی ضرورت ہے، بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مذکورہ بالا واقعات ہائلہ کے دیکھنے کے بعد اب اندازہ ہو سکتا ہے کہ مغلی تخت پر اکبر کے نام سے جو بادشاہ پچاس سال تک بیٹھا رہا، وہ کیا تھا، اور پھر اچانک عہد جانگیری میں دریا کا رُخ بدلتا ہے، تا آنکہ شاہجہاں کے عہد تک پورا بدل جاتا ہے، اور عالمگیری دور میں تو وہ اسی سمت غرائے بھرنے لگتا ہے، صرف اتنی سی بات حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے پہچاننے کے لئے اس وقت کافی ہو سکتی ہے، جب یہ بتا دیا جائے کہ یہ جو کچھ ہوا، حق تعالیٰ نے اس کا ذریعہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی گرامی کو بنایا، میں نے ارادہ کیا تھا کہ واقعہ کے اس رخ کو بھی تفصیل کے ساتھ لکھوں، لیکن میں جانتا تھا، کہ اکبری فتنہ جس کا دوسرا نام الف ثانی کا فتنہ ہے، عوام تو عوام خواص بھی بجز چند مشہور باتوں کے واقف نہیں ہیں، یا انکو ناواقف رکھنے کی کوشش کی گئی ہے ضرورت تھی کہ اس پہلو کو خوب اچھی طرح واضح کیا جائے، خدا کا شکر ہے کہ اس پر ایک سیر حاصل بحث کرنے کا مجھے موقعہ مل گیا، اگرچہ جو کچھ بھی لکھا گیا ہے، اس کے مقابلہ میں بہت کم ہے، جو واقع ہوا تھا، اور جس کا مواد تاریخ کے منتشر اوراق میں بکھرا ہوا ہے، خود ملا عبدالقادر جن کی کتاب سے میں نے ان واقعات کا انتخاب کیا ہے، بندۂ خدا نے نہ جانے کس مصلحت سے ان کو تقریباً چار سو صفحات میں انتہائی بے ترتیبی کے ساتھ پراگندہ صورت میں قلم بند کیا ہے، ترتیب میں مجھے کافی دقت اٹھانی پڑی، تاہم ایک کام

ہو گیا، اب رہا دوسرا پہلو یعنی حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے تجدیدی کارنامے اس وقت چند کلی واقعات کا ذکر کرکے میں اس اپنے مضمون کو سردست ختم کرتا ہوں۔

اکبر کی تخت نشینی کے آٹھویں سال ۹۷۱ھ ہجری میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت بہ مقام سرہند ہوئی، کم و بیش چالیس سال کا زمانہ آپ نے دور اکبری میں گذارا، حضرت کی عمر کا یہ حصہ زیادہ تر علوم ظاہری و باطنی اور کمالات باطنی کے حصول میں صرف ہوا، جوانی کے ایام میں آپ اکبرآباد (آگرہ) بھی تشریف لائے تھے، جہاں دربار کے ان دونوں عالموں ابوالفضل و فیضی سے آپ کی خوب خوب ملاقاتیں رہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ جس ارادہ کا ظہور بعد کو ہوا، اس کا تخم ان ہی ملاقاتوں کے سلسلہ میں پیدا ہوا۔ ابوالفضل و فیضی آپ کی غیر معمولی قابلیت ذہن و ذکاوت سے بہت متاثر تھے بلکہ مشہور تو یہاں تک ہے کہ "سواطع الالہام" جو فیضی کی مشہور بے نقط تفسیر ہے، اس میں حضرت کی بھی امداد شریک تھی فیضی کو حیرت ہوگئی، جب ایک دن اس صنعت میں جس کا وہ ملتزم تھا مضمون گرفت میں نہیں آرہا تھا، اس نے حضرت سے ذکر کیا، کہا جاتا ہے برداشتہ قلم آپ نے اسی صنعت بے نقط میں پوری عبارت لکھدی۔ ان ہی دنوں کا ایک مشہور واقعہ یہ بھی ہے کہ عید کے چاند میں اختلاف ہو رہا تھا شرعی ثبوت سے پہلے ہی اکبر نے عید کا اعلان کرکے لوگوں کے روزے تڑوا دیئے، اسی دن حضرت بھی ابوالفضل سے ملنے آئے پوچھنے پر ابوالفضل کو معلوم ہوا کہ حضرت تو روزے سے ہیں۔ اس نے وجہ دریافت کی، آپ نے فرمایا کہ چاند کے متعلق اب تک شرعی شہادت فراہم نہیں ہوئی ہے۔ ابوالفضل نے کہا کہ بادشاہ نے تو حکم دیدیا ہے اب کیا عذر ہے، بے ساختہ آپ کے منہ سے اس وقت یہ جملہ نکلا۔

"بادشاہ بے دین ست اعتبارے ندارد"

ابوالفضل خفیف سا ہو کر رہ گیا، پھر بھی اس نے پانی کا پیالہ اُٹھا کر آپ کے منہ

سے لگایا، لیکن آپ نے ہاتھ جھٹک دیا، اور اسی وقت غصہ میں گھر چلے آئے، کہلا بھیجا کہ اہل علم سے ملنے جلنے کا شوق ہے تو ان سے ملنے کے طریقے سیکھو، ابو الفضل نے معافی مانگ لی، اور پھر آمدورفت شروع ہوگئی، اس کے بعد آپ پھر والد کے اصرار سے سرہند واپس لوٹ گئے، اور زندگی کا بقیہ حصہ اسی قصبہ میں گذارا حج کے ارادہ سے ایک دفعہ دہلی آئے، میاں حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ بعض غیبی اشاروں کے تحت ماوراء النہر سے دہلی پہونچکر کسی کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں

آمد آں یارے کہ ما مے خواستم

دونوں میں ملاقات ہوئی۔ پھر کیا طے ہوا خدا ہی جانتا ہے اس کے بعد دیکھا گیا کہ حضرت دوبارہ سرہند کی طرف لوٹ گئے، اور وہیں اپنے مرشد کی زیرنگرانی سلوک کے مقامات طے کرتے رہے، ابو الفضل اور فیضی کی صحبت آگرہ میں آپ کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی، ان لوگوں سے آپ کو "فتنہ" کے اسباب، اور ان موثرات کے سمجھنے کا خوب موقع ملا، جس نے بادشاہ اور اس کی حکومت کو اس نقطہ تک پہنچا دیا تھا، اور غالباً وہیں آپ نے ان حربوں کا پتہ چلا لیا، جن کی راہوں سے یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر رہے تھے، بتدریج آپ نے ان حربوں سے اپنے کو بھی مسلح کیا،

خلاصہ یہ کہ اکبر کا زمانہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے لئے تیاری کا زمانہ تھا، ادھر اس کا انتقال ہوا اور جہانگیر تخت پر بیٹھا، کہ آپ میدان میں اتر پڑے، بہر حال مکتوبات شریف سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہانگیر کے تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی آپ نے اپنا کام شروع کر دیا، قریب قریب اس وقت آپ کی عمر چالیس سال پورے ہوچکے تھے بہر حال یہ ہو سکتا تھا کہ آپ بھی ملک کی سیاسیات میں شریک ہوکر، حکومت کا کوئی عہدہ اپنے ہاتھ میں لیکر کام کرتے، اور جس قسم کے وسائل آپ کو میسر تھے، یہ چنداں دشوار

بھی نہ تھا، لیکن آپ نے بظاہر اپنے کو سلطنت سے بالکل الگ تھلگ رکھا، لیکن مکاتیب اٹھا کر دیکھو! جہانگیر کے دربار کا شاید ہی کوئی ممتاز رکن ہوگا، جن کے نام سے آپ کے خطوط نہیں ہیں، خان اعظم، خان جہاں، خان خاناں، مرزا دار اب، قلیچ خاں، خواجہ جہاں اور سب سے زیادہ نواب سید فرید صاحب وغیرہم کے نام خطوط ہیں، ان تمام خطوط کا قدر مشترک صرف ایک ہی مقصد ہے، کہ جس طرح ممکن ہو اس نقصان کی تلافی ہونی چاہئے۔ جو اسلام کو اکبری عہد میں پہنچ گیا ہے، یہ بات کہ آپ نے جہانگیر کے تخت نشینی کے ساتھ یہ کاروبار شروع کر دیا تھا، اس کا پتہ خود آپ کے خطوط سے چلتا ہے، لالا بیگ جہانگیری دربار کے ایک امیر ہیں ان کے نام والے مکتوب میں فرماتے ہیں۔

در ابتداء بادشاہت اگر مسلمانی رواج یافت و مسلمانان اعتبار پیدا کردند فبہا واگر عیاذاً باللہ سبحانہ در توقف افتد کار بر مسلماناں بسیار مشکل خواہد شد الغیاث ثم الغیاث الغیاث

بادشاہت کے شروع ہی میں اگر مسلمانی کا رواج ہوگیا، اور مسلمانوں کا کھویا ہوا اعتبار حاصل ہوگیا، تو کیا کہنے، لیکن العیاذ باللہ اگر اس میں کچھ رکاوٹ یا تاخیر ہوئی تو مسلمانوں کا کام سخت دشواری میں پڑجائے گا، "الغیاث، الغیاث، الغیاث"
فریاد فریاد فریاد

آخر میں فرماتے ہیں، اور کتنے خروش و جوش کے ساتھ فرماتے ہیں:۔

تا کدام صاحب دولت باین سعادت مستسعد گردد و کدام شاہ باز بایں دولت دست برد نماید ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم ہ

دیکھیں کون ایسا صاحب دولت ہے، جو اس سعادت سے فیض یاب ہوتا ہے اور کس شاہ باز کی رسائی یہاں تک ہوتی ہے، یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے دے، اور خدا بڑے فضل والا ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں "خان جہاں" کو اسی مقصد کی طرف متوجہ فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:۔

ہمیں خدمت کہ در پیش دارند اگر آں را باتباں	یہی نوکری جو تم کرتے ہو، اگر اس کو آنحضرت صلعم کی
شریعت علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام جمع سازند	شریعت کے زندہ کرنے کا ذریعہ بناؤ، تو تم نے
کار انبیاء کردہ باشند و دین متین را منوّر	گویا پیغمبروں کا کام کیا، دین متین کو روشن کروگے،
ساختہ و معمور گردانیدہ، فقیراں اگر سالہا	اور آباد کروگے، ہم فقیر لوگ اگر اپنی جان بھی لگا
جاں بکنیم دریں عمل بہ گرد شما شاہبازاں	دیں جب بھی آپ جیسے شاہبازوں کی گرد تک نہیں
نرسیم ؎	پہونچ سکتے ہیں۔
گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند	سعادت اور توفیق کی گیند میدان میں پھینکی گئی ہے، میدان
کس بمیداں درنمی آید سواراں را چہ شد	میں کوئی نہیں اتر رہا ہے، آخر سواروں کو کیا ہو گیا ہے؟

اور مکتوبات شریف میں تو اس قسم کے مضامین کا ایک ذخیرہ موجود ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دربار کے ان امراء پر آخر کس طرح قابو حاصل کیا، حالانکہ کوئی زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا، یہ جتنے تھے اکبر ہی کی تھیلی کے چٹے بٹے تھے، ابوالفضل و فیضی کے فیض یافتہ تھے ان اسباب کا احاطہ اور استقصاء اور وہ بھی اس مقالہ میں مشکل ہے، لیکن سرسری طور پر اس عہد کے علماء اتنا تو اندازہ کر سکتے ہیں، کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لکھنے لکھانے میں کیا وہ رنگ اختیار نہیں کیا تھا، جو اس عہد کے بڑے سے بڑے انشاپردازوں کا تھا، ایک طرف آپ ابوالفضل کی سحر نگاریوں کو رکھئے، اور دوسری طرف حضرت مجددؒ کے زور قلم کو رکھئے، پھر اندازہ کیجئے کہ انشاء کا زور کس میں ہے، اسی کے ساتھ آپ نے "دینی حقائق" کی تعبیر میں بھی، اپنے زمانہ کا ساتھ دیا، کہتے وہی تھے، جو تیرہ سو سال پیش تر سے کہا جاتا تھا، لیکن کہنے کا ڈھب وہ اختیار کیا، کہ سننے والے کو محسوس ہوتا تھا، کہ شاید کوئی نئی باتیں سن رہا ہے، ایک نیا فلسفہ، نئے نظریات، جدید نظام اس کے سامنے پیش ہو رہا ہے۔ یہ ہیں مجددانہ ہاتھوں کی چابکدستیاں جن کے ذریعہ سے وہ اپنے زمانہ کے عامی دماغوں پر قابو

حاصل کرتے ہیں، اور قابو پالینے کے بعد تو پھر اختیار حاصل ہو جاتا ہے، کہ اس راہ سے آپ مخاطب کے دل میں جو چاہئے ڈالئے، جن فتنیانہ اور فلسفیانہ تعبیروں سے الحاد پیدا کیا گیا تھا، شیخ فاروقیؒ کے خطوط میں دیکھو ٹھیک ان ہی تعبیروں سے وہ براہ راست قرآنی تعلیمات، اور پیغمبرانہ سنن کی عظمت قلوب میں اتارتے چلے جاتے ہیں۔

کیا اس زمانہ کے علماء کے لئے اس میں کوئی عبرت ہے؟ یاد رکھنا چاہئے کہ عوام سے مراد کبھی وہ جماعت نہیں ہوتی، جن کا شمار اُن پڑھے جاہلوں میں ہے، بلکہ ہر قوم کا یہ طبقہ ان لوگوں کے زیر اثر رہتا ہے، جو دنیاوی حیثیت سے مناصب وجاہ کے مالک ہوتے ہیں، حضرت مجدد صاحبؒ کا قلم اسی طبقہ کے شکار میں بڑا ماہر تھا، آج بھی عوام پر ان ہی لوگوں کا اثر ہے، جو انگریزی تعلیم پاکر حکومت میں کسی عہدہ یا وقار کے مالک ہیں، عام مسلمانوں کو قابو میں لانے کے لئے ضرورت اس کی تھی، کہ علماء اس طبقہ کو اپنے دائرہ عقیدت سے نکلنے نہ دیتے، لیکن اس بدبختی کا کیا علاج ہے کہ یہ صف مقابل کی ایک جماعت ٹھیرائی گئی ہے، علماء صرف ان لوگوں پر قناعت کئے ہوئے ہیں، جو ابھی حکومت سے دور ہیں، یا دوسرے لفظوں میں جن پر جدید تعلیم کا اثر نہیں پڑا ہے، لیکن بکری کی ماں کب تک خیر منائے گی، خصوصاً لازمی تعلیم کے بعد کیا آپ امید کرتے ہیں کہ آپ کی قوم میں پھر کوئی ایسی جماعت بھی رہ جائے گی، جس کو موجودہ تعلیم کی ہوا نہ لگی ہو، اگرچہ قیمتی اوقات کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو چکا ہے، لیکن پھر بھی کامل مایوسی کی حد تک بات نہیں پہونچی ہے،

لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ چیزیں بھی اسی وقت کارگر ہو سکتی ہیں، جب ان سے بھی پہلے کام کرنے والا اپنے اندر اس "یقین" کو پیدا کر چکا ہو، جو بےچین کر کے اس کو کام کرنے کے لئے مضطرب اور بےکل کر دے، وہ کام کو نہ اٹھائے بلکہ کام ہی اس کو اٹھائے، ورنہ مذبذب ٹھنڈے دلوں سے آپ اس گرمی کو کہاں سے پیدا کر سکتے ہیں؟

جن کے شعلے حضرت مجدد کے لفظ لفظ سے پھوٹے پڑتے ہیں، خدا کا شکر ہے، کہ ابھی علما، کے چند افراد ہیں، "یقین" کا یہ ذخیرہ باقی ہے، وہ اس کو دوسروں تک منتقل کر سکتے ہیں، لیکن صرف اس کی ضرورت ہے کہ جن کو یہ "یقین" سپرد کیا جائے، ان کو عصری اسلحہ اور آلات سے بھی تھوڑا بہت مسلح ہو جانے کا سامان کر لیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ اسی "گرد" سے کوئی "سوار" آج نہیں تو کل نکل پڑے۔

خیر یہ ایک ضمنی بات تھی، میں اپنے اس مضمون کو محض ان چند باتوں کے ذکر کے بعد ختم کرتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ درباری امرا، کو قابو میں لانے کے بعد حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو ابتدا میں بعض دشواریاں بھی اٹھانی پڑیں بعض اہل علم جو آپ کو اور آپ کے نصب العین کو نہ سمجھ سکے، کچھ اپنی جیسی تنگ نظریوں سے حضرت کو بھی انھوں نے متہم خیال کیا، اور معاصرانہ رشک و حسد کے سلسلہ میں حسب دستور وہی چند پینترے جو اس جماعت کی طرف سے ہمیشہ ارباب حق کے مقابلے میں نکالے جاتے ہیں، آپ کے ساتھ بھی نکالے گئے، آپ پر بعضوں نے کفر کا فتویٰ بعضوں نے فسق کا فتویٰ صادر کیا، بادشاہ کو بھی بدگمان کرنے کی کوشش کی گئی۔ "یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے" علما، سو، نے احبار یہود کی پیروی میں بادشاہ کے کان میں اس کی بھی بھنک ڈالی، امرا، وقت حکام عصر کی آپ کی ذات کے ساتھ گرویدگی اس بیہودیانہ اتہام کی ممد ثابت ہوئی، آخر آپ کو کچھ دن کے لئے اس منزل سے بھی گذرنا پڑا، جس سے ہمیشہ اس راہ کے چلنے والوں کو گذرنا پڑا ہے، آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کیا گیا، زندان کے یہ دن حضرت مجدد رح کے بڑے پُر لطف گزرے، مکتوبات میں اس کی طرف مختلف مقامات میں اشارہ بھی کیا گیا ہے، کما لا یخفی علی من طالعہا۔

لیکن "حق" کا آفتاب کب تک چھپا رہتا، صبح ہوئی اور اس کا دمکتا ہوا چہرہ

لوگوں کے سامنے تھا، انشاء اللہ، جب کبھی اس حصہ کی تکمیل کا موقعہ آیا، اس وقت اس کی پوری تفصیل کی جائے گی، بالفعل صرف حضرت کے اس مکتوب گرامی کو اپنے مضمون کا خاتمہ بناتا ہوں، جو اپنے صاحبزادوں حضرت خواجہ محمد سعیدؒ و خواجہ محمد معصوم کے نام آپ نے دہلی سے اس وقت لکھا، جب "زندان بلا" سے رہائی کے بعد آپ جہانگیر کے دربار میں بصد عزت و احترام حق تعالیٰ کی طرف سے شریک کئے جاتے ہیں، اور روزانہ بعد مغرب بادشاہ سے خاص صحبت رہتی ہے، یہ تیسری جلد کا (۴۳) مکتوب ہے۔

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ
احوال و اوضاع این حدود مستوجب حمد
است صحبتہائے عجیب و غریب مے
گذارند بعنایت اللہ سر موئے درین
گفتگوہائے امور دینیہ و اصول اسلامیہ
مساہلہ و مداہنہ راہ نمی یابد و ہمان عبارات
کہ در خلوات و در مجالس خاصہ بیان میگردد
درین معرکہا بتوفیق اللہ سبحانہ بیان می
نماید اگر یک مجلس را نویسد دفترے باید
خصوصاً امشب کہ شب ہفدہم رمضان بود،
آنقدر از بعثت انبیاء علیہم الصلوات
والتسلیمات و از عدم استقلال عقل و از
ایمان بآخرت و عذاب و ثواب دراں
و از اثبات رؤیت و از خاتمیت نبوت

اس طرف کے حالات بہت اچھے ہیں، موقع کا شکر کا
ہے عجیب و غریب صحبتیں گذاری جارہی ہیں، اللہ کی
عنایت سے اپنی ان ساری گفتگوؤں میں دینی امور
اور اسلامی اصول کے متعلق بال برابر کسی قسم کی نرمی
یا سستی کا اظہار نہیں ہوا، وہی باتیں جو خاص جلسوں
اور خلوت میں بیان کی جاتی تھیں، ان معرکوں میں
بھی حق تعالیٰ کی توفیق سے وہی بیان ہو رہی ہیں،
اگر میں کسی ایک مجلس کا بھی حال لکھوں، تو اس کے لئے
ایک دفتر چاہیئے، خصوصاً آج کی رات جو رمضان کی ۱۷
تاریخ ہے پیغمبروں (علیہم الصلوات والتسلیمات) کی بعثت
اور یہ کہ "عقل" (زندگی کے تمام مسائل کے لئے) مستقل
اور کافی نہیں ہے، اور آخرت عذاب و ثواب پر ایمان
لانے، حق تعالیٰ کے دیدار اور خاتم الرسل (صلی اللہ
علیہ وسلم) کی ختم نبوت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے

خاتم الرسل، و از مجدد ہر مائۃ و از اقتدا
بخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم
و سنت تراویح و از بطلان تناسخ و از احوال
جن و جنیان و از عذاب و ثواب ایشاں
و امثال آنہا بسیار مذکور شد و بحسن
استماع مسموع گردید و ہم چنیں دریں ضمن
اشیائے دیگر از احوال اقطاب و ابدال و
اوتاد و بیان خصوصیات ایشاں کذا و کذا
مذکور گشت الحمد للہ سبحانہ کہ بجائے مانند
و تغیرے ظاہر نمی شود دریں واقعات
و ملاقات شاید حق را سبحانہ و تعالیٰ مصلحتہا
و سرہا مکنون بود الحمد للہ الذی ھدانا
لھذا و ما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا
اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔

دیگر ختم قرآن را تا سورہ عنکبوت رسانیدہ
ام شب کہ از آں مجلس برگشتہ مے آئم بہ تراویح
اشتغال مے یابم ایں دولت عظمیٰ حفظ
دریں فترات کہ عین جمعیت بود حاصل
گشت الحمد للہ اولاً و آخراً ......

راشدین کی پیروی (رضی اللہ عنہم) اور تراویح کا
مسنون ہونا، تناسخ کا باطل ہونا، جن اور جنیوں
کا ذکر ان کے عذاب و ثواب کا مسئلہ، اور اسی
قسم کی بہت سی باتوں کا ذکر رہا، (بادشاہ) نے خوبی
و حسن کے ساتھ سنا، اسی سلسلہ میں اقطاب و ابدال
و اوتاد اور ان کی خصوصیتیں مثلاً یہ یہ ہیں، ان باتوں
کا بھی ذکر آیا خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ (بادشاہ)
ایک حال میں رہے، اور کسی قسم کا کوئی تغیر (جو برہمی
پر دلالت کرے) اس کا اظہار نہ ہوا، شاید ان ملاقاتوں
میں حق تعالیٰ کی مصلحتیں ہوں، اور ان کے اسرار
ان میں پوشیدہ ہوں، شکر ہے اس خدا کا جس نے
مجھے اس بات کی طرف رہنمائی فرمائی ہم اس راہ کو
پا نہیں سکتے، اگر حق تعالیٰ راہ نہ دکھاتے، بلاشبہ
ہمارے رب کے پیغمبر "حق" کے ساتھ آئے۔

دوسری بات، ختم قرآن سورہ عنکبوت تک
ہو چکا ہوں۔ رات کو جب اس مجلس (شاہی مجلس)
سے واپس آتا ہوں، تب تراویح میں مشغول ہوتا ہوں
اور حفظ کی دولت جو ان پریشانیوں میں (جو عین جمعیت
تھی) حاصل ہوئی، الحمد للہ اولاً و آخراً

غور سے بار بار اس مکتوب کے ہر لفظ پر غور کرنا چاہئے، جس تفصیل کا میں نے اپنے
دوسرے مقالہ میں وعدہ کیا ہے، واقعہ یہ ہے، اس کا اجمال سب اس میں موجود ہے،

خصوصاً اس مکتوب میں آپ نے ان مضامین کی ایک اجمالی فہرست دیدی ہے، جن پر آپ "الف ثانی" کے فتنہ اکبری کے ردعمل کے لئے گفتگو فرماتے رہتے تھے، کلیات تقریباً سب ہی آگئے ہیں۔

بہرحال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس کے بعد جہاں گیر کی گرویدگی اتنی بڑھی، کہ برابر اپنے ساتھ آپ کو شاہی کیمپ میں رکھتا تھا، اور آخر میں اپنے ولی عہد شاہزادہ خرم (شاہجہاں) کو آپ کے دست حق پرست پر بعیت کرنے کا حکم دیا، اور یوں مغل امپائر کو خدا کے ایک فقیر نے بے داموں خرید لیا، چاہتا تو اس سے وہ اپنی بادشاہی کا کام لے سکتا تھا، لیکن وہ اس کے بعد بھی فقیر ہی رہا بلکہ سچ یہ ہے کہ کتنوں بادشاہوں کو بادشاہی کے ساتھ بھی فقیر ہی بنائے رکھا، والقصۃ بطولہا ان شاء اللہ سانزل الیہا نزلۃ اخری ہ

{ اگلے صفحہ سے جو مضمون شروع ہو رہا ہے وہ اسی مضمون کی دوسری قسط ہے، جو مولانا گیلانی مرحوم گئی مہینے کے بعد لکھ سکے تھے۔

مرتب }

الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ

(۲)

تصوّف وصوفیہ

حضرت مجدد امام سرہندی قدس سرہ العزیز کے متعلق اب تک جو کچھ لکھا گیا تھا زیادہ تر اس کا تعلق حضرت ہی کے فقرہ

درسلطنت پیشین عناد بدین مصطفوی مفہوم می شد (مکتوب ۶۵ دفتر اول)

پچھلی حکومت میں دین مصطفوی سے دشمنی اور عناد مفہوم ہوتا تھا۔

کی شرح سے تھا، ملا عبدالقادر بدایونی (پیش امام دربار اکبری) کی حلفی شہادت کی روشنی میں اسی مرقع کو بے نقاب کیا گیا تھا، اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ ملا صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، خود حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف مکتوبات میں بھی اجمالاً اس کا ذکر پایا جاتا ہے، مثلاً مکتوب ۴۷/۱۲ میں فرماتے ہیں:۔

درقرن ماضی (عہد اکبری) برسر اہل اسلام چہا گذشتہ زبونی اسلام باوجود کمال غربت درقرون سابقہ ازیں نگذشتہ بود کہ مسلمانان بر دین خود باشند و کفار بر کیش خود کہ بمہ لکم دینکم ولی دین بیان این معنی است و درقرن ماضی کفار

مسلمانوں پر پچھلے دور میں کیا کچھ گذر گیا، اسلام کی زبوں حالی پہلے زمانہ میں اس سے آگے نہ گئی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور کفار اپنے دین پر لکم دینکم[1] ولی دین کی آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے لیکن گذشتہ دور (اکبری) میں کھلے بندوں اسلامی سلطنت میں

---

[1] تمہارے لئے تمہارا دین، میرے لئے میرا دین ۱۲۔

بر ملا بطریق استیلا اجرا احکام کفر در بلاد	کفر کے قوانین غالب اور نافذ تھے بحالیکہ مسلمان
اسلام می کردند و مسلمانان از اظہار احکام	اسلامی قوانین کے اظہار سے عاجز تھے اگر ظاہر
اسلام عاجز بودند اگر میکردند بقتل رسیدند ص۶۵	کرتے تو قتل کئے جاتے۔

کیا غریب ملا کی شہادتیں اس سے بھی زیادہ تیز و تند ہیں، اور یہ تو عہد اکبری کا حال تھا، خود حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کی عینی شہادت ان الفاظ میں قلم بند فرماتے ہیں۔

اسلام ضعیف گشتہ کفار ہند بے تحاشا ہدم	اسلام اتنا کمزور ہوگیا ہے، کہ ہندوستان کے کفار
مساجد می نمایند و در آنجا تعمیر معبد ہائے خود	بے کھٹکے مسجدوں کو گرا رہے ہیں اور ان کی جگہ اپنے
می سازند۔ مکتوبات امام ربانی ص۱۶۳ ج۱	مندر بنا رہے ہیں،

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی نیستاں میں جو آگ لگی تھی اس کی شعلہ فشانیاں کس حد کو پہونچی ہوئی تھیں، مکتوب ۹۲ ج ۲ میں خود اپنے جوار کے ایک جزئی حادثہ کی خبر ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

در تھانیسر دروں حوض کرکھیت مسجدے بود و مقبرۂ	تھانیسر میں کرکھیت (یا کورکشتر) کے تالاب کے
عزیزے آں را ہدم کردہ بجائے آں دیہرہ کلاں	اندر ایک مسجد اور ایک معزز آدمی کی قبر تھی ان کو ڈھا کر
ساختہ اند مکتوبات ص۱۶۲	بجائے اس کے "دیہرہ کلاں" "مندر" بنا یا گیا ہے۔

مکتوب ۱۶۵ ج۲ میں ایک اور واقعہ کی خبر ان دردناک لفظوں میں درج فرماتے ہیں۔

در نواحی نگرکوٹ بر مسلمانان در بلاد اسلام	نگرکوٹ کے پاس مسلمانوں پر اسلامی حکومت کے اندر
چہ ستمہا نمودند چہ اہانتہا رسانیدند،	ان کافروں نے کیسے کیسے مظالم ڈھائے ہیں اور مسلمانوں
ص۱۳۱ ج۲	کی کیسی کیسی توہین و تذلیل کی ہے

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ جیسے "ثقہ" و "حجت" کی ان کھلی کھلی شہادتوں کے بعد بھی ملا عبدالقادر کے بیانات میں کون شک کر سکتا ہے، اگر اس کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی قسمت کے متعلق یہ فیصلہ کر دیا گیا تھا۔

اہل کفر بہ مجرد اجراء احکام کفر برملا در بلاد اسلام راضی نمی شوند، می خواہند کہ احکام اسلامیہ را بالکلیہ زائل گردانند تا اثرے از مسلمانی و مسلمانان پیدا نشود،

کفر والے صرف اسی پر راضی نہیں ہیں کہ اسلامی حکومت میں کھلے بندوں ان کے کافرانہ قوانین نافذ ہو جائیں بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام اور قوانین سرے سے نابید اور نابود کر دیئے جائیں، انکو اتنا مٹا دیا جائے کہ مسلمانی اور مسلمان کا کوئی اثر اور نشان یہاں باقی نہ رہے۔

مکتوبات شریف ص۶۶ ج۱

تو اس پر تعجب کیوں کیا جائے، اور آج دیکھو کہ اسی خونی فیصلہ کی ننگی تلوار مسلمانوں کے سروں پر لٹک رہی ہے۔ ان کا اب باقی ہی کیا تھا، زبان میں چند الفاظ تھے، اور معاشرت میں کچھ رسوم تھے، جن سے آئندہ مورخ شاید یہ استدلال کر سکتا تھا کہ کسی زمانہ میں مسلمان نامی قوم بھی اس سرزمین پر آباد تھی، لیکن ان الفاظ کو بھی مٹایا جا رہا ہے اور ان رسوم کے محو کرنے کا بالجزم عزم کر لیا گیا ہے فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

دولت، علم، جاہ، زر، زمین کی قوتوں سے محروم ہونیوالی قوم کاش! اب بھی اتنا سمجھ لیتی کہ ایک طاقت اب بھی (قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے) اس کے قبضہ میں اور صرف اسکے قبضہ میں باقی ہے جس کے بعد قدرت اور اس کے سارے قانون کی حمایت اس قوم کے لئے واجب ہو جاتی ہے، یہ "صوفیوں" کا عمل سوز، اور "مولویوں" کا ادعاء افروز دعویٰ نہیں، بلکہ اس کتاب کا نقرہ

کان حقًا علینا نصر المومنین — ایمان والوں کی نصرت و اعانت ہم پر واجب ہے۔

ہے، جس کے کسی لفظ کا انکار ہی نہیں بلکہ اس کے متعلق صرف شک کا احساس ہمیشہ کے لئے اسلام سے محروم کر کے آدمی کو مرتد بنا دیتا ہے، کیسی عجیب نصرت، کیسی حیرت انگیز پشت پناہی اور قوت جس کے لئے، نہ ایم۔ اے کی ڈگریوں کی حاجت اور نہ دیوبند کی سند تکمیل کی حاجت، نہ چندوں کے لئے دوسروں کے سینہ کے بوجھ بننے کی حقارت برداشت کرنے کی مشق و مہارت نہ صحافی و مجلسی شور و شغب (پروپیگنڈا) کے نقدان پر دست تاسف و حسرت ملنے کی حاجت صرف

ایک ذہنی تبدیلی ایک فکری انقلاب تذبذب، اور تشکیک کی دماغی کیفیت کو، فقط ایک قلبی یقین کی شکل میں بدل دینے کے ساتھ حذا کی قسم آسمانوں سے

انتم الاعلون   تم ہی اونچے ہو۔

کی ملکوتی شاباشیوں کا شور بلند ہو جاتا ہے، جب امت کے عام افراد میں حصول قوت کی اس سہل ترین تدبیر کے بجھنے اور سمجھنے سے زیادہ عمل کرنے کی بھی صلاحیت مفقود ہو چکی ہے اب اس سے کیا کہا جائے اور کس طرح کہا جائے۔ عہد سابق کے ان عملی تجربات بینہ سے قطع نظر بھی کر لیا جائے جو اس نسخہ کے استعمال کے متعلق تواتر کی روشنی میں جگمگا رہے ہیں، جن کی داستانوں سے روم دایران کا گوشہ گوشہ پٹا ہوا ہے، تھوڑی دیر کے لئے ان سے اعتماد اٹھا بھی لیا جائے اور بجائے اس قرآنی قوت کے مغربی مورخین کے ستم ظریفانہ اختراعی اسباب ہی میں ان کامیابیوں کے راز کو پوشیدہ فرض کر لیا جائے جو ان کمزوروں کو ان زور آوروں کے مقابلہ میں حاصل ہوئی تھیں جن سے ہندوستان کے مسلمان یقیناً زیادہ کمزور نہیں ہیں۔ اور نہ ان کے سامنے اتنی ہیکڑی والے ہیں، جتنے منہ زوروں سے ان کی ڈبھیڑ ہوئی تھی شامل کر لیا جائے، یا رینہ افسانوں ہی میں ان قصوں کو شامل کر دیا جائے لیکن اس میں کیا مضائقہ تھا کہ جس کے لئے دنیا کی دشمنی انھوں نے خریدی ہے، ایک دفعہ اس کا خود ہی تجربہ کر لیتے، معیار پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نظریہ رخاکم بدہن) اگر کسی کو کھوٹا نظر آتا، تو طے کر کے اس الزام سے العیاذ باللہ اپنی آخری برائت کر لی جاتی۔

کتنے اچنبھے کی بات ہے، قومیں اس لئے ہم پر غراتی ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تلواریں اس لئے ہم پر اٹھتی ہیں کہ ہم اہل ایمان ہیں لیکن کوئی ہوتا کہ جس الزام کی فرد جرم ہم پر لگائی جا رہی ہے، آہ کہ حقیقی معنوں میں ہم اس کے مرتکب ہی نہیں ہیں، لیکن حماقت سے اس کا انتساب اپنی طرف کر رہے ہیں یا کرا رہے ہیں، کاش! ہم اس جرم کے مرتکب ہوتے، اور میری آخری تمنا یہی ہے کہ ہم پر جو الزام تھوپا جا رہا ہے، جس کو تھوپ کر ہمارے سر کھیلنے کا سامان اندر اور باہر کیا جا رہا ہے، یہ

الزام واقعہ میں بھی ہم پر تھپ جاتا ——— خون ہوگا آہ! اور یہ کیسا ناحق خون ہوگا، کہ جس الزام میں اس قوم کا خون بہایا جائیگا، واحسرتاہ! کہ اس سے اسکا دامن پاک تھا۔

"اس گنہ میں مجھے مارا کہ گنہ گار نہ تھا"

کیسا بدبخت ہے وہ جو غازی بنکر اگر زندہ نہ رہ سکتا تھا، تو اسے شہید بنکر بھی مرنا نصیب نہ ہوا۔ ولئن متم او قتلتم لا الی اللہ تحشرون (اگر وہ ایمان کی حالت میں مرتے یا مارے جاتے تو اپنے اللہ کے قدموں پر لے جاتے)

کیا کہا گیا تھا؟ مخلوقات، ہر قسم کے مخلوقات، ہر طبقہ کی مخلوقات سے عبادت و دعا کا، استعانت، و استمداد کا تعلق توڑ کر اسی نسبت کو صرف الرحمن الرحیم کے ساتھ جوڑ دو۔

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ہم تجھی کو پوجتے ہیں اور تجھی سے اعانت چاہتے ہیں

کی چٹان پر قدم جماؤ، اس طرح جماؤ، کہ جان قالب سے اکھڑ جائے لیکن پاؤں اس چٹان سے نہ اکھڑے، عبادت و استعانت کی یہی یکرنگی یک سوئی تو پہلا کلمہ طیب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ترجمہ تھا، جس کے ساتھ یہ دونوں تعلق ہوں اسی کو تو اللہ کے رسول (صلوات اللہ علیہ وسلامہ) نے تمہارا "اِلٰہ" بنا کر تمہارے سپرد کیا تھا، وصیت کر کے گئے تھے۔ تمہارے ان باپ دادوں کو جنہوں نے اللہ کے اس ہاتھ پر بیعت کی تھی کہ اپنی ہر ضرورت کو اپنے اسی اِلٰہ سے مانگنا، نمک بھی جب گھٹ جائے اور چپل کی گٹھائی بھی جب وہ ٹوٹ جائے ——— لیکن جو کچھ بھی اپنے نفس کے بصیر ہیں معاذیر کے پردوں کو چاک کریں اور دیکھیں کہ تمہارا پہلا طیب کلمہ تک بھی، کیا واقعی تمہارے لئے طیب اور پاک رہ گیا ہے، جو جمادات و حیوانات سے آزاد ہیں، وہ جنوں اور ملائک کے ساتھ الجھے ہوئے ہیں، اور جنہوں نے ان سے گلو خلاصی کی، وہ مردہ جسموں کی زندہ روحوں سے کیا اپنے کو لگائے نہیں بیٹھے ہیں؟

زندہ روحوں کے جسد جس خاک میں مدفون تھے، جس نے اس کے آگے ماتھا ٹیکا، کہا گیا کہ اس نے اللہ کے ساتھ ایک اور "اِلٰہ" کو شریک کیا، لیکن جو زندہ روحوں کے زندہ جسد کے آگے

جھکا۔ اسی سے اپنی امید بھی قائم کی، اور اسی کے ضرر سے وہ ڈرتا بھی ہو، تو تم نے کیسے کہا کہ اس کا الٰہ۔ تو اب بھی اللہ ہی ہے، پھر اس گروہ کو میں کیا کہوں۔ جو اپنے باپ دادوں کے اس طریقہ پر اس لئے تھوتھو لگاتا ہو، کہ جو "الٰہ" نہیں تھا، اسکو انھوں نے اپنا "الٰہ" بنا رکھا تھا، لیکن شیطان کے اس ٹھٹھے کی آواز کون سنتا ہے، جب وہ اپنی تالیوں کو پیٹ کر چلایا، کہ جو "الٰہ" نہیں تھا، تمہارے اگلوں نے اسکو "الٰہ" بنایا، لیکن جو واقعی سچا "الٰہ" تھا، کیا ان کے پچھلوں نے اس کو اپنا إلٰہ بنانے سے انکار نہیں کیا؟ اگلوں کا لا الٰہ غلط تھا تو پچھلوں کے الا اللہ کو ہی نے کب صحیح رہنے دیا، بدمعنکے آذر تھے، پھر کیا ان کے پسر میں کوئی ابراہیم باقی ہے؟ اوپر سے نیچے تک بھانت بھانت کی بولیوں والے جو تم میں بول رہے ہیں، خدارا بتاؤ، جو فہرست اوپر پیش کی گئی ہے، کیا اس کے کسی نہ کسی خانہ میں اس قوم کے افراد تمہیں نظر نہیں آتے ہیں، ان ہی خانوں میں سے کسی ایک میں جس میں گھسنے سے ان کا پہلا کلمہ ان کو روک رہا تھا الا ما شاء اللہ وقلیل ما ھم،

جب عذاب کا سوط، اور خداوند خدا کے جلال کا کوڑا اکثروا فیھا الفساد (بگاڑ کو جب انھوں نے بڑھا دیا) کی پیٹھ پر برسنے لگتا ہے، تو اگر تمہارے چند کا لا الٰہ الا اللہ درست بھی رہا، وہ اس کوڑے کو کیسے روک سکتا ہے جس کی بارش فساد کی اکثریت پر مبنی ہے، لوگ باہر میں ارحم الرٰحمین کے رحم کو ڈھونڈھتے ہیں، حالانکہ اس کا چشمہ اندر سے پھوٹتا ہے۔ باہر میں عذاب کے ٹلنے کی دعا سے زیادہ اپنے دلوں کے بدلنے کی دعا کرو، تم کنگروں کو رو رہے ہو، حالانکہ تمہارے قصر کی پہلی بنیادی اینٹ خدا کی قسم ہل چکی ہے، اور وہ اوپر سے نہیں اندر سے بیٹھتی ہے، مجلسوں اور انجمنوں میں نہیں بلکہ اندھیری رات کی تاریک گھڑیوں میں کچھ طے کیا جاتا ہے، اور طے ہی کرنیکا نام تو ایمان ہے!

میں کیا لکھنا چاہتا تھا، اور کیا ٹپکنے لگا، پھوٹا ہوا زخم بہتا ہے بہنے دیا گیا۔ اللہ کے بندو! زخمی پر رحم کرو، روتا ہے تو اسے رونے دو، بہرحال یہ کہہ رہا تھا کہ ملا عبدالقادر نے سچ پوچھئے تو وہی کچھ بیان کیا ہے، جو حضرت مجدد نے لکھا ہے، فرق صرف تفصیل و اجمال کا ہے، بلکہ مجھے افسوس ہو کہ گذشتہ نمبر کے لکھنے کے وقت میری نظر ابوالفضل کی ان روایتوں پر نہیں پڑی تھی،

جن سے ملا عبدالقادر کے لفظ لفظ کی توثیق ہوتی ہے خیال ہو کہ کسی دوسری اشاعت یا مستقل نمبر میں "دشمن عبدالقادر" کی شہادتوں کے ساتھ "دوست ابوالفضل" کی روایتوں کا بھی اضافہ کردوں[1] لیکن اب وہ مضمون کافی طویل ہوچکا ہے، مجھے اب حضرت مجدد امام کے دوسرے تجدیدی شعبوں کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیئے۔

غالباً مجدد نمبر والے مضمون میں عہد اکبری کے "اس فتنہ" کے چند در چند اسباب میں سے زیادہ تر میں نے زور صرف دو سببوں پر دیا تھا یعنی (۱) حکومت (۲) علماء سو، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر تحلیل و تجزیہ سے کام لیا جائے تو اس فتنہ کے ابھارنے پھولنے پھلنے میں علاوہ ان دو سببوں کے یہ دو اہم اسباب اور بھی تھے۔

(۱) "دربار رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باریافتوں، اور شرف صحبت کے سعادتمندوں کی تحقیر کرنے والی جماعت"

(۲) دوسرا وہ گروہ جن کی تعبیر مجدد امام کے الفاظ میں "صوفیہ خام" ہے، ہمارے دوست مولنا نعمانی غالباً الفرقان میں سبب ثالث کے متعلق کافی بحث فرما چکے ہیں، اور ضمنی طور پر خاکسار نے بھی اپنے گذشتہ مضمون میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس وقت میرے سامنے صرف چوتھی چیز ہے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کا صحیح اندازہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک "عمل تجدید" سے پہلے ہندوستان میں "صوفیائے خام" کے ہاتھوں اسلام پر جو مصیبت ٹوٹ پڑی تھی۔ اسکو نہ بیان کیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ خود حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اس عہد کے ان خام کاروں کی تصویر مرتب کروں، اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ان غلط فہمیوں کا پردہ چاک کیا جائے گا، جن کی گرد اچھال کر حضرت مجدد رحمۃ اللہ

---

[1] جو زیادہ بیچین ہوں وہ آئین اکبری کے اس حصہ کا مطالعہ کریں جس میں ابوالفضل نے اکبری عقائد و نظریات کو فرمودہ کے عنوان سے پھیلا کر بیان کیا ہے ۲۔ سنہ ۵ء افسوس یہ کام رہ گیا اور صاحب مضمون مولانا گیلانی اس دنیا سے اٹھا لئے گئے۔ "وکم حسرات فی بطون المقابر" نعمانی غفرلہٗ

علیہ کے زمانہ میں تو بہت زیادہ، اور ایک حد تک اب تک یہ غوغا کیا جارہا ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے گذشتہ ارباب معرفت وسلوک کے اہم مسلمات کا انکار فرمایا ہے۔ واللہ المستعان،

بہرحال ہندوستان میں جس وقت الف ثانی کی تجدید کا کام شروع ہوا ہے، اس وقت "اسلامی شریعت" یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسل آدم کے لئے جو "آئین حیات" خدا کے حکم سے پیش فرمایا تھا، خود اس کی تبلیغ کے مدعیوں بلکہ اسی کے نام کی روٹی کھانے والوں کے ایک طبقہ کا یہ حال تھا،

اکثر ابنائے ایں وقت بعضے بتقلید بعضے بمجرد علم بعضے دیگر بعلم ممتزج بذوق ولو فی الجملۃ وبعضے بالحاد و زندقہ دست بدامن ایں توحید وجودی زدہ اند وہمہ را از حق می دانند بلکہ حق می دانند۔	اس زمانہ کے بعض نہیں بلکہ اکثر لوگ جنہیں کچھ تو بطور تقلید کے اور کچھ محض علم کے زور سے اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کے علم میں کچھ "ذوقی کیفیات" بھی شریک ہیں خواہ جسقدر بھی شریک ہوں اور کچھ لوگوں نے محض الحاد و زندقہ کے طور پر "توحید وجودی" کے دامن کو پکڑ لیا ہے (نتیجہ یہ نکالا ہے) کہ سب کو حق سے جانتے ہیں بلکہ سب کو خدا سمجھتے ہیں۔

اور اس "توحید"، کا نتیجہ صرف ارباب الحاد و زندقہ ہی نہیں بلکہ ان سب نے جن کا تذکرہ کیا گیا یہ نکالا تھا

گردنہائے خود را از ربقۂ تکلیف شرعی بالحیلہ می کشانند و مداہنات در احکام شرعیہ می نمایند،	اپنی گردنوں کو شرعی قوانین کی پابندی سے اس حیلہ کے ذریعہ سے آزاد قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں اور شرعی احکام کے متعلق مداہنت، اغماض سے کام لیتے ہیں،

بیچارہ فاسق، اعمال شرعی کا تارک اپنی جگہ نادم ہوتا ہے، لیکن دین کے ان "پیشواؤں کا" ضمیر اتنا زندہ ہوچکا تھا کہ

بایں معاملہ خوش وقت و خورسندا ند۔	اور اپنے اس رویہ و شیوہ سے خوش وقت و مسرور ہیں۔

کیا تماشا تھا، بیٹھے تھے اس گدی پر جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے خلفاء کی گدی قرار دیتے تھے اس لئے بیٹھے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو مسلمانوں اور نامسلمانوں تک پہونچائیں گے، لیکن یہ کیسا شیطانی چرخ تھا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو کھلے الفاظ میں اعلان کرنا پڑا،

متصوفان خام وملحدان بے سرانجام در صدد آنند کہ گردن از ربقہ شریعت بر آرند و احکام شرعیہ را مخصوص بعوام دارند خیال میکنند کہ خواص مکلف بہ معرفت اند وبس،

یہ کچے صوفی اور بے انجام ملحد اس کے درپے ہیں کہ شریعت کے طوق کو گلے سے نکال پھینکیں، شرعی احکام کی پابندیوں کو صرف عوام کے ساتھ مخصوص خیال کرتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ خواص احت صرف "معرفت" اور جان لینے کے مکلف و ذمہ دار ہیں اس کے آگے کچھ نہیں۔

اور اگر بات خود اپنی جماعت تک محدود رکھتے تو شاید وہ "مصیبت عظمیٰ" پیدا نہ ہوتی جو ہوئی، جسے دیکھ دیکھ کر حضرت مجدد کا سینہ پھٹتا تھا، فرماتے ہیں کہ ان "متصوفان خام" نے

از جہل امراء وسلاطین را بتنجیز عدل وانصاف مکلف نمی دانند می گویند کہ مقصود از اتیان شریعت حصول معرفت ست چون معرفت میسر شد تکلیفات شرعیہ ساقط گشت (مکتوب ۲)

اپنی جہالت سے انھوں نے بادشاہوں اور امیروں کو یہ باور کرا رکھا ہے کہ یہ لوگ بھی "عدل وانصاف" کے جاری کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں کہتے ہیں کہ شریعت کے آنے سے مطلب صرف یہ تھا کہ معرفت حاصل ہو جائے جب معرفت حاصل ہو گئی، تو شرعی قوانین کی پابندی سے آزادی حاصل ہو گئی۔

حضرت مجدد جیسے مخبر صادق کی اس ذاتی شہادت کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ بیچارے اکبر سے جو کچھ سرزد ہوا، اور پھر اسکی بے راہ روی نے اسلام کو ہندوستان میں جس نازک نقطہ تک پہونچا دیا تھا، اس میں اُن "صوفیان خام" کو دخل نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ اپنے سینتالیسویں مکتوب میں عہد اکبری میں اسلام کی زبوں حالی کی داستان دہرا کر "واویلاہ! وامصیبتاہ! واحسرتاہ! واحزناہ! فرماتے ہوئے جہانگیری دربار کے ایک امیر کو مخاطب فرماتے ہوئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ

ارقام فرماتے ہیں۔

اکثر جہلا صوفی نما ایں زمانہ حکم علماء سوء دارند فساد اینہا متعدی است ص۶۶

اس زمانہ کے اکثر صوفی نما جاہل بھی "علماء سوء" کے حکم میں داخل ہیں، کہ ان جاہل صوفیوں کا بگاڑ بھی متعدی ہے۔

اور یہ تو کلی بیانات ہیں، ورنہ مکاتیب کے مختلف مواقع پر، اس گروہ کے کچھ جزئی اعتقادی و عملی حالات بھی درج فرمائے ہیں، مثلاً فلسفہ "ہدایت" کے اصول "فنا فی الاصل" کے متعلق اپنے مکتوب ۲۹۳ میں ان خام کاروں کا یہ عقیدہ نقل فرماتے ہیں۔

جمعے از ناقصان ایں راہ ازاں الفاظ موہمہ محو و اضمحلال عینی دانستہ اند و بزندقہ رسیدہ اند کہ از عذاب و ثواب آخروی انکار نمودہ اند و خیال کردہ اند کہ ہمچنانکہ از وحدت بکثرت آمدہ اند مرتبہ دیگر ہمیں طور از کثرت بوحدت خواہند رفت و ایں کثرت دراں وحدت مضمحل خواہد شد جمعے ازیں زنادقہ آں محو شدن را "قیامت کبریٰ" خیال کردہ اند و از حشر و نشر و حساب و صراط و میزان انکار نمودہ اند ضلوا و اضلوا"

ناقصوں اور کوتاہ بینوں کا ایک گروہ ہے جو "محو و اضمحلال" کے موہم الفاظ سے یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ واقعی آدمی خدا میں گم ہو جاتا ہے (جیسے قطرہ دریا میں) اور اسی قول کی وجہ سے ان کی اعتقادی حالت زندقہ کی قریب پہنچ گئی ہے، یہ لوگ اخروی عذاب و ثواب کے انکار کرتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جس طرح وحدت سے نکل کر کثرت میں آئے تھے، پھر دوبارہ اسی طرح کثرت سے وحدت میں گم ہو جائیں گے، اور انکی یہ کثرت پھر خدا کی وحدت میں گم ہو جائیگی، ان ہی بے دینوں کا ایک گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ اسی "محو ہونے" کا نام "قیامت کبریٰ" ہے، یہ حشر و نشر، حساب، صراط، میزان سب کے منکر ہیں آہ! خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

یہ تھا ہندوستان میں قرآن کی جنت، دوزخ، قیامت اور حشر و نشر کا انجام، لطف یہ ہے کہ ان ہی صوفیوں میں کسی "مشہور مشائخ" کے متعلق حضرت مجدد کا ذاتی بیان مکتوب ۵۰ میں یہ ہے۔

بعضے از ملاحدہ کہ بہ باطل مسند شیخی گرفتہ حکم جواز تناسخ می نمایند و می انکارند کہ نفس تا

ان بے دینوں میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے زبردستی شیخی کی مسند پر قبضہ جما لیا ہے، یہ تناسخ (آواگون)

زمانہ کہ بحد کمال رسید از تقلب ابدان	کے قائل ہیں خیال کرتے ہیں جبتک آدمی کی روح اپنے
او را چارہ نبود می گویند چوں بحد کمال	کمال کو حاصل نہیں کرتی ایک بدن سے دوسرے بدن
رسید از تقلب ابدان بلکہ از تعلق بدن	میں چکر کاٹتی رہتی ہے اور جب کمال کے آخری نقطہ تک اس کی رسائی
فارغ گشت“	ہو جاتی ہے تو اس وقت اس چکر بلکہ سرے سے بدن ہی سے بے تعلق ہو جاتی ہے۔

یہ چند مثالیں اعتقادی تماشوں کی تھیں، اس طبقہ کی عملی حالت کے متعلق حضرت مجدد ہی کی زبانی سنئے، "اقیموا الصلوٰۃ" و "ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتاً" کے قرآنی فرمان کا ترجمہ گنگا کے کنارہ یہ ہو گیا تھا کہ۔

گروہے از ینہا نماز را دور از کار دانستہ	ان لوگوں میں ایک گروہ وہ بھی ہے جو نماز کو دور از کار خیال کرتا
مبنائی آں را بر غیر و غیریت داشتند۔	ہے سمجھتا ہے کہ نماز کی بنیاد تو اسی پر ہے کہ (آدمی اور خدا دو
مکتوب ۲۶۱/۱۲	جداگانہ چیزیں ہیں) یعنی غیر و غیریت پر مبنی ہے۔

جمعہ و جماعات کے متعلق فرماتے ہیں۔

صوفیہ خام ذکر و فکر را از اہم مہام دانستہ	کچے صوفی ذکر و فکر کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور فرائض
در اتیان فرائض و سنن مساہلات می نمایند و	و سنتوں کے متعلق سہل انگاری برتتے ہیں، چلے اور
اربعینیات و ریاضات اختیار نمودہ، ترک	مختلف ریاضتیں انھوں نے خود اپنے لئے اختیار کی ہیں
جمعہ و جماعت می کنند ص ۲۹۷ ج ۱ م ۳۵	جن کی وجہ سے جمعہ اور جماعت کو ترک کر بیٹھتے ہیں۔

اور یہ حال صرف "مست قلندروں" "بازاری بھنگڑوں"، کا ہی نہیں تھا، حضرت مجددؒ کے معاصر ایک مشہور بزرگ حضرت نظام تھانیسری ہیں، ان ہی کے نام مکاتیب شریفہ میں ایک مکتوب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ حضرت اپنے مریدوں کے ساتھ عشاء کی نماز تہجد کے وقت تک مؤخر فرماتے تھے، اور اپنے وضو کا غسالہ[1] مریدوں کو بطور تبرک پلاتے تھے، اور

[1] وضو کے پانی کے متعلق امام ابو حنیفہؒ نجاست کے قائل ہیں، بہرحال کم از کم اس کے پینے پلانے کی اجازت عجیب ہے۔ ۱۲

حد یہ ہوگئی تھی کہ حضرت کو لکھنا پڑا۔

از مردم معتمد نقل کردہ اند کہ بعضے از خلفا شما | مجھے معتبر آدمی سے یہ معلوم ہوا ہے کہ تمہارے خلفا میں کوئی
مریدان ایشاں سجدہ می کنند۔ | صاحب ہیں جنھوں نے اپنے مریدوں کو حکم دیا ہے
ص۳۷ | کہ ان کو وہ سجدے کیا کریں،

اسلامی معتقدات و اعمال کی جس طبقہ میں یہ گت بن رہی ہو، اگر حضرت مجدد ان کے متعلق فرماتے ہیں۔

پیران ایں وقت از خود بےخبر اند ایمان | اس زمانے کے پیر خود اپنے حال سے بےخبر ہیں،
ما از کفر جدا نمی تواند کرد۔ | وہ ایمان کو کفر سے بھی جدا نہیں کر سکتے۔

تو اس پر کیوں تعجب کیا جائے، اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ نت نئے دعوے نت نئی دلیلوں کی روشنی میں پیش کئے جاتے تھے، ان لطائف میں لطیف تر وہ لطیفہ ہے جس کا ذکر حضرت نے اپنے مکتوب ۲۴۵ میں فرمایا ہے، صوفیوں کی عام مجلسوں میں یہ لطیفہ مشہور تھا (غالباً مسکین اکبر کے لئے تراشا گیا تھا) کہ ایک دن حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ مشہور عارف اسلام نے ابن سینا فلسفی سے دریافت کیا کہ مقصود تک پہونچنے کی کیا راہ ہے؟ فلسفی نے جواب میں لکھا۔

درآئی در کفر حقیقی و برآئی از اسلام مجازی | کفر حقیقی اختیار کرو، اور اسلام مجازی سے باہر نکل آؤ۔

"سعدی" نے "زلیخا" میں یہ تو جو کچھ لکھا تھا وہ بجائے خود تھا، لیکن اس کا دوسرا مصرعہ اس سے زیادہ چسپ ہے کہ شیخ ابو سعید ابو الخیر نے عین القضاۃ ہمدانی کو لکھا "اگر" لکھ[1] سال عبادت می کردم آنچہ ازیں کلمۂ ابن سینا حاصل شد از دونمی شد" عین القضاۃ نے جواب میں لکھا "اگری فہمید مثل ایں بیچارہ مطعون و ملام گرامی شدند" (یعنی اگر ابن سینا کا یہ قول تمہاری سمجھ میں آجاتا تو اسی طرح تم بھی رسوا و بدنام ہوتے) حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس لطیفہ کو نقل فرما کر جو اکبری دربار کے ایک امیر کی جانب سے پوچھا گیا تھا، ارقام فرماتے ہیں۔

---

[1] لکھ کا لفظ فارسی زبان میں قابل غور ہے ۱۲

"شیخ ابوسعید از عین القضاۃ بسیار مقدم است باوجہ نویسد"

اسی قسم کے خرافاتی لطائف کا نام علم تھا، اور یہی ہوائی باتیں، بجائے منزلی آیات ونبوی روایات کے مسلمانوں کی زندگی کی تنظیم کرتی تھیں، ہر بوالہوس اپنی ہوسناکیوں کے جواز کے لئے کوئی سند بنالیتا تھا نقل کرتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن ان پیشوایان دین متین کی اخلاقی بلندی جس حد تک پہونچی ہوئی تھی، اس کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے مکتوب ۲۳۲ میں رقم فرماتے ہیں۔

بعضے از صوفیہ بہ مظاہر جمیلہ ونغمات مستحسنہ گرفتار اند بہ تخیل آنکہ ایں جمال وحسن مستعار از کمالات حضرت واجب الوجود است تعالیٰ وتقدس کہ دریں مظاہر ظہور فرمودہ است وایں گرفتاری رانیک ومستحسن انگارند بلکہ راہ وصول تصور می نمایند۔

صوفیوں میں کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جو حسین وجمیل صورتوں اور دلکش گانوں میں گرفتار ہیں، یہ خیال کرکے کہ یہ حسن وجمال تو حضرت واجب الوجود سے مستعار ہے اور وہی ان صورتوں اور پیکروں میں نمایاں ہوا ہے، اور اپنی اس گرفتاری کو اچھا ولپسندیدہ خیال کرتے ہیں بلکہ اسی کو رسائی حق کی راہ سمجھتے ہیں۔

پھر "جمال پرستی" کے اس آڑ میں جو کچھ ہوتا تھا، اس گھنونے منظر کے تصور سے بھی دل ساجتناب ہے خدا پرستی، اور خدارسی کی کتنی مقدس اور پاک راہیں تھیں، قہر یہ تھا کہ حق تعالیٰ کے ساتھ گستاخی کرنیوالوں کی یہ جماعت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بھی "ہوشیار" نہ رہنا چاہتی تھی، جھوٹ کرتی تھی اور جھوٹ بولتی تھی، حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ اپنے کمینہ فعل، اور ارتکاب فحشاء کے جواز میں (العیاذ باللہ)

مطلب خود ایں قول را سندمی آرند کہ گفتہ "ایاکم والمرد فان فیھم لونا کلون اللہ"

اپنے مقصد کے اثبات میں سند یہ پیش کرتے تھے کہ روایت کی جاتی ہے" سادہ رخوں (بے ریشوں) سے ہوشیار رہنا کیونکہ ان میں ایک رنگ ہے اللہ کے رنگ جیسا۔

مشہور عارفانہ نظریہ "المجاز قنطرۃ الحقیقۃ"[1]، کا مطلب یہ لیا گیا تھا جیسا کہ حضرت اپنے

---

[1] مجاز حقیقت کا پل ہے ۱۲

مکتوب ۳۶ میں ارقام فرماتے ہیں۔

ابلہان صوفیہ خام معنی ایں عبارت را نفہمیدہ وگرفتار ربہا بصورت جمیلہ پیدا کنند و بعشوہ دلال اینہا فریفتہ گردند بطمع آں کہ آنرا وصول بحقیقت سازند و معراج حصول مطلوب نمائند۔	بیوقوف کچے صوفیوں نے اس فقرہ کا صحیح مطلب تو سمجھا نہیں اور اچھی صورتوں کی چاہ میں گرفتار ہو گئے اور ان حسینوں کے نازنخروں، عشوہ وغمزہ پر فریفتہ ہیں یہ خیال کرتے ہیں کہ اپنے اس مجازی عشق کو حقیقت تک پہونچنے کا ذریعہ بنائیں گے اور اپنے مقصد تک اسی ذریعے پہونچیں گے۔

حسینوں کی بھری محفل میں جبہ ودستار، سُبحہ وسجادہ والے چلبلے دل بقول حضرت مجددؒ۔

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہرست
درحیرتم کہ وعدۂ فردا از برائے چیست

کہتے ہوئے اپنے اپنے منظور کے قدموں پر سرڈالدیتے، اُدھار جنت کے مقابلہ انکی نقد بہشت یہی تھی گویا قل للمومنین یغضوا من ابصارھم، کے فرمان الٰہی کا ان سے تعلق ہی نہ تھا، خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے عملی نظام کا نام "شریعت" رکھدیا گیا تھا، اور پھر اس شریعت کے متعلق ڈھنڈورا پیٹ دیا گیا کہ:۔

شریعت پوست حقیقت ست وحقیقت مغز شریعت	شریعت حقیقت کا چھلکا ہے اور حقیقت شریعت کا گودا ہے۔

بھلا جس کی رسائی مغز تک ہو چکی ہو، اب اسے چھلکے کی کیا پروا ہو سکتی تھی۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ ان میں بعض لوگ بہ ظاہر نماز وروزہ کی جو پابندی بھی کرتے تھے، تو اس کی وجہ یہ قرار دیتے تھے کہ:۔

مبتدیان دلبس روان ایشان بآن اقتداء کنند نہ آنکہ عارفان محتاج بہ عبادت اند۔ مکتوب ۲۷۶ ص ۳۵۸/۱ج	تاکہ مبتدی اور ان کے پیرو اُن کی اقتداء کریں یہ مقصد نہیں ہے کہ عارفوں کا گروہ بھی ان عبادتوں کا مکلف ہے۔

خذلهم الله (خدا انہیں رسوا کرے) فرما کر حضرت فرماتے ہیں کہ ان کا قول تھا کہ ہم ظاہر شریعت کی پابندی محض ریا کارانہ طور پر کرتے ہیں، ان کا علانیہ نظریہ تھا۔

تا پیر منافق و مرائی نہ باشد مرید از وے منتفع نہ گردد۔ مکتوب ۳۵ ج ۱ — جب تک پیر منافق اور ریاکار نہ ہو اس سے مرید نفع نہیں اٹھا سکتا۔

ریا اور نفاق جس طبقہ کے ذہن میں داخل ہو گئے تھے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس جذبہ کے زیر اثر وہ کن "ناکردنیوں" کو "کردنی" بناتے ہونگے خصوصًا جب یہ معلوم ہے کہ اس زمانہ میں پیری و مریدی کا مقصد بہ قول حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ یہ تھا۔

آنکہ مریدان ہر چہ دانند کنند، ہر چہ خواہند خورند و پیراں سپر ایشاں گردند و از عذاب نگاہ دارند۔ مکتوب ۴۱ ج ۳ — کہ مرید جو کچھ چاہے جانے، جو کچھ چاہے کرے جو کچھ چاہے کھائے، پیران لوگوں کی ڈھال بنجائیگا اور اخروی عذاب سے انکو بچالے گا۔

اسی کے ساتھ "سلب نسبت" کا نظریہ پیدا کیا گیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ مرید کے تمام دینی و دنیوی منافع اب صرف پیر کی توجہ کے ساتھ وابستہ ہیں، دنیا ہی نہیں بلکہ مشہور تھا کہ پیر چاہے تو مرید کو دین سے بھی محروم کر کے جہنم کا ابدی کندہ بنادے۔ اور اس کے متعلق طرح طرح کے قصے مشہور کئے گئے تھے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب ۲۱ ج ۲ میں کسی صاحب کا خط نقل فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بزرگ حضرت علاء الدین نامی اپنے مرید مولانا نظام الدین سے گراں خاطر ہوئے "و از ایشاں سلب نسبت کردند" لیکن مولانا نظام الدین نے فورًا حضرت رسالت پناہی کی روحانیت میں پناہ ڈھونڈھی، حضرت پیر علاء الدین کو حکم دربار رسالت سے ملا "نظام الدین از آنِ ماست کسے را بروے مجال تصرف نہ باشد" لیکن یہی بیچارے نظام الدین جب بڑھے ہوئے تو خواجہ عبید اللہ احرار سے کسی بات میں شکر رنجی ہوئی، باوجودیکہ نظام الدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آچکے تھے،

لہ نظام الدین میری ملکیت میں داخل ہو چکا ہے اب کسی دوسرے کو اس پر تصرف کرنے کی مجال نہیں ۱۲

لیکن پھر بھی "خواجہ احرار از مولٰنا سلب نسبت نمودند" اس عمل پر حضرت نظام الدین سلوب سے یہ لطیفہ نقل کیا جاتا تھا کہ

خواجہ مارا پیر یافتند ہر چہ داشتم بردند در آخر کار مفلس گردانیدند — ہمارے خواجہ (عبید اللہ احرار) نے مجھے بڈھا پایا جو کچھ میرے پاس تھا سب چھین لیا، اور انجام کار نے مجھے بالکل مفلس بنا کر چھوڑ دیا،

حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے سارے واقعات کو نقل فرما کر لکھا ہے۔

حضرت خواجہ ما قدس سرہ می فرمودند کہ مفلس ساختن دلالت بر سلب ایماں دارد اعاذنا اللہ سبحانہ — ہمارے خواجہ (حضرت باقی باللہ) فرماتے تھے کہ مفلس بنا دینے کے تو یہ معنے ہوئے کہ انکا ایمان بھی چھین لیا گیا، پناہ میں رکھے اس سے اللہ

اس کے بعد آخر میں اس "سلب نسبت" کے لطیفہ کے متعلق ارقام فرماتے ہیں۔

این معنے تجویز نمودن بسیار مشکل — اس بات کو جائز قرار دینا نہایت دشوار ہے۔

... اپنا خیال اس واقعہ کے متعلق ان الفاظ میں ثبت فرمایا

ہر دو قول بیش نیامدہ — کہ ان دونوں قصوں میں سے کوئی قصہ بھی پیش نہیں آیا۔

"برہمن کدہ" ہند میں آزاد اسلام ان زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ اس آہنی جال میں پھڑ پھڑا رہی تھی، زیادہ تر ان تدبیروں سے غالبًا وہی مسئلہ حل کیا جاتا تھا، جسے عہد حالی میں بجائے مسئلہ موت کے اسی کو انسانیت کا سب سے اہم ترین مسئلہ ٹھیرایا جاتا ہے

کون کہہ سکتا ہے کہ اس بڑے لفافہ کا آخری ورق وہی "ردی" نہیں تھی، جو پرانے برہمنوں کا کنٹھ اور نئے پنڈتوں کا صراحتہً سب سے بڑا نصب العین ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے ایک خلیفہ مجاز کو رجوع کرنے والے مریدوں کے متعلق جو اتنی شدت اور کرخت لہجہ میں یہ حکم دیتے ہیں کہ

نیک تاکید نمایند کہ طمعے در مال مرید و توقع در منافع دنیاوی او پیدا نشود، پ ۱۰۱/۱۲۵ ج ۱

خوب اچھی طرح سے اسکو سمجھو کہ مرید کے مال کے طمع اور دنیاوی منافع کی اس سے توقع کسی طرح دل میں نہ پیدا ہو۔

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں "پیری مریدی" کا چرخ کس محور پر گھوم رہا تھا، مرض نہ تھا تو علاج کی کیا ضرورت تھی، یہ تھی وہ چند مثالیں جن سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ "اسلامی دائرہ" کا یہ ممتاز طبقہ کس حال میں مبتلا تھا۔ میں نے بجائے کسی غیر معتبر مورخ کے قصداً اپنے بیان کی تائید کے لئے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا گواہ بنایا ہے اور یہ سارے اجزا، ان ہی کے مکاتیب طیبہ سے فراہم کئے گئے ہیں۔

سوچا جاسکتا ہے کہ جس عہد میں ہندوستانی اسلام کے امرا، وسلاطین علما وصوفیا شوربختی کے اس مقام تک تنزل کرچکے تھے تو پھر اس ملک کے عام مسلمانوں کا کیا حال ہوگا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہی کی زبانی اس کا فسانہ بھی کچھ سُن لیجئے۔ خان اعظم کو خط لکھتے ہیں جس میں زیادہ زور اسی پر ہے؛

احکام کثیرہ اہل کفر در اہل اسلام شوخی پیدا کردہ است مکتوب ۵۶/۱

اہل کفر کے بہت سے احکام و رسوم اہل اسلام میں نمایاں ہورہے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔ مکتوب ۲۶۶/۱ج

مسلمانانے باوجود ایمان رسوم اہل کفر می نمایند و تعظیم ایام ایشاں می کنند ص ۳۲۷

مسلمان باوجود ایمان کے اہل کفر کی رسموں کو بجالاتے ہیں اور ان کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں۔

پھر جلد ثالث کے مکتوب جہل میں اس کی شہادت ادا کرتے ہیں۔

استمداد از اصنام وطاغوت در دفع امراض و اسقام در جہلہ اہل اسلام شائع گشتہ است ص ۶۹

ان کے دیوتاؤں، اور بھوتوں سے بیماریوں کے ازالہ میں اہل اسلام کے جاہل لوگوں کا مدد طلب کرنا عام طور سے پھیلا ہوا ہے

خصوصاً عورتوں کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان یہ ہے کہ:۔

اکثر زنان بواسطہ کمال جہل کہ دارند ایں استمداد ممنوع مبتلا اند

اپنے انتہائی جہل کی وجہ سے اکثر عورتیں اس حرام وممنوع استمداد میں مبتلا ہیں۔

وطلب دفعیہ بلیہ ازیں اسمای بے مسمی می نمایند و باد ائے مراسم شرک و اہل شرک گرفتار اند۔

اور ان فرضی دیوتاؤں سے (جن کا نام تو ہے لیکن مسمی نہیں ہے) بلاؤں کے ٹلانے کی درخواست کرتی ہیں، اور شرک و اہل شرک کی رسموں کو بجا لاتی ہیں۔

چیچک کی بیماری میں ہندوستان کے عام اسلامی گھرانوں میں جو کچھ ہوتا تھا اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

در وقت عروض مرض جدری کہ در زبان ہند بہ سیتلہ معروف است مشہود و محسوس است کم زنے باشد کہ از دقائق ایں شرک خالی بود و برسمے از رسوم آں در آنجا اقدام ننماید۔

چیچک کی بیماری جس کا نام ہندی میں سیتلہ ہے، اسکے متعلق یہ بات مشاہدہ میں آ رہی ہے کہ کم کوئی ایسی عورت ہوتی ہے، جس کا دل اس قسم کے شرک کی باریکیوں سے پاک ہو، اور اس کے متعلق جو رسوم ہیں انہیں سے کسی نہ کسی رسم کے انجام دینے کی طرف سبقت نہ کرتی ہو،

غیر اسلامی تہواروں کے متعلق مسلمانوں کا طرز عمل کیا ہو گیا تھا، دلی کے دربار میں جو کچھ ہوتا تھا۔ اس کا اثر سارے ہندوستان پر پھیل گیا تھا فرماتے ہیں۔

در ایام دوالی کفار جہلۂ اہل اسلام علی الخصوص زنان ایشان رسوم اہل کفر را بجا می آرند و عید خود میسازند و ہدایا شبیہ بہ ہدایائے اہل کفر بجا نہائے دختران و خواہران در رنگ اہل شرک می فرستند و ظرفہائے خود را در رنگ کفار دران موسم رنگ می کنند و بہ برنج سرخ آں را پر کردہ می فرستند۔

اہل اسلام کے جہلاء دوالی کے دنوں میں خصوصاً عورتیں اہل کفر کی رسمیں کرتی ہیں، اور اس کو اپنا تہوار بنا کر مناتی ہیں، اور اس دن میں تحفے تحائف اہل کفر کے مانند اپنی لڑکیوں اور بہنوں کے گھر بھیجتی ہیں۔ اپنے برتنوں کو ان ہی رنگوں سے رنگتی ہیں جن سے اہل کفر اس خاص موسم میں رنگتے ہیں، اور سرخ چاولوں کو ان برتنوں میں بھر کر بھیجتی ہیں۔

عام مسلمانوں کے یہ تعلقات تو غیر اسلامی دیوتاؤں، اور غیر اسلامی تہواروں کے ساتھ تھے، خود اس ملک میں اکثر مسلمانوں نے اپنا بھی ایک مستقل مشرکانہ نظام قائم کر لیا تھا حضرتؒ فرماتے ہیں۔

حیوانات را نذر مشائخ می کنند و بر سر قبر ہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح می نمایند

بزرگوں پر جانور چڑھاتے ہیں اور انکی قبروں پر پہونچ کر ان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔

اور معاملہ صرف اس منت و نذر لغیر اللہ تک محدود نہ تھا، نماز و روزہ جو صرف اللہ کے لئے تھا، ہندوستان کے مسلمانوں نے اس میں بھی دوسروں کو ساجھی بنالیا تھا، حضرت کا بیان ہے خصوصاً عورتوں کے متعلق

صیام نساء بہ نیت پیراں و بی بیاں نگاہ دارند و اکثر نامہائے ایشاں را از نزد خود تراشیدہ روزہائے خود را بنام آنہا نیت کنند۔

عورتیں روزے پیروں اور پیرنیوں کی نیت سے رکھتی ہیں، ان پیروں کے نام بھی یہ خود گڑھ لیتی ہیں اور ان ہی فرضی ناموں سے روزے رکھتی ہیں۔

لطف یہ تھا کہ ان عجیب و غریب روزوں کے رکھنے کا دستور بھی عجیب تھا، یعنی ہر روزہ کی کھلائی کے لئے خاص خاص طریقے اور کھانے مقرر تھے، حضرت والا ہی ارشاد فرماتے ہیں۔

و از برائے ہر روزہ خاص بوضع مخصوص تعیین می نمائند

اور ہر روزہ کے خاص خاص طریقے انھوں نے مقرر کر رکھے ہیں۔

ان روزوں کا مقصود کیا ہوتا تھا، حضرت ہی فرماتے ہیں:۔

مطالب و مقاصد خود را بایں روزہا مربوط می سازند و بہ توسل ایں روزہ از آنہا حوائج می خواہند و روائے حاجت خود را از آنہا می دانند

اپنے مقاصد اور حاجتوں کو ان روزوں کے ساتھ وابستہ کرتی ہیں اور ان روزوں کے وسیلہ سے اپنی حاجتیں طلب کرتی ہیں، سمجھتی ہیں کہ ان کی حاجت براری ان ہی روزوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان خاص روزوں کی کھلائی کس طریقہ اور کن کھانوں سے ہوتی تھی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھنا پڑا۔

بسا است کہ در وقت افطار ارتکاب محرمات نمایند و افطار با محرام کنند

بسا اوقات ان روزوں کے کھولنے کے وقت ایسے کاموں کی ترکیب ہوتی ہیں جو شرعاً حرام ہیں۔

شائد ان روزوں میں سے بعض روزوں کے لئے یہ شرط تھی کہ بھیک مانگ کر اسی بھیک کے ٹکڑے سے روزہ کشائی کی جائے، جیسا کہ حضرت ہی فرماتے ہیں۔

بے حاجت سوال و گدائی کنند و آں افطار نمایند و قضائے حاجت خود را مخصوص بایں محرم می دانند۔	بغیر ضرورت کے بھیک مانگتی ہیں اور اسی بھیک کے ذریعہ سے روزہ افطار کرتی ہیں، سمجھتی ہیں کہ انکی حاجت اسی حرام کے ساتھ افطار کرنے پر موقوف ہے:۔

اور یہ حال تو "عوام کالانعام" کا تھا، اچھے پڑھے لکھے لوگ جن کا شمار دینداروں میں تھا، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی گواہیاں ان کے متعلق بھی قابل عبرت ہیں۔ اور تو اور خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جس زمانہ میں صرف "میاں[1] شیخ احمد سرہندی سلمہ اللہ تعالیٰ" تھے، باوجودیکہ اپنے والد مرحوم اور دوسرے علماء کبار سے علوم دینیہ کی باضابطہ تکمیل کی تھی، قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم سبقاً سبقاً حاصل کی تھی، گویا "سند یافتہ عالم" تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی و رسالت سے جو انسانی زندگی کا "دستور محکم" تیار ہوا تھا، اور جس کا عام نام شریعت تھا، خود حضرت بھی اس شریعت کے متعلق زمانہ کے اثر سے یہ خیال رکھتے تھے، جسے ایک نظم کی صورت دے کر جھوم جھوم کر پڑھتے۔

اے دریغا کیں شریعت ملت اعمائی ست	افسوس! یہ شریعت اندھوں کی ملت ہے میرا دین
ملت ما کافری و ملت ترسائی ست	دین کافری، اور عیسائیوں کا دین ہے، اس زیبا
کفر و ایماں زلف و روی آں پری زیبا ست	پری کے زلف اور چہرہ کو کفر و ایمان کہتے ہیں۔
کفر و ایماں ہر دو اندر راہ ما یکتائی است	اس یگانہ و یکتا کی راہ میں کفر و ایمان دونوں ہیں،

اللہ اکبر یہ تھا اُن مجدد صاحب کا حال جو تغیر حال کے بعد خانخاناں عبدالرحیم کے نام عربی میں ایک خط لکھتے ہیں اور اس میں ڈانٹ کر خانخاناں کو تنبیہہ فرماتے ہیں۔

کل العجب ان الاخ الصادق قد نقل ان	کس قدر تعجب ہے کہ ایک سچے بھائی نے مجھ سے بیان

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو آپ کے ہم قرن و ہم پیر تھے ان ہی الفاظ سے آپکو اپنی کتابوں میں یاد کرتے ہیں ۱۲

من جلسائهم من الشعراء الفضلاء من يلقب	کیا کہ آپ کے ہم نشینوں میں ایک شخص ہے۔ جن کا شمار
فی الشعر بالکفری والحال انه من	فاضل شاعروں میں ہے، انھوں نے اپنا تخلص کفری رکھ
اهل السادات العظام والنقباء الکرام	چھوڑا ہے، حالانکہ انکا تعلق سادات عظام اور نقباء
فیالیت شعری ماحمله علی هذا الاسم	کرام سے ہے، میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر اس تخلص کے اختیار
الشنیع المبین شناعته والمسلم ینبغی	کرنے پر ان کو کس چیز نے آمادہ کیا۔ جو نہایت برا ہے
ان یفر من هذا الاسم زیادة مایفر من	اور ایسا ہے کہ مسلمان کو اس سے اسی طرح بھاگنا چاہئے،
الاسد المهلك ویکرهه کل الکراهة	جیسے شیر سے آدمی بھاگتا ہے اور اسکو ناپسند کرنا چاہئے
لان هذا الاسم ومسماه مبغوضان لله	کیونکہ خود یہ نام اور اس کا مسمیٰ دونوں اللہ اور اس کے
سبحانه وتعالی ورسوله علیه الصلوٰة	رسول کے نزدیک قابل نفرت ہیں ایسے برے ناموں
والسلام فالتحاشی عن مثل هذا	سے علیحدگی واجب ہے آپ انسے میری جانب سے
الاسم القبیح واجب...... فالتمسوه من	التماس کیجئے کہ اس نام کو بدل کر اپنا تخلص
قبلی ان یغیر هذا الاسم ویبدله باسم	"اسلامی" رکھ لیں۔"
خیر منه ویلقب بالاسلامی ۳۲ ج۱	

اس زمانہ کے دینداروں کا حال ان الفاظ میں قلم بند فرماتے ہیں:۔

باید دانست کہ اکثر مردم از خواص و عوام	معلوم ہونا چاہئے خواص و عوام میں آجکل بکثرت
دریں زمان در ادائے نوافل اہتمام دارند و	ایسے لوگ ہیں، جو نوافل کے ادا کرنے میں تو بہت اہتمام
در مکتوبات مساہلات می نمایند و مراعات	کرتے ہیں لیکن فرائض میں سہل انگاری برتتے ہیں اور
سنن و مستحبات را آں اکثر می کنند و نوافل	سنتوں اور مستحب امور کی بہت کم رعایت و نگرانی کرتے ہیں۔
را عزیزی می دارند و فرائض را ذلیل و خوار،	یہ لوگ نوافل کو بہت قیمتی خیال کرتے ہیں۔ مگر فرائض کی
کم ست کہ فرائض را در اوقات مستحبہ ادا	ان کی نگاہ میں کوئی قیمت و عزت نہیں بلکہ انکو حقارت کی
نمایند، و در تکبیر جماعت مسنونہ بلکہ در	نگاہ سے دیکھتے ہیں، ان میں کم ہیں جو فرائض کو مستحب اوقات

نفس جماعت تقیدے ندارند بلکہ بکاسل وتساہل ادائے فرائض راغنیمت می شمارند۔ مکتوب ۲۸۸/۲۹۲ ج۱

میں ادا کرتے ہوں وہ جماعت مسنونہ کی تکبیر اولیٰ بلکہ سرے سے جماعت کی پابندی نہیں کرتے اور بس کاہلی وسستی سے فرائض ادا کرنے ہی کو وہ غنیمت خیال کرتے ہیں۔

اللہ اور رسول (صلوات اللہ علیہ وسلامہ) کی بنائی ہوئی راہوں کے ساتھ اُن کا یہ معاملہ تھا، لیکن انھوں نے خود اپنا جو دین گھڑ لیا تھا، اس کی پابندی کو فرائض سے بھی زیادہ اہم خیال کرتے تھے، حضرت نے بطور مثال کے ارقام فرمایا ہے۔

روز عاشورا، و شب برات، و بست وہفتم ماہ رجب واول شب جمعہ ماہ مذکور کہ آں را لیلۃ الرغائب نام نہادہ اند کمال و تمام مرعی داشتہ بجمعیت تمام نوافل بجماعت می گزارند وآن را نیک و مستحسن می پندارند۔

محرم، شب برات، ۲۷ رجب اور اس ماہ کے پہلے جمعہ میں جس کا نام "لیلۃ الرغائب" رکھا گیا ہے بڑے اہتمام اور دل کی پوری یکسوئی کیساتھ جماعت سے نفل نمازیں ادا کرتے ہیں اور اپنے اس فعل کو شرعاً بہت اچھا خیال کرتے ہیں۔

حد یہ ہوگئی تھی، کہ نقشبندیہ طبقہ کے صوفیا ومشائخ جن کا سارا مجاہدہ اور ساری ریاضت صرف اتباع شریعت کے ساتھ محدود تھی، ان کے متعلق بھی حضرت کو لکھنا پڑا کہ

بعضے از اہل سلسلہ بواسطہ قصور نظر دریں طریقہ علیہ نیز بدعتہا اختیار نمودہ اند و دلہائے مردم را بعلاقہ ارتکاب بدعت بجانب خود کشیدہ و ایں عمل را بزعم خود تکمیل ایں طریقہ علیہ گمان بردہ (مکتوب ۲۱ ج ۲)

اپنی کوتاہ نظری سے اس سلسلہ (نقشبندیہ) کے بعض لوگوں نے بھی اس "طریقہ علیہ" میں بدعتوں کو اختیار کرلیا ہے، اس بدعت کے ارتکاب سے چاہتے ہیں کہ عام لوگوں کے قلوب کو اپنی طرف مائل کریں اور اپنے اس فعل کو وہ اپنے خیال میں اس طریقہ کی تکمیل کا ذریعہ گمان کرتے ہیں

مکتوب ۱۳۱ میں اپنے زمانہ کی بعض ان بدعات کا ذکر کرتے ہوئے جو بعض مشائخ نقشبندیہ میں داخل ہوگئی تھیں، کتنے دردناک لہجہ میں فرماتے ہیں:-

افسوس ہزار افسوس بعضے از بدعتہا کہ در سلاسل دیگر اصلاً موجود نیست دریں طریقہ علیہ احداث نمودہ اند و تہجد را بجماعت می گذارند و از اطراف و جوانب در آں

افسوس ہزار افسوس کہ ایسی چند بدعتیں جو دوسرے طریقوں میں بھی قطعاً نہیں ہیں ان لوگوں نے اس طریقہ علیہ میں انکو داخل کرلیا ہے مثلاً تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اردگرد سے اس باجماعت نماز تہجد کے لئے لوگوں کو اکٹھا

وقت مردم از برائے تہجد جمع می گردند۔ — کرتے ہیں۔

کیسی عجیب بات ہے، کہ طریقہ نقشبندیہ کے لانیوالے ہندوستان میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ تھے، جن کا حال حضرتؒ نے یہ لکھا ہے:۔

یکے از مخلصان حضرت خواجہ ما بود در وقت افتتاح طعام در حضور ایشاں اسم اللہ را بلند گفت، ایشاں را ناخوش آمد بحدیکہ زجر بلیغ فرمودند کہ اورا منع کنند کہ در مجلس طعام حاضر نشود ۳۳۳ مکتوب ۲۶۶

ہمارے حضرت باقی باللہؒ کے مخلصوں میں ایک آدمی تھے کھانا کھاتے ہوئے شروع میں اللہ کے نام اک کو بلند آواز سے کہا، حضرتؒ کو انکی یہ بات بہت ناپسند ہوئی اتنی ناپسند کہ سخت ڈانٹ بتائی اور حکم دیا کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں آئندہ پھر یہ شخص حاضر نہ ہوا کرے۔

لیکن ہندوستان کی جو حالت ہو رہی تھی، جیسا کہ حضرت ہی کا بیان ہے۔

اہل ایں سلسلہ علیہ دریں دیار غریب افتادہ اند و اہل ایں دیار را بواسطہ شیوع بدعت بطریقہ ایں اکابر ملتزم سنت قلت مناسبت است مکتوب ۶۲، ۲۶

اس سلسلہ علیہ کے لوگ اس ملک میں اجنبیوں کی طرح ہیں بدعات کے رواج کی وجہ سے اس ملک کے لوگوں کو اس طریقہ کے بزرگوں سے جو سنت کے سخت پابند ہیں، بہت کم مناسبت ہے۔

اس "کان بدعت" میں اس طریقہ کا بھی انجام یہ ہوتا ہے کہ حضرت باقی باللہ کے صاحبزادگان کرام یعنی اپنے مخدوم زادوں کو مخاطب کر کے حضرت مجدد کو لکھنا پڑا۔

شنیدہ می شود کہ مخدوم زادہ ہا میل بسرود دارند و مجلس سرود و قصیدہ خوانی در شبہائے جمعہ منعقد می سازند و اکثر یاران دریں امر موافقت می نمایند عجب ہزار عجب مریدان سلاسل دیگر عمل پیران خود بہانہ ساختہ ارتکاب ایں امر می نمائند و حرمت شرعی بعمل پیران دفع می کنند اگرچہ فی الحقیقت دریں محق نباشند

ایسا سنا جاتا ہے کہ مخدوم زادوں کا میلان گانے کی طرف ہو گیا ہے گانا اور قصیدہ خوانی کی مجلس جمعہ کی شب میں قائم کیجاتی ہیں اور اکثر یاران طریقت نے بھی آپ لوگوں کی اس باب میں موافقت کی ہے۔ تعجب ہزار تعجب ہے کہ دوسرے سلسلوں کے لوگ تو اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر اس امر کے مرتکب ہوتے ہیں، اور اس طریقہ سے شرعی حرمت کو اپنے پیروں کے عمل سے توڑتے ہیں، اگرچہ اس میں وہ بر

یاران دریں ارتکاب چہ معذرت خواہند فرمود حرمت شرعی یک طرف، و مخالفت طریقت پیران خود یک طرف، (مکتوب ۲۶۶)

نہیں ہیں لیکن ہمارے پیر بھائیوں کو کیا ہوا ہے، وہ اس فعل کے ارتکاب میں کیا عذر پیش کر سکتے ہیں شرعی حرمت ایک طرف، اور اپنے طریقہ کے پیروں کی مخالفت دوسری طرف"

ان چند اجمالی نمونوں سے غالباً اس نقشہ کی صحیح تصویر نگاہوں کے سامنے اپنے واضح خط و خال کے ساتھ انشاء اللہ بے نقاب ہو چکی ہوگی، جو "عہد تجدید" سے پہلے ہندوستان کے اسلام اور مسلمانوں کا تھا، اس وقت بحث کو اسی نقطہ تک پہونچا کر اب ہم دوسری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جس قوم کے ولاۃ و حکام، سلاطین و امراء علماء و مشائخ اور ان کے ماتحت زندگی بسر کرنیوالوں کا جب یہ حال ہو، اندازہ ہو سکتا ہے ایسے مہیب منظر کی طرف اگر کسی کی بصیرۃ و احساس کی آنکھیں اچانک کھول دی جائیں۔ سوچا جا سکتا ہے۔ اس پر کیا قیامت کا سماں گذر جائیگا، ایسے نازک وقت میں جن سے کچھ امید ہو سکتی تھی، وہ علماء اور مشائخ ہی تھے، لیکن سُن چکے کہ مشائخ کا ایک بڑا طبقہ شریعت سے اپنی گردنوں کو آزاد کرانے کی فکر میں لگا ہوا تھا، جس کے دوسرے معنیٰ اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ وہ ایک راہ سے ارتداد پر آمادہ تھا، اور ان میں کتنے تھے جو آمادگی کے حدود سے نکل کر عملی میدان میں بھاگ چکے تھے، علماء زبان سے کچھ ہی کہتے ہوں، لیکن جو حالات تھے، ان کو پیش نظر رکھکر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ بھی عملی بغاوت میں مبتلا نہ ہو چکے تھے، بلکہ سچ یہ ہے جیسا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے، کہ

در قرن سابق اختلافات علماء عالم را در بلا انداخت وہمان صحبت در پیش است ترویج چہ گنجائش دارد باعث تخریب دین خواہد شد

(ج ۱ م ۵۳)

پچھلے دور میں علماء کے اختلافات نے دنیا کو ایک مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا، اب پھر وہی بات سامنے ہے ــ دین کا رواج کیا ہوگا، اسکی بھلا کیا گنجائش ہے، بلکہ دین کی بربادی اس سے ضرور ہوگی۔

بھلا جس عہد کے علماء کو دیکھ کر حضرت مجدد کو لکھنا پڑا۔

عزیزے ابلیس لعین را دید فارغ و بے کار نشستہ است سراں را پرسید گفت علماء ایں

ایک صاحب نے ملعون ابلیس کو دیکھا کہ فارغ اور بیکار بیٹھا ہوا ہے پوچھا کہ آخر کیا ماجرا ہے۔ ابلیس بولا کہ

وقت کارہای کنندو در اغوا و اضلال سکافی اند مکتوب ۵۳ ج ۱	اس زمانہ کے علماء میرا کام انجام دیرہے ہیں، راہ مارنے بھٹکانے کے لئے اب وہی کافی ہیں۔

اُن سے کیا خاک توقع ہوسکتی تھی، ہندوستان کے مسلمانوں میں وہ ان سب چیزوں کو دیکھ رہے تھے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی گئیں، وہ اِن مسلمانوں کی زبانوں سے وہ سب کچھ سُن رہے تھے۔ جو اللہ کے آخری پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مبارک زبان سے کبھی نہیں سُنا گیا، لیکن بجز ان چند کے جنکی سب سے بڑی اُولوالعزمی یہ تھی کہ سنکر کو دیکھ کر چپ ہوجائیں۔ بڑا گروہ ان کا تھا، جو مسلمانوں کو وہی سناتے تھے، جو وہ سُننا چاہتے تھے، وہی دکھاتے تھے اور قرآن کھول کھول کر حدیثوں کے اوراق الٹ الٹ کر وہی دکھاتے تھے جو وہ دیکھنا چاہتے تھے،

کیسی کٹھن گھڑی ہوگی، جب دوستوں نے دشمنی کے لئے کمر باندھی ہو، اور اللہ کی فوج شیطان کی صف میں شریک ہوکر ایمان و اسلام کی برجیوں پر دھاوا بول دے یہی رنگ تھا جسے دیکھ کر حضرت مجدد فرماتے ہیں۔

عالم در دریائے بدعت غرق است و بظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند و باحیائے سنت لب کشائد اکثر علماء ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند و محو کنندہائے سنت مکتوب ۵۴ ج ۲	دنیا بدعت کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہو اور بدعت کی تاریکیوں میں مطمئن ہے کسکی مجال ہو کہ کسی بدعت کے اٹھانے کیلئے آمادہ ہو، اور کسی سنت کے زندہ کرنے کے لئے لب کشائی کرے، اس زمانہ کے اکثر علماء خود ہی بدعت کے رواج دینے والوں اور سنت کے مٹانیوالوں میں ہیں۔

اللہ اکبر! جو مدرسہ سے اس لئے نکلا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہونیوالوں کو آپ سے قریب کریگا، اسلام کا ایک مجدد ان ہی کے متعلق یہ شہادت ادا کرتا ہے کہ یہ علماء دین

مردم را بر بدعت و ضلالت می نمائند و بجواز بلکہ باستحسان او فتوی می دہند مکتوب	آدمیوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں، بلکہ اسی کو شرعاً مستحسن قرار دیکر فتویٰ دیتے ہیں۔

شائد ایسا ہی وقت ہوتا ہے، جب ہر طرف سے مایوس ہو کر چیخنے والا جنون درستی میں

اِس راز کو پھر فاش کرائے روحِ محمدؐ
اِس عہد میں اب تیرا اسلام کدھر جائے

چیخنے لگتا ہے، اور جب استبادی و سچائی، نیاز و اخلاص میں ڈوب کر چیختا ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس پردہ راز "فاش" کیا جاتا ہے، جس کے بعد تجدید کا کام شروع ہو جاتا ہے۔

یہ خیال نہ کرنا چاہئے، کہ حضرت مجددؒ سے جو کام بعد کو بن پڑا، وہ کسی غیر مرتب، مذہبی جوش و خروش کا ایک غیر شعوری نتیجہ تھا۔

یہ سچ ہے کہ کسی کی نظر انتخاب یقیناً حضرت مجددؒ کے قلب مبارک کو ازل ہی میں تاک چکی تھی، اور جو ایسا ہوتا ہے، ارجمندی و اقبال کا ستارہ اسکی پیشانی کو اسی وقت چوم لیتا ہے، جس وقت وہ اِس خاکدان میں قدم رکھتا ہے، آئندہ کے نیک سالوں کا پتہ اسکی زندگی کی ابتدائی بہاروں سے چلنے لگتا ہے۔ آہ رمضان میں ہلال کے مسئلہ میں ابوالفضل کا پیالہ جو اس کے منہ پر مارا گیا تھا، وہ ان ہی بہاروں کا ایک ہلکا جھونکا تھا جس کا تذکرہ میں پہلے کر چکا ہوں۔

لیکن اس ادیسی پر جب روح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے "راز" فاش کیا تو اس کے بعد یقیناً اس کا جو قدم بھی اس راہ میں اُٹھا سو جکڑا اٹھا، جھکڑا اٹھا، دماغ نے عمل کا ایک "لائحہ" مرتب کیا، اور "دل" نے اس "لائحہ" کو ہاتھ میں دے کر

دل انگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

کہتے ہوئے، جو کچھ اس کے پاس تھا سب کو لے کر ایک دفعہ ان موج افزا طوفانوں، اور بے پایاں سمندروں میں ڈھکیل دیا جس کا ڈوبنے والا پھر کبھی نہیں ابھرا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ کے اس ساکھ" کا تصور جب سامنے آتا ہے تو بے اختیار اس وقت اپنے مخدوم حضرت مجذوب (خواجہ عزیز الحسن ڈپٹی انسپکٹر صوبجات متحدہ و خلیفہ خاص حضرت حکیم الامت مدظلہ العالی کا وہ شعر جو کسی "خاص وقت" میں انھوں نے سنایا تھا یاد آجاتا ہے جھوم کر "دیوانے" نے

گرچہ ہے بحر محبت پُر خطر
کشتئ دل اس میں ڈالی جائے گی

الا یا "ڈالی جائے گی" پرکس بلا کا روحانی زور پہونچا یا گیا تھا کہ اب تک اس کی کیفیت جب یاد آتی ہے تو ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

ہائے! کاش! "چل پڑتا" لیکن بازو ہی نہیں بلکہ شائد زور قلب سے بھی وہ سعادت میسر نہیں آسکتی جو محض بخشندہ کی بخشش ہی پر موقوف ہو وعسی اللہ ان یحدث بعد ذالک امرا

بہرحال یہ بات کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک مستقل طے شدہ منصوبہ" تھا، اس کا ثبوت خود آپ کی تحریروں سے ملتا ہے، شیخ فرید (سید مرتضیٰ بخاری) جو جہانگیری دربار کے ممتاز ترین رئیس بلکہ سچ پوچھو تو "سلیم" کو جو اپنے ہی بیٹے اور مار آستیں (خسرو) کا "سلیم" (مار گزیدہ) تھا، ٹھیک جس وقت اکبر کی موت کے بعد اس سانپ کا کامیاب حملہ ہوا) تو یہی بخاری سید تھے، جنکی عمل و تدبیر سے مرنیوالا "سلیم" جہاں گیر بن گیا، انشاء اللہ تعالیٰ اس کا تفصیلی ذکر آئندہ آئیگا، ان ہی سید صاحب کو حضرت مجددؒ ایک خط میں لکھتے ہیں. یہ خط کیا ہے؟ اسلام اور مسلمانوں کا نوحہ اور مرثیہ ہے سابق حکومت کے معاندانہ سلوک پر واویلا کرتے ہیں علماء سوء کی چیرہ دستیوں پر نالہ کرتے اور شیخ فرید کو آمادہ کرتے ہیں کہ اس "فتنہ" کے مقابلہ کے لئے تم خود تیار ہو جاؤ۔ اور ہو سکے تو بادشاہ کو بھی کسی نہ کسی تدبیر سے اس راہ پر لگاؤ، آخر میں ارقام فرماتے ہیں :

بنا علی ذالک این حقیر قلیل البضاعت نیز خواہد کہ خود را در جرگہ مدداں دولت اسلام اندازد ودرین باب دستے وپائے زند، ص ۲۷۶ ج ۱	اس بنا پر یہ حقیر "ٹٹ پونجیا" بھی اپنے کو "دولت اسلام" کے مددگاروں کے جرگہ میں داخل کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس راہ میں ہاتھ پاؤں مارے۔

کچھ نہیں ہے بے برگی و بے سامانی کی آخری حد پر کھڑے ہیں لیکن! با ایں ہمہ اس "بلند منصوبہ" کے لئے اپنا عزم پیش کرتے ہیں ـــــ کتنے سینہ شگاف لہجہ میں سرہند کا ایک فقیر "مغل امپائر" کے ایک "رکن رکین" کے بغل میں کھڑا ہو کر کہتا ہے،

بحکم من کثر سواد القوم فھو منھم محتمل	اس "ارشاد" کے مطابق کہ کسی قوم کا سواد جس سے بڑھتا
کہ ایں بے استطاعت را داخل آن جماعہ کرام	ہو، وہ ان ہی میں شمار کیا جاتا ہے ہوسکتا ہو کہ اس بے
سازند شل خود را آن زال می انگارد کہ ریسمان	استطاعت کو بھی بزرگوں کے اس گروہ میں داخل کر لیا جائے،
تنیدہ خود را در سلک خریداراں حضرت یوسف	اپنے کو میں اس بڑھیا کے مانند خیال کرتا ہوں جس نے ناکاتا
علیہ السلام ساختہ بود	کر اپنے کو حضرت یوسف علیہ السلام کو خریداروں میں شریک کر لیا تھا"

بہرکیف میرا یہ خیال ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک مفصل "منصوبہ" اور ایک متعین "نصب العین" تھا، اگرچہ ظاہر ہے کہ نہ وہ "پروگرام" کا زمانہ تھا، اور نہ "اسکیم" کی دنیا تھی اور اس وقت کیا؟ اخلاص وصداقت کا "جہاد" ہمیشہ اس قسم کے پروگراموں سے بے نیاز رہا ہے، جو صرف پروگرام ہی کے لئے بنا لیا جاتا ہے، اس لئے یہ توقع تو بے جا ہوگی کہ میں ان تجویزوں کی جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پیش نظر تھیں کوئی واقعی نقل پیش کروں گا بلکہ حضرت کے مکاتیب طیبہ کے مطالعہ ومقابلہ سے آپ کے "تجدیدی کارناموں" کی مختلف دمتفرق کڑیوں کو مربوط کرنے کی کوشش کرونگا، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم،

لیکن قبل اس کے کہ میں آپ کے اس مرتب "منصوبہ" کو پیش کروں، ایک خاص امر کی جانب اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس عہد میں ہندوستانی مسلمانوں کی زبوں حالیاں اس نوبت تک پہنچ چکی تھیں، وہ بگڑ چکے تھے، ان کے بڑے چھوٹے سب بگڑ چکے تھے، آوے کا کوئی برتن سالم نہیں رہا تھا، اور "تن" کا کوئی حصہ داغ سے خالی نہ تھا، تو پھر ان بے جان لاشوں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر چمن محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان "خانہ برانداز وں" باغ اسلامی کے اجاڑنے والوں کے لئے آخر حضرت مجددؒ کے دل میں یہ ہوک کیوں پیدا ہوئی، ایسوں کے لئے وہ کیوں تڑپے، کیوں کراہے کس نے اس ٹیس کو پیدا کیا، جس کے دکھ اور کوفت سے بےچین ہو ہو کر وہ سے

آنچہ من گم کردہ ام گر از سلیمان گم شدے ہم سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے (مکتوب ۱۶۲/۱)

بے جیتے جی تلملا تلملا کر وہ

صُبّت علیٰ مصائب لو انہا

صبت علے الایام صرن لیالیا (مکتوب ج ۱)

کے ساتھ کیوں وچیختے رہے، جانتے تھے، جیسا کہ ان ہی کی گواہیوں سے دکھا چکا ہوں کہ اس صنم کدہ ہند کے عام جاہل مسلمان کافروں کے دیوتاؤں کی دہائی دیتے تھے۔ ان کے آگے صحت و تندرستی کے لئے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتے تھے۔ ان کی عورتیں ہندوؤں کی وہی دیویوں کی پوجا کرتی تھیں، سیتلہ مائی کی منت مانتی تھیں، اللہ کے باغیوں رسول کے دشمنوں کے تہواروں کو اپنی اسلامی عیدوں کی طرح منایا جاتا تھا، بیبیوں اور دبیبیوں کے نام سے مسلمان خواتین روزے رکھتی تھیں، قبروں پر بکرے چڑھائے جاتے تھے، یہ عامیوں اور جاہلوں کا حال تھا، ــــ جو دین کی پابندی کے مدعی تھے، وہ اس میں اپنے کو مختار ٹھیراتے تھے کہ فرض کو نفل کا اور نفل کو فرض کا درجہ عطا کریں، اہم کو غیر اہم بنانا، اللہ اور اس کے رسول کا نہیں، بلکہ ان "دینداروں" کا کام تھا ــــ رہے مشائخ اور علماء سو آپ دیکھ چکے، کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ان کے نزدیک اس "مغز" کا چھلکا تھی، جو اُن کے "بھیجے" کے بخارات سے تیار ہوا تھا، جس قانون کی پابندی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی آخری سانس تک کی تھی، باوجود پیغمبر نہ ہونے کے اس کی پابندی ان کے لئے غیر ضروری تھی، جمال کی "تلاش میں شیطان نے جس جال" میں ان کو پھانسا تھا، یہی گندہ وبال اُن کا انتہائی وصال تھا، اور "علماء" نے تو اپنے "علمی و دینی" کاروبار سے شیطان کے لئے ہولی ٹے تعطیل کا موقعہ ہی بہم پہونچایا تھا، اور صرف یہی نہیں میں نے شاید پہلے ذکر نہیں کیا، اس زمانہ میں بھی پڑھے لکھوں یا تعلیم یافتوں کی ایک جماعت تھی جو باوجود خواندہ داخل کتاب ہونے کے "علماء" کے لفظ سے موسوم نہ تھی، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا بھی ذکر کیا ہے، اپنے علم و فضل، ذکر و غیرہ نے ان میں بھی وہی چیز پیدا کردی تھی، جس کی بنیاد پر اپنی "آوارہ دماغی" کی تعبیر وہ آزاد خیالی

ؔ جو مصیبتیں مجھ پر ٹوٹی ہیں، اگر دن پر نازل ہوتیں تو دن رات ہوجاتا ۱۲

سے کیا کرتے تھے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے مسلک کی تعبیر ایک مفصل بیان کے ذیل میں فرمائی ہے، جس کا خلاصہ ان الفاظ میں درج فرمایا ہے۔

جمیع احکام شرعیہ را معقول خود سازد و بادلہ عقل برابر نمائند (ربع ۲۱۲ ج۱)

تمام شرعی احکام وقوانین کو اپنی عقل کے مطابق بنائے اور عقلی دلیلوں کے معیار پر وہ پورے اتریں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

ہر چہ عقول شاں قبول کند و تواند دریافت قبول می نمائند و ہر چہ در درک عقول شان نہ در آمد قبول نمی نمائند (مکتوب ۲۶۶ ج۳)

ان کی عقلیں جن باتوں کو مان لیں، یا جن کو دریافت کر سکتی ہوں ان ہی کو یہ مانتے ہیں، اور جو باتیں (شریعت) کی اُن کی عقل میں نہیں آتی انھیں یہ نہیں مانتے ہیں۔

مسلمانوں کا یہ گروہ فلسفہ وحکمت (سائنس) کا گرویدہ تھا، اور قرآنی بیانات، حدیثی روایات کو انہی تحقیقات کا تابع قرار دیتا تھا، حضرت نے ایک موقعہ پر ان ہی کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

در زمرہ اہل اسلام خود را داخل ساختہ اند وہمچنان بر اصول فلسفی خود راسخ اند و بقدم سماوات وکواکب وامثال ایں ہا قائل اندو بعدم ہلاک وفنا اینہا حاکم اند قوت ایشاں تکذیب نصوص قرآنی، ورزق شان انکار ضروریات دین۔

اہل سلام کے زمرہ میں اپنے کو یہ داخل کرتے ہیں لیکن باوجود اسکے اپنے فلسفیانہ خیالات ونظریات پر پوری قوت کے ساتھ جمے ہوئے ہوتے ہیں، یہ آسمانوں ستاروں اور اسی قسم کی چیزوں کی قدامت کے قائل ہیں، ان کے فنا و ہلاک برباد وتباہ ہونے کے منکر ہیں، انکی غذا صرف قرآنی نصوص کی تکذیب اور انکی روزی بعض ضروریات دین کا انکار ہے،

یہ سب کچھ لکھکر آخر میں عجب انداز میں فرماتے ہیں:۔

عجب مومن اند بخدا ورسول ایمان آرند واما آنچہ خدا ورسول او فرمودہ است قبول ندارند سفاہت ازیں نمی گذرد (ربع ۲۳ ج۳)

اچھے مسلمان اور مومن ہیں اللہ اور رسول پر ایمان بھی رکھتے ہیں، اور جو کچھ اللہ ورسول نے فرمایا ہے اسے مانتے بھی نہیں حماقت اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہد کے ان آزاد خیال (فری تھنکر) تعلیم یافتوں کا نام "طالب علمان بے باک" رکھا ہے، فرماتے ہیں:-

"طالب علمان بے باک" از ہر فرقہ کہ باشند	علم کے طالبوں میں جو "بیباک" یعنی آزاد خیال ہیں، جس
"لصوص" دین اند اجتناب از صحبت اینہا نیز	فرقہ کے بھی ہوں، یہ دین کے چور ہیں، انکی صحبت سے
از ضروریات دین است۔ ب ۲۱۳ ج ۱	پرہیز کرنا بھی "ضروریات دین" میں ہے۔

"طالب علموں" یا "تعلیم یافتوں" کی اسی جماعت کے چند خاص افراد کا ذکر ایک اور موقعہ پر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

بعضے از طلبہ علوم بشومی طمع کہ ناشی	ان ہی طلباء علوم میں سے بعض لوگوں نے حرص کی بدبختی میں
از خبث باطن ست بامراء و سلاطین تقرب جستہ	مبتلا ہو کر جو کہ محض ان کے باطن کی خباثت کا نتیجہ ہے، بادشاہوں
براہ خوشامد در آمدند و در دین متین تشکیکات	اور امیروں کا تقرب حاصل کر کے خوشامد کا طریقہ اختیار کیا ہے
نمودند و شبہات پیدا کردند و سادہ لوحان را	اور دین متین میں اپنی سکے بعد شکوک و شبہات پیدا کرکے یہ بیوقوفوں
از راہ بردند مکتوب ۶۲ ج ۲	اور سادہ لوحوں کی راہ مار رہے ہیں۔

بہ ظاہر یہ اشارہ ادب و انشاء فلسفہ و تاریخ کے ان ہی شہسواروں کی طرف ہے جن میں ایک اپنے زمانہ میں سے

امروز نہ شاعر و حکیم　　دانندہ حادث و قدیم

کا نعرہ بلند کرتا تھا، اور دوسرا اس وقت تک کتنے تعلیم یافتوں کا اگر معبود نہیں تو مقصود ضرور بنا

لہ لصوص لص کی جمع ہے جس کے معنی چور کے ہیں، یہ عجیب لفظ ہے گویا "دین" اور "علم دین" کے صرف جاننے سے آدمی اس کا مالک نہیں ہوتا، دین کا مالک وہی ہے جو اس پر عامل ہے، ورنہ جو دین کے دائرہ میں صرف علم کے لئے داخل ہوتے ہیں، یہ چور ہیں محض اس لئے دینی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں کہ جن سے وہ کوئی دنیاوی نفع اٹھا سکتے ہوں، یا اپنے وسوسوں کی توثیق جن اجزاء کے ذریعہ سے کرسکتے ہوں، انھیں چرالیں حقیقت یہ ہے کہ ان چوروں کی ایک خاصی تعداد ہر زمانہ میں رہی ہے اعاذنا اللہ من شرورہم ۱۲ منہ

ہوا ہے، میری مراد ابوالفضل وفیضی سے ہے کہ اکبر کی سوء دماغی میں بہت بڑا دخل ان ہی دو "تعلیم یافتہ" بھائیوں کا تھا،

بہرحال میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ جب مسلمانوں کی یہ حالت ہو چکی تھی، اور دین سے وہ اس درجہ منقطع اور دور ہو چکے تھے، پھر باوجود اس کے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی اس شوریدگی، وہنگامہ آرائی کی آخر وجہ کیا ہوئی، کیوں نہیں ان کو بھی وہی خیال گذرا جیسا کہ سُنا جاتا ہے کہ اسلام کے بعض دلدادوں، علم وفضل کے صدر نشینوں نے اس عہد کے ہندی مسلمانوں کے متعلق گندہ لاش ہونے کا فتویٰ صادر فرماتے ہوئے اعلان فرمایا کہ بہشتی وہ ہے جو ان کے دفن میں کوشش کریگا یا اس ملک کے سیاہ وسپید درندوں کی ان مردوں کے نگلنے میں مدد کرے گا۔

اور یہ تو میں نے اکثر پاکان عصمت آب کو خود دیکھا کہ ان کی زبانوں پر غریب مسلمانوں کی لعنت کے سوا اب کچھ باقی نہیں رہا ہے، وہ مسلمانوں کو اس طرح گالیاں دیتے ہیں کہ گویا ان مسلمانوں میں یہ خود شریک نہیں ہیں، وہ ان کو اسی طرح سراپتے ہیں کہ گویا اس سراپ اور بددعا کے مستحق میں وہ خود نہیں ہیں لیکن شاید یہ ہوشیاروں اور فرزانوں کی باتیں ہیں، پر وہ جو دیوانہ ہے عقل و ہوش سے بیگانہ ہے، سنتے ہو، وہ سب کچھ دیکھتا ہے، سب کچھ سنتا ہے، لیکن باایں ہمہ:۔

واویلاہ وامصیبتاہ واحسرتا واحزناہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العلمین است مصدقان او ذلیل و خوار، ومنکران او بعزت واعتبار۔ مکتوب ۱۲ ج ۱

واویلاہ وامصیبتاہ، واحسرتاہ واحزناہ محمد رسول اللہ جو رب العالمین کے محبوب ہیں، انکو سچا یقین کرنیوالے تو ذلیل وخوار ہوں، اور ان کے منکر عزت واعتبار میں ہوں۔

کے ساتھ چلاتا ہے، چلاتا ہے اور اتنا چلاتا ہے کہ آسمانوں کو لرزا دیتا ہے، زمیں کانپ اٹھتی ہے، دنیا الٹ جاتی ہے، اور جو سوچا نہیں جاسکتا آخر وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مرتا ہے رحمہ اللہ وطاب ثراہ ؏

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

سچ ہے کہ ہندوستان میں اس عہد کے مسلمان وہ سب کچھ ہو چکے تھے، جو ہو سکتے تھے لیکن ایک چیز ان میں پھر بھی باقی تھی کہ "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العلمین ست" انکے مصدقوں سے ما اور ان کے نام لیووں سے انھوں نے اپنے کو اب تک نہیں نکالا تھا، ہو سکتا ہے کہ لغوی طور پر ان کے اعمال واحوال کے لحاظ سے مصدقوں کا لفظ ان پر صادق نہ آتا ہو لیکن انصاف شرط ہے، کیا واقعی وہ اور ان کے باپ دادے جس پیغمبر کی رسالت پر ایمان لائے تھے، کیا اسکی رسالت کو وہ اسی طرح جھٹلا چکے تھے، جس طرح وہ جھٹلاتے ہیں، جو اس لئے نہیں کہ شرقی ہیں، اس لئے نہیں کہ ایشیائی ہیں، اس لئے نہیں کہ عربی یا ایرانی ہیں، اس لئے نہیں کہ ان کی کھال کا کوئی خاص رنگ ہے، اس لئے نہیں کہ ان کی کوئی خاص بولی ہے، بلکہ اس لئے اور صرف اس لئے مسلمانوں کو دنیا سے مٹانا چاہتے ہیں کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں سچا سمجھتے ہیں، ہائے! اگر ان کا عمل ان کے اس تصدیق کی تکذیب کرتا ہے، تو آخر ان کے ساتھ کیوں بے انصافی کی جاتی ہے، جب اس کا الزام بجائے ان کے اس جماعت پر نہیں لگایا جاتا جس کے متعلق حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

در قرن ماضی ہر بلائے کہ بر سر آمد از شومی ایں جماعت بود، بادشاہان را ایشان از راہ می برند ہفتاد و دو ملت کہ راہ ضلالت ست اختیار کردہ اند، اینہا علماء سوء بودند غیر از علماء ہر کہ بضلالت رفت کم است کہ ضلالت او تعدی بدیگرے دارد، و اکثر جہلاء صوفی نما ایں زمانہ حکم علماء سوء دارند فساد اینہا نیز فساد متعدی ست"

گذشتہ دور میں سروں پر جو بلائیں بھی آئیں اسی جماعت کی بدبختی اور نحوست کی راہ سے آئیں، بادشاہوں کو یہی لوگ راہ سے ہٹا کر گمراہ کرتے ہیں، بہتر طریقے جو گمراہی کے طریقے ہیں ان کو جن لوگوں نے بھی اختیار کیا، وہ انہی علماء سوء ہی کے بدولت اختیار کیا، علماء کے سوا کم لوگ ہیں، جو اتنے گمراہ ہوں جس سے دوسرے بھی متاثر ہوتے ہوں، اسی طرح اس زمانہ کے صوفی نما جہلا بھی علماء سوء کے حکم میں داخل ہیں کہ انکا فساد بھی متعدی ہے۔

آخر جس امت کے پیشواؤں کے متعلق یہ واقعہ ہو کہ،

اکثر علماء این وقت رواج دہندہائے بدعت اندو　　اس زمانہ کے اکثر علماء بدعت کے رواج دینے والے ہیں، اور سنت

محوکنندہائے سنت مردم را بہ بدعت ودلالت می نمانند　　کے مٹانے والے ہیں لوگوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔

تو پھر ارباب انصاف کو کیا ہو گیا ہے کہ بجائے ان پیشواؤں کے انکے پس روؤں کو وہ کہتے ہیں، وہ اگر

بگڑے ہیں تو اس لئے نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انھوں نے تکذیب کی ہے، بلکہ سچ

یہ ہے کہ ان کو جو کچھ بگاڑا گیا ہے وہ اسی بنیاد پر بگاڑا گیا ہے کہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العلمین ست

ان کی اور ان کی رسالت کی انھوں نے تصدیق کی ہے، کیا "علم محمدی" کے جاننے، کے مدعیوں نے

انکو جب کبھی بگاڑا جہاں کہیں بگاڑا حتی کہ اسوقت بھی جو بگاڑ رہے ہیں، تو کیا یہی کہکر نہیں بگاڑ رہے ہیں کہ

"محمد اور محمد کا رب اب تم سے یہ کہتا ہے" (صلی اللہ علیہ وسلم)

"فاعتبروا یا اولی الابصار"

میں نے بہت تلاش کیا لیکن مجددی قلب کے طوفانی تلاطم، اور بے پناہ ہیجانوں کا سبب سکے سوا اور کچھ

نہ ملا کہ جو رب العلمین کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب تھے، انکی خواری و ذلت کے نظارہ کی تاب اس

سرمست بادہ الست کا دل دیوانہ نہ لا سکا، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ دوسرے جو کچھ چاہیں سوچیں،

جس بات سے چاہیں متاثر ہوں، جس چیز کو چاہیں اہم قرار دیں لیکن سرا خوتن، مجنونوں کے لئے تو

خرابا تیاں می پرستی کنید　　محمد بگوئید دستی کنید

کے سوا نہ تو کوئی سرمایہ شادی ہے اور نہ بضاعت غم، سچ کہا جسنے کہا (رحمہ اللہ) سے

لی حبیب عربی مدنی قرشی　　کہ بود، درد لش مایہ شادی و خوشی

(تتبعها الرادفة)

افسوس! مولانا گیلانی مرحوم اس کے بعد اس سلسلہ کی کوئی قسط نہ لکھ سکے، مستقل

سوانح مجددی لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن اس کے لئے وقت نہیں نکال سے یہاں تک

کہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا جہاد تجدید

قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات "الاسلام[1] بدءغریباً ویعود کما بدأ فطوبیٰ للغرباء" وشروع آخریت ایں امت از بدایت الف ثانی است از ارتحال آں سرور عالم وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام، زیرا کہ مضی الف را خاصیتے است عظیم در تغیر امور و تاثیریست قوی در تبدیل اشیاء، وچوں دریں امت نسخ و تبدیل نبود ناچار نسبت سابقان بہمان طراوت ونضارت در متاخران جلوہ گر گشتہ است و تائید شریعت و تجدید ملت در الف ثانی فرمودہ"

(ارشاد امام ربانی در مکتوب ۲۶۲ دفتر اول)

---

[1] (خلاصہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اسلام کس مپرسی ہی کی حالت میں دنیا میں آیا اور آخر میں بھی اس کی یہی حالت ہو جائیگی، اور اس امت کا آخری دور حضور کی وفات شریف سے ہزار سال بعد سے شروع ہوتا ہے کیونکہ حالات کی تبدیلی اور تغیر میں ہزار سال کو خاص دخل ہے۔ اور چونکہ اس امت میں نسخ و تبدیل کا دروازہ بند ہے اس لئے سابقین ہی کی نسبت اپنی تازگی و شادابی کے ساتھ بعد والوں میں جلوہ گر ہو گئی ہے اور شریعت کی تائید اور ملت کی تجدید ہی کر رہی ہے۔ ۱۲

مقدس اسلام پر جب پورے ایک ہزار برس گذر گئے اور اس نے الف ثانی (ہزارۂ دوم) میں قدم رکھا اُس وقت خاکسترِ ہندوستان میں عرب کے اس مسافر پر ہر چہار طرف سے فتنوں کی یورش تھی ——— ایک طرف سلطنت کا الحاد اور اس کی ہندو نوازی بلکہ ہندویت پرستی اس کو پامال کر رہی تھی، دوسری طرف علماء سوء کی دسیسہ کاریاں اس میں رخنے ڈال رہی تھیں، اور تیسری طرف "متصوفہ باطنیہ" کی ہوا پرستیاں اس کی روح کو مسخ کر رہی تھیں اور لاوارث اسلام اس طرح اس "تثلیث" سے مغلوب کیا جا رہا تھا، اس کا ضعف و اضمحلال، اس کی غربت و کس مپرسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

خود حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے (جنکو قدرت نے ان فتنوں کے مقابلہ اور استیصال ہی کے لئے کھڑا کیا تھا) جو کچھ اپنے تاثرات اُس عہد کے متعلق لکھے ہیں انہی سے ایک صاحب بصیرت حقیقت حال کا پورا پورا اندازہ کر سکتا ہے ——— چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

(تمام تراجم بطور خلاصہ)

غربت اسلام تا بحدے رسیدہ است کہ کفار برملا طعن اسلام و ذم مسلمانان مے نمایند و بے تحاشا اجراء احکام کفر و مداحی اہل آن در کوچہ و بازار میکنند و مسلمانان از اجراء احکام اسلام ممنوع اند و در اتیان شرائع مذموم و مطعون، ؎	اسلام کی کس مپرسی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار برملا اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں، اور بے دھڑک کوچہ و بازار میں مراسم کفر ادا کرتے اور اہل کفر کی تعریفیں کرتے ہیں۔ اور اس کے برعکس مسلمانوں کو احکام اسلام کی ادائیگی سے منع کیا جاتا ہے اور اس پر اعتراض ہوتا ہے
پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است	——— پری منہ چھپائے ہوئے ہے اور دیو دندناتا پھرتا ہے عقل حیران ہے کہ یہ کیا بوالعجبی ہے۔
سبحان اللہ و بحمدہ الشرع تحت السیف گفتہ اند و رونق شرع شریف را بسلاطین وابستہ	خدا کی شان! مشہور تو یہ ہے کہ شریعت تلوار کے سایہ میں ہے اور دین کی رونق سلاطین سے وابستہ

اند تعنیه منعکس گشته است و معامله انقلاب پیدا کرده است، و احسرتا و ندامتا، و اویلا۔

ہے لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹا ہوگیا ہے کتنی حسرت وندامت اور کیسے افسوس کا مقام ہے۔

(مکتوب [illegible] دفتر اول [illegible])

ایک دوسرے مکتوب میں اسی "انقلاب" پر اس طرح نوحہ کرتے ہیں:۔

در قرن ماضی کفار بر ملا بطریق استیلا اجرائے احکام کفر در دار اسلام میکردند و مسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند و اگر میکردند بقتل میرسیدند، واویلا وامصیبتا واحسرتا واحزنا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ محبوب رب العالمین است مصدقان او ذلیل وخوار بودند و منکران او بعزت واعتبار مسلمانان با دلہائے ریش در تعزیت اسلام بودند و معاندان بسخریہ واستہزا بر جراحتہائے ایشان نمک پاشیدند آفتاب ہدایت در تتق ضلالت مستور شدہ بود ونور حق در حجب باطل منزوی۔ (مکتوب نمبر ۱۹۳ ج ۱)

پچھلے دنوں کفار برملا سینہ زوری سے احکام کفر دار الاسلام میں ادا کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام کی علانیہ ادائگی سے عاجز تھے اور اگر وہ ایسا کرتے تھے تو قتل کئے جاتے تھے ہائے افسوس! اور ہائے ہماری بربادی! پروردگار عالم کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ذلیل وخوار تھے اور ان کے منکروں کی عزت کی جاتی تھی مسلمان اپنے زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی تعزیت میں معروف تھے اور دشمن مذاق اور تمسخر سے اُن کے زخمی دلوں پر نمک چھڑکتے تھے، ہدایت کا آفتاب پردوں میں مستور تھا اور نور حق باطل کے حجابوں میں چھپا ہوا۔

ایک اور موقع پر ارقام فرماتے ہیں:۔

کفار ہند بے تحاشی ہدم مساجد مے نمایند ودر آنجا تعمیر معبد ہائے خود میسازند... ونیز کفار برملا مراسم کفر بجا مے آرند ومسلمانان در اجرائے اکثر احکام اسلام عاجز اند ونیز

ہندوستان کے کفار بلا دھڑک مسجدوں کو گرا کر ان کی جگہ اپنے مندر بناتے ہیں......اور برملا وہ مراسم کفر ادا کرتے ہیں اور غریب مسلمان اکثر احکام اسلامی کے ادا کرنے سے عاجز ہیں ہندوؤں

کافر ہنود کہ ترک اکل و شرب مے نمایند اہتمام	کے برت کے دنوں میں یہ اہتمام ہوتا ہے کہ دن
دارند کہ دراں روز در بلاد اسلام ہیچ مسلمانے	میں کوئی مسلمان روٹی نہ پکائے اور نہ فروخت
در روز نان نہ پزد و نفروشد و در ماہ مبارک	کرے، اور اس کے برعکس ماہ رمضان مبارک میں
رمضان برملا نان و طعام مے پزند و مے فروشند	وہ برملا روٹی کھانا بیچتے ہیں اور اسلام کی کس مپرسی
بیکسی از زبونی اسلام منع آں نمی تواند نمود	کی وجہ سے کوئی ان کو نہیں روک سکتا۔ افسوس
افسوس صد ہزار افسوس (مکتوب ۹۲ دفتر دوم ص۱۳)	صد ہزار افسوس

حکومت کی بے راہ روی اور ہندو نوازی کی وجہ سے اسلام اور فرزندان اسلام پر اُس وقت جو کچھ گذر رہی تھی، اور ہندوستان کی زمین باوجود اس کی وسعت کے ان کے حق میں جس قدر تنگ کر دی گئی تھی اس کا اندازہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے انہی اجمالی بیانات سے ہو سکتا ہے ـــــ یہ تو بیرونی بلا تھی جو بدقسمتی سے حکومت اور آہ کہ "اپنی حکومت" کے ہاتھوں سے مسلط ہو رہی تھی ـــــ اس کے علاوہ اندرونی رخنوں نے کیا حال کر رکھا تھا؟ اس کو بھی خود حضرت مجدد ہی کی زبان حق ترجمان سے سُنیئے۔

الف ثانی اور کفر و بدعت کی ظلمت

بعد از ہزار سال ظلمات کفر و بدعت مستولی	ہزار سال کے بعد کفر و بدعت کی تاریکیاں مسلط
گشتہ است و نور اسلام و سنت نقصان پیدا	ہو گئی ہیں اور اسلام و سنت کا نور گھٹ رہا ہے۔
کردہ۔ (مکتوب نمبر ۹۶ دفتر سوم ص۱۴۴)	

ایک دوسرے مکتوب گرامی میں ارقام فرمائے ہیں:۔

دریں وقت عالم بواسطہ کثرت ظہور بدعت	اس وقت بدعات کے عام شیوع کی وجہ سے سارا
در رنگ دریائے ظلمات بہ نظر مے در آید"	عالم تاریکیوں کے دریا کی طرح نظر آتا ہے۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں اور کس قدر دلسوزی سے فرماتے ہیں:۔

عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است و بظلمات	ساری دنیا دریائے بدعت میں ڈوبی ہوئی ہے

بدعت آرام گرفته کرا مجال است، که دم از رفع بدعت زند و باحیار سنت لب کشاید، اکثر علماء این وقت رواج دہندہائے بدعت اند و محوکنندہائے سنت ۔

(مکتوب نمبر ۵۴ دفتر دوم ص۱۰۳)

اور بدعات کی تاریکیوں نے سارے عالم کو آغوش میں لے لیا ہے کس کی مجال ہے کہ بدعت کی مخالفت اور سنت کی حمایت میں زبان کھولے اس وقت کے اکثر مولوی بدعتوں کے رواج دینے والے اور سنتوں کے مٹانے والے ہیں۔

یہ تھے وہ حالات جن کے درمیان حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو کھڑا کیا گیا اور جن کی اصلاح و تبدیل کا عظیم الشان کام آپ کے سپرد کیا گیا، اس کی طرف خود حضرت مجدد قدس سرہ نے بھی اپنے مکاتیب میں متعدد جگہ اشارے فرمائے ہیں۔ ایک موقع ملاحظہ فرمایئے۔

اپنے صاحبزادہ، اسرار و معارف مجددیہ کے وارث حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ لکھنے کے بعد کہ ـــــ "میں مقام محبوبیت اور مقام خلت کو باہم دگر جوڑ دینے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں" ـــــ ارقام فرماتے ہیں:۔

اے فرزند باوجود این معاملہ کہ بخلقت من مربوط بودہ است، کارخانۂ عظیم دیگر بمن حوالہ فرمودہ اند و برائے پیری مریدی مرا نیاوردہ اند و مقصود از خلقت من تکمیل و ارشاد خلق نیست معاملہ دیگر است و کارخانۂ دیگر در یں ضمن ہر کہ مناسبت دارد فیض خواہد گرفت والا لا۔ معاملہ تکمیل و ارشاد بہ نسبت آں کارخانہ امر یست ہمچوں مطروح فی الطریق ؟

(مکتوب ۴۲ دفتر دوم ص۷۱)

فرزند من! باوجود اس معاملہ کے جو میری آفرینش سے وابستہ ہے ایک اور بہت بڑا کام میرے سپرد کیا گیا ہے مجھے پیری مریدی کے لئے اس دنیا میں نہیں لایا گیا، اور نہ میرے وجود سے ارشاد و تربیت مقصود ہے معاملہ کچھ اور ہی ہے اور قدرت کو مجھ سے کچھ اور ہی کام لینا ہے، ہاں اس ضمن میں جس کو مناسبت ہوگی وہ فیض بھی حاصل کرے جو کام قدرت کو مجھ سے لینا ہے اس کے مقابلہ میں یہ اصلاح و ارشاد کا کام بالکل ہیچ ہے۔

یہ "کارخانۂ عظیم" اور "معاملہ دیگر" کہ جس کے سامنے تکمیل و ارشاد کی بھی کوئی حقیقت

نہیں، بجز "احیاءِ ملت" اور "اقامت دین" کے اور کیا ہو سکتا ہے، فی الحقیقت آپ کا اصل کام یہی تھا کہ اسلامی دنیا کی کایا پلٹ دیں، اور حق جو باطل کے پردوں میں مستور ہو گیا تھا اس کو اصلی صورت اور اس کی اصلی شان میں دنیا کے سامنے رکھ دیں کلمۂ الٰہی پھر غالب ہو، اور کفر و بدعت کے غلیظ بادل اسلام کے افق سے یکسر چھانٹ دئے جائیں۔

اللہ تعالےٰ کی ہزاراں ہزار رحمتیں نازل ہوں آپ کی روح پاک پر کہ آپ نے مجددانہ عزیمت اور مجاہدانہ جدوجہد کے ساتھ اس کام کو انجام تک پہنچایا اور دیکھنے والوں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جس کی اس وقت کوئی امید نہ کی جا سکتی تھی۔

اس مضمون میں آج ہم کو صرف یہ بتلانا ہے کہ اس مجدد دین و ملت نے کس طرح اُن حد سے زیادہ بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالا، اور بلا کسی مادی طاقت اور حکومتی اقتدار کے کن تدابیر سے پورے ملک کی فضا کو بدل کے رکھ دیا اور حتّٰی کہ خود حکومت میں بھی آپ سے آپ وہ انقلاب ہو گیا جو بظاہر صرف انقلابی ذرائع سے ہی ہو سکتا تھا بلکہ بسا اوقات زبردست "انقلابی تحریکوں" سے بھی ایسا انقلاب رونما نہیں ہوتا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے سب سے پہلے ان فتنوں کے سرچشموں کو دریافت کیا تو دیکھا کہ اصولی طور پر صرف تین راستے ہیں جن سے گمراہیوں اور تباہیوں کے یہ سیلاب آ رہے ہیں۔

ایکؔ ارباب حکومت، جن کو حالات و اتفاقات کی ایک خاص رفتار اور "سیاسی مفاد" کے ایک غلط تصور اور غلط توقعات نے "اسلامیت" سے بیگانہ اور لامذہبیت بلکہ ہندوئیت سے آشنا بنا دیا ہے۔

دوسرؔے وہ علماء سوء جن کا مطمح نظر صرف اچھی طرح دنیا کمانا، ارباب اقتدار اور امراء وقت کی خوشنودی اور رضا جوئی میں ساعی رہنا اور ان کی خاطر ہر منکر کو معروف بنا دینا اور اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کے لئے اسلام میں گنجائش پیدا کرنا ہوتا ہے۔

تیسرے وہ گمراہ اور بر خود غلط صوفی جو شریعت کو "ظاہر پرستوں" کا کھلونا سمجھتے ہیں اور "طریقت و حقیقت" کے مقدس ناموں سے انہوں نے اپنی ایک الگ دنیا بنا رکھی ہے جس میں آدمی خدا بھی بن سکتا ہے اور خدا کا بیٹا بھی اور جس میں "عارف" "کامل" بننے کے باوجود ہر گناہ اور لذت نفس کے ہر طریقے کے لئے پوری گنجائش ہے ــــ یہ تھے فتنوں کے تین چشمے جن میں سے ہر ایک کا دوسرے سے اتصال تھا۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ نے بس انھی کو قابو میں لانے اور انکا رُخ صحیح کرنے کے لئے اپنی پوری حکمت اور قوت صرف فرمادی۔

افسوس ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی اس جدو جہد کی کوئی مکمل بلکہ غیر مکمل تاریخ بھی موجود نہیں جس سے اس سلسلہ کے واقعات کی پوری ترتیب معلوم ہو سکے خود حضرت ہی کے مکتوبات سے بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپ نے بہت سے ارکان سلطنت اور عمائد حکومت سے خاص ربط پیدا کیا، بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں ان کو اپنا گرویدہ بلکہ غلام بنالیا، لیکن یہ کیونکر ہوا؟ اور ایک فقیر بے نوا نے کس طرح اس میں کامیابی حاصل کی اس کی تفصیلات افسوس ہے کہ بالکل نہیں ملتیں۔

بہر کیف جو صورت بھی اختیار کی گئی، بہرحال حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے لئے حق تعالےٰ نے یہ راستہ پیدا کر دیا اور آپ کی عظمت و جلالت، اور مودت و محبت کچھ ایسے قلوب میں ڈالدی جن کے ہاتھوں میں سلطنت کا کاروبار تھا اور جن کو حکومت میں کافی رسوخ حاصل تھا ــــ آپ نے ایک طرف تو خود ان کی تعلیم و تربیت فرمائی اور ان کے خیالات کو درست کرکے اسلامی زندگی کا اصلی نصب العین ان کے سامنے رکھا اور دوسری طرف ان کے ذریعہ حکومت کی مشنری کے رخ کو صحیح کیا۔ یہ ارکان سلطنت جن کے ذریعہ سے حضرت علیہ الرحمۃ اپنا یہ انقلابی پروگرام چلا رہے تھے ان میں سے بعض دارالسلطنت آگرہ ہی میں اور بعض دیگر مختلف صوبوں میں تھے اور حضرت ہر ایک کو برابر ہدایات دیتے رہتے تھے حیرت ہوتی ہے کہ اس وقت

جبکہ رسل و رسائل کے ذرائع بہت ہی محدود تھے۔ جبکہ تار برقی کا یہ جال اور ریلوں کا موجودالوقت
نظام پھیلا ہوا نہ تھا اس وقت یہ فقیر کس طرح سرہند کے ایک گوشہ میں بیٹھکر یہ سب کچھ
کر رہا تھا۔

آپ کی اس ٹھوس اور خاموش انقلابی کوشش کا کچھ دھندلا سا نقشہ جن مکاتیب
سے معلوم ہوتا ہے ان میں سے چند کے اقتباسات ذیل میں ملاحظہ ہوں،

اسلام کی غربت اور کس مپرسی اور حکومت وقت کی اُس کے ساتھ بے مہری کا ذکر
کرنے کے بعد حکومت وقت کے خاص رکن خان اعظم خاں کو لکھتے ہیں:۔

"امروز وجود شریف شمارا غنیمت مے شمریم و
مبارز دریں معرکہ ضعیف و شکست خوردہ جز
شمارا نمے دانیم حق سبحانہ وتعالےٰ مؤید و
ناصر شما باد بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد علیہ وعلیہم
الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات
«لن یومن احدکم حتی یقال انہ
لمجنون» در ینوقت آن جنون کہ مناسب
آں فرط غیرت اسلام است در نہاد شما
محسوس است الحمد للہ سبحانہ علی ذالک
امروز آں روز است کہ عمل قلیل را اجرے
جزیل باعتنائے تمام قبول مے فرمایند
ایں جہاد قولی کہ امروز شمارا میسر شدہ است
جہاد اکبر است غنیمت دانید و ہل من مزید"
بگوئید و ایں جہاد گفتن را بہ از جہاد کشتن

اس نازک وقت میں جبکہ ہمارا پلہ کمزور ہے اور ہم
بازی ہار چکے ہیں آپ کے وجود کو ہم غنیمت سمجھتے
ہیں، اور سوائے تمہارے کوئی "مرد میدان" اس
میدان میں ہم کو نظر نہیں آتا، حق تعالےٰ بطفیل اپنے
نبی اور ان کے اہل بیت کے (علیہ وعلیہم الصلوٰۃ
والسلام) آپ کا ناصر و مددگار ہو، حدیث پاک میں
وارد ہوا ہے کہ "تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں
ہو سکتا جبتک اس کو دیوانہ نہ کہا جائے" اس وقت
وہ دیوانگی "جس کی بنیاد اسلامی غیرت اور حمیت
پر ہوتی ہے آپ ہی کی فطرت میں نظر آتی ہے والحمد
للہ علی ذالک آج وہ وقت ہے کہ تھوڑے عمل کو
بڑے ثواب کے بدلے میں بڑی مہربانی سے قبول
فرماتے ہیں..... یہ جہاد قولی جو آج تم کو میسر ہے
جہاد اکبر ہے اس کو غنیمت جانو اور مزید کے طالب

دانید مثال ما مردم فقرا بے دست و پا از یں دولت محروم ست
دادیم ترا از گنج مقصود نشاں
گر ما نرسیدیم تو شاید برسی!
(مکتوب نمبر ۶۵ ص ۶۸ دفتر اول)

رہو، یہ جہاد باللسان جہاد بالسیف سے افضل ہے ہم جیسے بے دست و پا فقراء کی اس دولت شاہی تک رسائی نہیں، اس نعمت سے محروم ہیں۔ ہم نے تم کو خزانے کا پتہ دے دیا ہے اگر ہمارا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکا ہے تو شاید تم ہی اس کو پالو۔

نیز اسلام کی کمزوری، مسلمانوں کی ذلت و خواری اور بے اعتباری، اور کفار کی چیرہ دستیوں کا حال لکھنے کے بعد لالہ بیگ[1] کو خدمت دین اور اعلاء حق کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

از ابتداء بادشاہت اگر مسلمانی رواج یافت و مسلمانان اعتبار پیدا کردند فبہا و اگر عیاذاً باللہ سبحانہ در توقف افتد کار بر مسلمانان بسیار مشکل خواہد شد۔ الغیاث۔ الغیاث۔ ثم الغیاث الغیاث۔ تا کدام صاحب دولت بایں سعادت مستسعد گردد و کدام شاہباز بایں دولت دست برد نماید ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم، ثبتنا الله واياكم على متابعة سيد المرسلين عليه وعلى آله من الصلوات افضلها ومن التسليمات اكملها۔ والسلام
(مکتوب نمبر ۸۱ ص ۱۱۶/۱۲)

اگر اس وقت کہ حکومت کا آغاز ہے، اسلامیت نے رواج پالیا اور مسلمانوں نے اپنا وقار قائم کر لیا تو فبہا ورنہ اگر معاذ اللہ کچھ توقف ہو گیا تو مسلمانوں پر معاملہ بہت مشکل ہو جائے گا، الغیاث! الغیاث! ثم الغیاث!! الغیاث!! دیکھئے یہ سعادت کس خوش نصیب کے ہاتھ آتی ہے اور کون شاہباز اس نعمت کو اچکتا ہے یہ تو اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے بخشے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر ثابت قدم رکھے۔

---

[1] یہ لالہ بیگ جہانگیر کے بہت معتمد تھے اور اس نے صوبہ بہار کا تمام نظم و نسق انہی کے سپرد کر دیا تھا گویا یہ بہار کے گورنر تھے (تزک جہانگیری) ۱۲

صدرؔ[له] جہاں کو کچھ دعائیں دینے اور عہد اکبری کی دینی بربادی کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

اکنون کہ انقلاب دول بظہور پیوستہ و
وسورت عناد اہل ملل بر ہم شکستہ بر ائمہ اسلام
از صدر اسلام و علماء کرام لازم است کہ تمام
ہمت خود را مصروف رواج شریعت غرا
ساختہ در ہدایت امر ارکان اسلام منہدمہ
را بر پا سازند کہ در توقف خیریت ظاہر نمے
شود دلہائے غریباں ازیں تاخیر در اضطراب
شدہ است ...... ہر گاہ بادشاہاں را
گرمی ترویج سنت سنیہ مصطفویہ علی صاحبہا
الصلوات والتحیہ نباشد و مقربان ایشان نیز
دریں باب خود را معاف دارند و حیات چند
روزہ را عزیز شمرند کار بر فقرائے اہل اسلام
بسیار تنگ و تیرہ خواہد بود، انا للہ وانا الیہ راجعون

آنچہ از من گم شدہ گر از سلیمان گم شدے
ہم سلیمان ہم پری ہم اہرمن بگریستے!

(مکتوب نمبر ۱۹۵ دفتر اول)

اب جبکہ سلطنت میں انقلاب رونما ہوگیا ہے اور اہل
مذاہب کے عناد کی تیزی ختم ہوگئی ہے عظماء اسلام،
وزراء اور علماء کرام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی
پوری توجہ احکام شرعیہ کی ترویج پر لگادیں اور
اولین فرصت میں اسلام کے اُن ارکان کو قائم کریں
جو عہد ماضی میں منہدم کر دیئے گئے تھے، ہم
غریبوں کو اس بارہ میں تاخیر و توقف سے سخت
بےچینی ہے جبکہ بادشاہان اسلام ہی میں سنن
نبویہ کی ترویج کا جذبہ نہ ہو، اور ان کے مقربین بھی
اس بارہ میں کچھ نہ کریں تو فقراء اہل اسلام کے لئے کام
بڑا تنگ و تاریک ہو جائے گا، انا للہ وانا الیہ راجعون
کیا بتائیں! کہ اس دینی بربادی کی وجہ
سے ہمارا کیا حال ہے آہ جو دولت ہم سے چھینی
ہے اگر وہ جناب سلیمانؑ کے ہاتھ سے گئی ہوتی
تو وہ خود، اور ان کے ساتھ دیو پری سب خون
کے آنسو روتے۔

له جہانگیر صدر جہاں کو بہت مانتا تھا، بچپن میں اس کے نگران تعلیم بھی رہے تھے، عہد اکبری میں ان کا منصب بہت معمولی تھا، اور قاعدہ کے لحاظ سے اس میں معمولی ہی ترقی دی جا سکتی تھی لیکن جہانگیر نے ضابطہ قاعدہ کی رعایت نہ کرتے ہوئے ان کو ایک دم چار ہزاری منصب پر سرفراز کر دیا تھا۔ (تزک جہانگیری) ۱۲

خان جہاں جو سلطان وقت کے مقربین خاص میں سے تھے اور جہانگیر جن کی بات کو سنتا اور مانتا تھا، ان کی اصلاح کی طرف حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو خاص توجہ تھی مکتوبات کے تینوں دفتروں میں آپ کے نام بہت سے مکاتیب ہیں دفتر دوم میں ایک طویل مکتوب گرامی ہے جس میں آپ نے دین کے تمام مہمات، تمام ضروری عقائد و ارکان اسلام کو بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے جمع فرما دیا ہے۔ اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک شخص کو دین اسلام اور طریقہ اہل سنت و جماعت سے واقف کرانے کے لئے یہی مکتوب گرامی کافی ہے

اس میں دین کے متعلق تمام ضروری باتیں لکھنے کے بعد "حرف مطلب" کو اس طرح ادا فرماتے ہیں۔

دولتے کہ حق سبحانہ وتعالے شمارا بآں ممتاز ساختہ است ومردم ازاں دولت غافل اند بلکہ نزدیک است کہ شما ہم آنرا درنیابید آن است کہ بادشاہ وقت .... ہرگاہ سخن شمارا بحسن استماع میفرماید و بقبول تلقی مے نماید چہ دولت است کہ بصریح یا باشارہ کلمہ حق یعنی کلمہ اسلام کہ موافق معتقدات اہل سنت و جماعت است شکر اللہ سعیہم گوش زد ایشاں نمایند وہر قدر کہ گنجایش دانند سخن اہل حق را عرضہ دارند بلکہ ہموارہ مترصد و منتظر باشند کہ تقریبے پیدا شود و سخن مذہب وملت درمیان آید تا اظہار حقیقت اسلام نمودہ آید و بیان کفر و کافری کردہ شود۔

حق سبحانہ وتعالی نے آپ کو جس دولت عظمیٰ سے ممتاز کر رکھا ہے کہ عام آدمی اس سے ناواقف ہیں بلکہ بہت ممکن ہے کہ خود تم کو بھی اس کا احساس نہ ہو یہ ہے کہ جبکہ بادشاہ وقت آپ کی بات سنتا اور مانتا ہے تو کتنا اچھا موقع اور کیسی نعمت ہے کہ صراحتاً یا اشارتاً جب جیسا موقع سمجھا جائے کلمہ حق یعنی حضرات اہلسنت وجماعت کے معتقدات کے موافق اسلامی تعلیمات ان کے کان میں ڈالی جائیں اور اہل حق کی باتیں وہاں تک پہنچائی جائیں بلکہ ہر وقت اس کے متلاشی اور منتظر رہیں کہ کوئی موقع مذہبی اور دینی گفتگو کا آئے تاکہ اسلام کی حقانیت اور کفر اور اہل کفر کی خرابیاں بیان کی جا سکیں۔

پھر ہندی بت پرستوں اور شیعوں کے عقائد باطلہ پر ایک مختصر تبصرہ فرمانے کے بعد (کہ حکومت کو اُس وقت یہی دو گھُن لگے ہوئے تھے) آخر مکتوب میں پھر اپنے مطلب پر آجاتے ہیں اور فرماتے ہیں:۔

"بر اصل سخن رویم و گوئیم کہ معلوم ایشاں است کہ سلطان کالروح است و سائر انسان کالجسد اگر روح صالح است بدن صالح و اگر روح فاسد است بدن فاسد پس در صلاح سلطان کوشیدن در صلاح جمیع بنی آدم کوشیدن است و اصلاح در اظہار اسلام است بہر روش کہ گنجائش وقت باشد و ازگذشت کلمۂ اسلام از معتقدات اہل سنت و جماعت نیز گاہ گاہ بگوش زد باید ساخت و رد مذہب مخالفت باید نمود و اگر ایں دولت میسر گردد وراثت عظمیٰ از انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات بدست آید شما را ایں دولت مفت بدست آمدہ است قدر آں بدانند۔"

(مکتوب نمبر ٦٧ دفتر دوم ص ١٣٥)

اب میں اصلی بات پر آتا ہوں اور کہتا ہوں کہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ مثل روح کے ہے اور باقی انسان بمنزلہ جسم کے اگر روح ٹھیک ہوتی ہے تو جسم بھی صحیح سالم رہتا ہے اور جب روح میں کوئی خرابی آجاتی ہے تو جسم بھی خراب ہو جاتا ہے، پس بادشاہ کی اصلاح کی کوشش کرنا در اصل تمام انسانوں کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے اور یہ اصلاح اس طرح ہو سکتی ہے کہ جب موقع ملے اور جب کوئی گنجائش نظر آئے صحیح اسلامی تعلیمات ان کے کان میں ڈالی جائیں اور مخالفین کے مذاہب باطلہ کا رد کیا جائے اگر یہ دولت آپ نے حاصل کی تو سمجھئے کہ آپ کو انبیاء علیہم السلام کی وراثت مل گئی، بڑی سعادت ہے کہ آپ کو یہ دولت مفت مل رہی ہے اس کی قدر جاننی چاہئے۔

انہی خان جہاں کو ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:۔

ہمیں خدمت کہ در پیش دارند اگر آنرا باتیان شریعت مصطفےٰ علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام

یہی خدمت اور یہی منصب جس پر آپ ہیں اگر اس سے شریعت مصطفوی کی تائید و ترویج کا

والتحیۃ جمع سازند کار انبیاء کردہ باشند علیہم الصلوات والتسلیمات و دین متین را منور ساختہ و معمور گردانیدہ ما فقیراں اگر سالہا جاں بکنیم دریں عمل بگرد شما شاہبازاں نرسیم ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں در نمے آید سواراں را چہ شد

اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ"

(مکتوب ۵۴ دفتر سوم ص۱۲)

پورا کام لیں اور اس کے لئے اپنی امکانی قوت اور پورے اختیارات صرف کریں گو یا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام کریں گے اور دین متین کو منور اور آباد کر دیں گے، ہم فقیر لوگ اگر اپنی جان بھی ختم کر دیں گے جب بھی اس کام میں آپ جیسے شاہبازوں کی گرد نہیں پا سکتے،

بس، توفیق و سعادت کی گیند سامنے ڈالدی گئی ہے لیکن کوئی خوش بخت میدان میں نہیں اترتا نہ معلوم سواروں کو کیا ہو گیا۔ "اے اللہ اپنی مرضیات کی توفیق دے۔

بارگاہ سلطانی کے ممتاز مقربین میں ایک شیخ فرید[۱] بھی تھے، ان کے نام بھی حضرت کے بہت سے مکاتیب ہیں، ایک مکتوب میں دعائیں دینے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:-

بادشاہ نسبت بعالم در رنگ دل است نسبت بہ بدن کہ اگر دل صالح است بدن صالح است و اگر فاسد است فاسد، بصلاح بادشاہ صلاح عالم است و بفساد فساد عالم.....

مژدۂ زوال مانع دولت اسلام و بشارت جلوس بادشاہ اسلام گوش خاص و

بادشاہ کو دنیا سے وہی نسبت ہے جو دل کو تمام بدن سے کہ اگر دل صحیح ہے تو بدن بھی صحیح، اور اگر دل میں خرابی آئی تو بدن بھی خراب ہوگا، بہر حال بادشاہ کی صلاح و فساد سے دنیا کا صلاح و فساد وابستہ ہے..... آج کہ دولت اسلام کی ترقی اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی خوشخبری عام و خاص کو پہنچی اہل اسلام نے بادشاہ کی امداد و اعانت

۱؎ تزک جہانگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے دل میں ان کی بہت عزت اور عظمت تھی پنج ہزاری منصب پر فائز تھے۔ ۱۲

عام رسید اہل اسلام بر خود لازم دانستند کہ ممد و معاون پادشاہ باشند و بر ترویج شریعت و تقویت ملت دلالت نمایند این امداد و تقویت خواہ بزبان میسر شود و خواہ بدست سابق ترین دولت مددہا تبیین مسائل شرعیہ است و اظہار عقائد کلامیہ برطبق کتاب و سنت و اجماع امت تا مبتدعے و ضالے درمیان آمدہ از راہ نبرد و کار بفساد نہ انجامد ...... متوقع از جناب شریف ایشان آنست کہ چون استطاعت و قرب بادشاہ بروجہ اتم ایشان را حق سبحانہ و تعالیٰ میسر ساختہ است در خلا و ملا در ترویج شریعت محمدی علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کوشند و مسلمانان را از غربت برآرند۔

اور ترویج شریعت اور تقویت ملت کے بارہ میں اس کی رہنمائی اور اس راہ میں ہر قسم کا تعاون لازم و ضروری جانا۔ اور امداد دین امداد یہی ہے کہ مسائل شرعیہ اور کتاب و سنت و اجماع امت کے مطابق عقائد اسلامیہ سے ان کو باخبر کیا جائے تاکہ کوئی مبتدع اور کوئی گمراہ غلط راہ پر لیجا کر کام خراب نہ کردے..... جناب والا سے توقع ہے کہ جب خدا نے آپ کو بادشاہ کا قرب اور پھر کلمۂ حق کہنے کی استطاعت اور قدرت دی ہے تو خلوت اور جلوت میں شریعت کی ترویج کے لئے ضرور کوشش فرمائیں گے اور مسلمانوں کو اس کس مپرسی کے عالم سے ضرور نکالیں گے۔

(مکتوب ۴۷ دفتر اول ص ۶۲)

پھر اس سے اگلے مکتوب میں کہ وہ بھی انہی شیخ فرید کے نام ہے ارقام فرماتے ہیں:

مقصود از بعثت ایں اکابر تبلیغ شرائع است پس بزرگ ترین خیرات سعی در ترویج شریعت است و احیائے حکمے از احکام آن علی الخصوص در زمانے کہ شعائر اسلام منہدم شدہ باشند کرورہا در راہ خدا عز وجل وعلا خرج کردن برابر آن نیست کہ مسئلہ از مسائل شرعیہ را

ان اکابر (انبیاء و رسل) کی بعثت سے غرض شریعت کی تبلیغ ہوتی ہے پس سب سے بڑی نیکی یہی ہے کہ شریعت کی ترویج اور احکام الٰہیہ کے اجراء کے لئے کوشش کی جائے بالخصوص اس زمانہ میں کہ اسلامی شعائر منہدم ہوگئے ہیں اللہ کی راہ میں کروڑہا روپیہ خرچ کرنا اس کی برابر نہیں ہے کہ احکام شرعیہ میں

رواج دادن چہ دریں فعل اقتدا بانبیا است کہ بزرگترین مخلوقات اند علیہم الصلوات والتسلیمات وشارکت است بآں اکابر۔

سے ایک حکم کو رواج دے دیا جائے کیونکہ اس کام میں حضرات انبیا علیہم الصلوٰت والسلام کی اقتدا اور ایک گونہ ان کے ساتھ شارکت ہے۔

(مکتوب نمبر ۴۷ دفتر اول ص۶۲)

پھر اس سے بعد والے مکتوب میں کہ وہ بھی انہی شیخ فرید کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں۔

از حق سبحانہ وتعالےٰ خواستہ مے آید کہ توسل وجود شریف آں سلالہ عظام ارکان شریعت غرا واحکام ملت زہرا قوت گیرند ورواج پذیرند

حق سبحانہ وتعالےٰ سے دعا ہے کہ بندگان اہل بیت نبوی کی اولادؒ ہی کے ذریعہ سے شریعت کے ارکان اور ملت کے احکام رواج پذیر ہوں۔

ع کار این است غیر این ہمہ ہیچ

"بس یہی اصل کام ہے اس کے سواسب ہیچ ہے"

امروز غربا را اہل اسلام را دریں طورہ گرداب ضلالت امید نجات ہم از سفینہ اہل بیت خیر البشر است علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات والتسلیمات اکملہا قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ مثل اھل بیتی کسفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا ھلک"

گمراہی کے اس طوفان میں غربا، اہل اسلام کو نجات کی امید آج بھی اہل بیت نبوی ہی کی کشتی سے ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، میرے اہل بیت کی شال کشتی نوح کی سی ہے جو اس پر سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جو الگ رہا وہ ہلاک ہوا۔

ہمت علیا را بتمام بر آں گمارند کہ ایں سعادت عظمیٰ رابدست آرند بعنایت اللہ سبحانہ او قسم جاہ وجلال وعظمت وشوکت ہمہ میسر است باوجود شرف ذاتی اگر ایں علاوہ بآں منضم شود

میں اپنی بلند ہمت کو بتمال وکمال اسی پر لگا دیں کہ (احیاء ملت اور ترویج شریعت) کی یہ سعادت حاصل ہو خدا کے فضل سے عظمت وجاہ اور شوکت وجلال سب ہی میسر ہے باوجود اس شرف کے اگر یہ دولت بھی میسر آگئی تو پھر سعادت کے میدان

ــــــــــــــــــــ

لہ شیخ فرید سادات میں سے ہیں ۱۲

گوئے سبقت بچوگان سعادت از ہمہ پیش بردہ باشند. این حقیر بارادہ اظہار امثال این سخنان در تائید و ترویج شریعت حقہ متوجہ خدمت ایشان است۔

میں سب ہی سے بازی لے گئے۔ یہ حقیر تائید ملت اور ترویج شریعت کے متعلق اسی قسم کی باتیں پیش خدمت کرنے کے لئے حاضری کا قصد کر رہا ہے۔

نیز انہی شیخ فرید کو ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

سیادت پناہا! مکرما! امروز اسلام بسیار غریب است اجیتل کہ مزدور در تقویت آن صرف مے کند بکرورہا میخرند، تا کدام شاہباز این دولت عظمیٰ مشرف سازند، ترویج دین و تقویت ملت درینہاں وقت از ہر کس کہ بوقوع آید زیبا است دریغا اما دریں وقت کہ غربت اسلام است از امثال شما جوانمردان اہل اہل بیت زیباتر و رعناتر است کہ ایں دولت خانہ زاد خاندان بزرگ شما است از شما ذاتی است و از دیگران عرضی، حقیقت وراثت نبوی علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا در تحصیل ایں امر عظیم القدر است سه

گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیدان درنمی آید سواران را چہ شد

میرے سیادت پناہ! مکرم آج اسلام بڑی کسمپرسی کی حالت میں ہے اس وقت اگر ایک مزدور اسکی امداد و تقویت کے لئے دمڑی کی کوڑی بھی خرچ کرے تو مولا تعالیٰ اس کو کروڑوں میں خریدتے ہیں دیکھیں کس بہادر کو اس دولت (احیاء ملت و ترویج شریعت) سے مشرف فرماتے ہیں اور کس سے یہ مہم سر کراتے ہیں ـــ یوں تو دین کی تقویت جس وقت بھی جس سے وقوع میں آئے اچھا ہی ہے، لیکن اسلام کی اس کس مپرسی کے زمانہ میں آپ جیسے جوانمردان اہلبیت سے زیباتر اور خوب تر ہے کیونکہ یہ دولت اسلام آپ ہی کے محترم خاندان کی خانہ زاد ہے اس کا تعلق آپ حضرات سے بالذات ہے اور دوسروں سے بالعرض اور بالواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اور حقیقی وراثت اسی کام کے کرنے میں ہے سه

پڑا میدان میں ہے گیند توفیق وسعادت کا
ہوا کیا ہے سواروں کو کوئی آگے نہیں بڑھتا

بقایائے رسوم کفر کہ در قرن سابق پیدا شدہ بود

دریں وقت کہ بادشاہ اسلام را آں توجہ باہل کفر نماندہ است بر دلہائے مسلمانان بسیار گراں است بر مسلمانان لازم است کہ بادشاہ اسلام را از زشتی رسوم آن بدکیشان اطلاع بخشند و در رفع آں کوشند شاید بقایائے اینہا مبتنی باشد بر عدم علم بادشاہ بزشتی آنہا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہر حال از حقیقت مسائل شرعیہ اطلاع دادن ضروری است تا ایں واقع نشود عہدہ بر ذمہ علماء و مقربان حضرت بادشاہ است، چہ سعادت کہ دریں گفت گوے ہا آزار رسند انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتحیات در تبلیغ احکام شرعیہ چہ آزارہا نہ کشیدہ اند و چہ محنتہا ندیدہ بہترین ایشان علیہم من الصلوٰۃ افضلہا و من التحیات اکملہا فرمودہ

"ما اوذی نبی مثل ما اوذیت" ؎

عمر بگذشت و حدیث درد ما آخر نشد
شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

(مکتوب ۱۹۳)

کفر کی جو باتیں پچھلے دور میں پیدا ہو گئی تھیں اب اس وقت جبکہ بادشاہ اسلام کو اہل کفر کے ساتھ توجہ نہیں رہی ہے، انکا کچھ بھی باقی رہنا مسلمانوں کے دلوں پر سخت گراں ہے، مسلمانوں پر ضروری ہے کہ بادشاہ کو ان بدکیشوں کی رسومات کی قباحت پر مطلع کریں اور ان کے مٹانے کی پوری کوشش کریں، جو کچھ ان میں سے باقی رہ گئی ہیں ان کا بقا شاید اسی وجہ سے ہو کہ بادشاہ کو انکی خرابی کا علم نہ ہو۔ بہر حال شرعی مسائل سے بادشاہ کو مطلع کرتے رہنا نہایت ضروری ہے جب تک یہ نہ ہوگا بادشاہ کے مقربین اور علماء اسلام پر اسکا بار رہے گا اگر اس سلسلہ میں کسی جماعت پر عتاب ہو جائے اور کوئی تکلیف پہنچے تو بڑی سعادت ہے انبیاء علیہم السلام نے احکام شرعیہ کی تبلیغ میں کیا کیا تکلیفیں نہیں اٹھائیں اور کیا کیا سختیاں برداشت نہیں کیں سارے نبیوں کے سردار آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"کسی پیغمبر کو اتنی تکلیفیں نہیں دی گئیں جس قدر کہ مجھے دی گئیں" ؎

عمر گذری پر نہ قصہ درد کا پورا ہوا
رات آخر ہو گئی اب چھوڑتا ہوں ماجرا

اس قسم کے مکاتیب جو حضرت نے مقربان سلطانی کو وقتاً فوقتاً لکھے ہیں، دفاتر مکتوبات میں پچاسوں موجود ہیں، پھر ان میں صرف یہی نہیں ہے کہ بادشاہ تک کلمۂ حق پہنچانے اور اس کو راہ راست پر لانے کی طرف ہی ان کو توجہ اور ترغیب دلائی ہو، بلکہ اکثر مکاتیب میں تو ان مسائل کو بھی خود ہی وضاحت اور تفصیل سے نہایت دلنشین طریقہ پر لکھ دیا ہے۔ کفر و شرک اور رسوم کفار کی تردید و تقبیح، اور اسلام و شعائر اسلام و تعلیمات اسلام کی تائید و توضیح اس طرح کی ہے کہ ایک صاحب فہم اور منصف مزاج کی اصلاح اور درستی خیالات کے لئے بالکل کافی ہے، ان مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرتؒ نے بادشاہ کے ان ہمنشینوں اور مقربوں پر اچھی طرح قبضہ کر لیا تھا اور گویا ان کو اپنا ریکارڈ بنا لیا تھا کہ جو بات اور اصلاح کی جو آواز آپ بادشاہ تک پہنچانا چاہتے تھے بس اُن میں بھر دیتے تھے اور پھر وہ ان کے ذریعہ بادشاہ وقت کے کانوں تک پہنچ جاتی تھی۔

اس تدبیر سے آپ نے اتنی کامیابی حاصل کی کہ چند ہی دنوں میں بادشاہ کے رجحانات میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوگئی اور "غریب" اسلام کی طرف بھی توجہ کی جانے لگی۔ اور نوبت باینجا رسید کہ ایک دن شیخ فرید ہی کو سلطانی حکم ملا کہ

"دربار کے لئے چار دیندار عالم مہیا کئے جائیں، جو مسائل شرعیہ بتلایا کریں تاکہ کوئی کام خلاف شرع واقع نہ ہووے"

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو جب یہ خبر پہنچی تو بیحد مسرت ہوئی لیکن آپ کی مجددانہ فطرت نے اس بلکہ ترخطرہ کو بھی فوراً ہی محسوس کر لیا جو اس سراپا خیر تجویز میں مضمر تھا، آپ کے حافظہ میں واقعات کی پوری روداد موجود تھی اور یہ حقیقت آپ کے سامنے تھی کہ اکبر کو اسلام سے برگشتہ کر کے "اکفر" بعض نفس پرست اور جاہ پسند علما سو ہی نے بنایا تھا۔ اگر خدا نکردہ اُسی ٹائپ کے "مولوی" پھر دربار میں جمع ہو گئے تو کہیں یہ کی کرائی محنت بھی برباد نہ جائے ــــ آپ نے فوراً شیخ فرید کے نام ایک مکتوب گرامی لکھا اس میں شیخ موصوف کو

دعائیں دینے اور اس خبر فرحت اثر پر مسرت و شادمانی کا اظہار کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں،

الحمد للہ سبحانہ علی ذالک مسلمانان را بازیں
چہ بشارت و ماتم زدگان را بازیں چہ نوید،
لیکن چوں حقیر بواسطہ ہمیں غرض متوجہ
خدمت علیا است چنانکہ مکرر اظہار آں
نمودہ بضرورت دریں باب از گفتن و نوشتن
معاف نخواہد داشت، امید است کہ معذور
خواہند فرمود، صاحب الغرض مجنون ——
—— معروض میگرداند کہ علماء دنیادار خود قلیل
قلیل اند کہ از حب جاہ و ریاست گذشتہ باشند و
مطلبے غیر از ترویج شریعت و تائید ملت
نداشتہ باشند بر تقدیر حب جاہ ہر کدام ازیں
علماء طرفے خواہند گرفت و اظہار فضیلت خود
خواہند نمود ... وسخنان اختلافی درمیان
خواہند آورد، و آنرا توسل قربت بادشاہ
خواہند ساخت ناچار مہم دریں امر خواہد
شد در قرن سابق اختلافات علماء عالم را در
بلا انداختہ ہماں محبت درپیش است
ترویج چہ گنجائش دارد کہ باعث تخریب
دین خواہد شد العیاذ باللہ سبحانہ من ذالک

الحمد للہ مسلمانوں کو اس سے بڑھ کر کونسی خوشی ہوگی
اور ماتم زدوں کو اس سے زیادہ کیا خوشخبری، لیکن
چونکہ فقیر اسی غرض کے لئے آپ کی طرف متوجہ
ہے اس لئے اس معاملہ میں ضروری باتیں کہنے اور
لکھنے سے معاف نہیں رکھ سکتا، مجھے معذور سمجھیں
معلوم ہے کہ غرض والا تو دیوانہ ہوتا ہے —— عرض
کرنا یہ ہے کہ ایسے دنیادار علماء جن کو جاہ و مال کی
چاہت بالکل نہ ہو اور جن کے سامنے ترویج شریعت
اور احیاء ملت کے سوا کوئی نصب العین نہ ہو بہت ہی
کم بلکہ کم سے کم ہیں، اور ظاہر ہے کہ علماء میں اگر
منصب اور عزت کی خواہش ہوئی تو ہر ایک اپنی
طرف کھینچنا چاہے گا اور اپنی بڑائی جتانے کی
کوشش کرے گا اور پھر ان میں اختلافات ہوں گے
اور انھی کو یہ تقرب بادشاہی کا ذریعہ بنائیں گے
لامحالہ پھر معاملہ بگڑ جائے گا۔ دور سابق میں علماء
سوء کے اختلافات ہی نے دنیا کو بلا میں ڈالا تھا
اب وہی چیز پھر درپیش ہے دین کی ترویج کجا
کہیں پھر تخریب نہ ہو (العیاذ باللہ) اگر بجائے چار
کے ایک ہی عالم کو اس کے لئے انتخاب کریں تو

در فتنہ العلماء السوء ہاگر یک را برائے این غرض انتخاب کنند بہتر ے نماید، اگرا ز علماء آخرت پیدا شد چہ سعادت کہ صحبت او کبریت احمر است و اگر پیدا نشود بعد از تامل صحیح بہترین این جنس را اختیار کنند .... ہمچناں کہ خلاصی خلق بوجود علما است خسران عالم نیز با ایشان مربوط است بہترین علماء بہترین عالم است و بدترین ایشان بدترین خلائق ہدایت و ضلال را با ایشان مربوط ساختہ اند، عزیزے ابلیس لعین را دید کہ فارغ و بیکار نشستہ است سرآں را پرسید گفت علمار این وقت کار ما میکنند و در اغواء و اضلال کافی اند ؎

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

غرضیکہ دریں باب فکر صحیح و تامل صادق مرعی داشتہ اقدام خواہند نمود چوں کار از دست برود علاجے نمے پزیرد،

(مکتوب نمبر ۵۳ صفحہ دفتر اول)

بہتر ہے، اگر علماء ربانی میں سے مل جائیں تو کیا کہنا ان کی صحبت تو کبریت احمر ہے اور اگر کوئی خالص اللہ والا میسر نہ ہو تو پھر خوب غور و فکر سے جس کو بہتر سمجھیں اس کو اختیار کریں ...... جس طرح مخلوق کی نجات علماء کے وجود سے ہے اسی طرح لوگوں کا خسران بھی انھی سے وابستہ ہے، بہترین علماء بہترین خلائق ہیں اور بدترین علماء بدترین خلائق۔ ہدایت اور گمراہی انھی سے وابستہ ہے ـــــ ایک بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ بیکار اور چونت بیٹھا ہے اس سے اس کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ اس زمانہ کے علماء میرا کام انجام دیر ہے ہیں اور دنیا کو گمراہ کرنے کے لئے کافی ہیں ؎

کام جس عالم کا ہو گا غفلت و تن پروری
اور کی وہ کس طرح پھر کر سکے گا رہبری

میرا مقصد یہ ہے کہ اس معاملہ میں اچھی طرح غور و فکر کر کے کوئی قدم اٹھائیں جب بات ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو پھر کوئی علاج نہیں ہو سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک گرامی نامہ آپ نے صدر جہاں کو بھی لکھا ہے اس میں حق تعالیٰ کی حمد و ثنا اور دعوات صالحہ کے بعد ارقام فرماتے ہیں :ـــ

شنیدہ شد کہ بادشاہ اسلام از حسن استعداد اسلامی خواہان علما اند الحمد للہ سبحانہ علی ذالک، معلوم شریف است کہ در قرن سابق ہر فسادے کہ پیدا شد از شومی علماء سوء بظہور آمد درین باب تتبع تمام مرعی داشتہ از علماء دیندار انتخاب نمودہ اقدام خواہند فرمود، علماء سوء لصوص دین اند مطلب ایشاں حب جاہ و ریاست و منزلت نزد خلق است والعیاذ باللہ سبحانہ من فتنتہم، آرے بہترین ایشاں بہترین اند، ایشانند کہ فردائے قیامت سیاہی ایشاں از خون شہدائے فی سبیل اللہ وزن خواہند کرد و پلہ ایں سیاہی خواہد چربید، شر الناس شرار العلماء و خیر الناس خیار العلماء" (مکتوب ۵۳ ص ۱۹۵/۱)

سنا گیا ہے کہ بادشاہ اب اسلامی رجحانات کی وجہ سے کچھ علما رچاہتے ہیں (الحمد للہ علی ذالک) آپ کو معلوم ہے کہ پچھلے دور میں جو فساد آیا وہ علماء سوء ہی کی کمبختی سے پیدا ہوا تھا لہذا اس بارے میں خوب تحقیق و تلاش کرکے دیندار علماء کا انتخاب فرمایا جائے علماء سوء دین کے چور ہیں اور ان کا مطمح نظر صرف منصب اور پیسہ اور لوگوں کے نزدیک ذی عزت ہونا ہے (خدا ان کے فتنے سے محفوظ رکھے) ہاں ان میں جو اچھے ہیں وہ افضل ترین خلق ہیں وہی وہ ہیں کہ روز قیامت ان کی روشنائی شہداء کے خون کے ساتھ تولی جائے گی اور اس روشنائی کا پلہ بھاری رہے گا۔
لوگوں میں سب سے بدتر برے علماء ہیں اور سب سے اچھے اچھے علماء ہیں۔

ان چیزوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مجددؒ نے کس قدر خوش تدبیری اور کتنی دور اندیشی کے ساتھ حکومت کا رخ کفر سے اسلام کی طرف پھیرا ـــ بہت سے ارکان حکومت اور عمائد سلطنت پر تو آپ پہلے ہی براہ راست قبضہ کر چکے اور ان کو اندر اور باہر سے کامل مسلمان بنا چکے تھے، پھر انہی میں سے بعض کے ذریعہ خود بادشاہ وقت کو بھی بدل ڈالا۔

ہاں اس سلسلہ میں یہ چیز ذکر سے رہ گئی کہ قید سے رہائی کے بعد کچھ دنوں آپ بادشاہ کے ساتھ ایک شاہی نظر بند یا خاص مہمان کی حیثیت سے رہے یا رکھے گئے تھے اس موقع

سے بھی آپ نے بہت کچھ فائدہ اُٹھایا۔ جیسا کہ حضرت کے بعض مکاتیب ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

بہرحال حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی یہ مخلصانہ اور مجددانہ مساعی بہت جلد بار آور ہوئیں اور پھر کمال یہ کہ یہ سب کچھ اتنی خاموشی سے ہوا کہ آج مبصرین کے لئے سلطنت مغلیہ کا یہ چپ چاپ "انقلاب" ایک ناقابل حل معما بنا ہوا ہے ـــــ

حکومت کے مورچہ کو تو حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس طرح فتح کیا، اب رہ گئے علماء سوء اور نفس پرست گمراہ کن صوفی ان کی قوت بھی آپ کے اسی ایک وار سے بہت کچھ ختم ہو گئی کیونکہ ان کا فتنہ صرف اسی لئے روبہ ترقی تھا کہ حکومت کی رفتار اس کے مناسب مزاج تھی، جب حکومت ہی کا رخ بدل گیا تو باطل کی یہ دونوں قوتیں بھی کمزور پڑ گئیں ـــــ

باایں ہمہ ان کی گمراہیوں کے خلاف بھی آپ نے مستقل جنگ کی

علماء سوء نے گمراہی کے دو بڑے دروازے کھول رکھے تھے۔

(۱) ایک باوجود نااہلیت اور ناخدا ترسی کے ادعاء اجتہاد، اور نصوص کتاب و سنت میں تحریف معنوی کر کے نت نئے عقائد و خیالات کا اختراع، اور پھر خدا و رسول اور قرآن و حدیث کے مقدس ناموں سے ان کی ترویج و اشاعت (ابوالفضل وغیرہ نے اکبر کو سب سے پہلے اسی راہ پر ڈالا تھا اور خود ان کی گمراہی کا پہلا زینہ بھی یہی تھا)

(۲) دوسرے "بدعت حسنہ" کے نام سے دین میں نئی نئی ایجادیں، ـــــ اکثر وہ بلائیں جو علماء سوء کی طرف سے دین پر نازل ہوتی تھیں، انہیں دو دروازوں سے آتی تھیں، اس لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے ان دونوں تباہ کن اصولوں کے خلاف بھی بڑی قوت سے جنگ کی۔

مکتوبات شریف میں ان دونوں چیزوں کے خلاف جس قدر مواد موجود ہے اگر اس سب کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، یہاں صرف بطور "نمونہ از خروارے"

چند اقتباسات ملاحظہ ہوں ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:۔

سعادت آثارا آنچہ بر ما و شما لازم است تصحیح عقائد است بمقتضائے کتاب و سنت بر نہجیکہ علماء اہل حق شکر اللہ سعیہم از کتاب و سنت آن عقائد را فہمیدہ اند و از آنجا اخذ کردہ چہ فہمیدن ما و شما از حیز اعتبار ساقط است اگر موافق افہام ایں بزرگواراں نباشد زیرا کہ ہر مبتدع و ضال احکام باطلہ خود را از کتاب و سنت مے فہمد و از آنجا اخذ می نماید و الحال انہ لا یغنی من الحق شیئاً۔

اے سعادت مند! ہمیں اور تمہیں ضروری ہے کہ اپنے عقائد کو کتاب و سنت کے مطابق اس طور پر کہ علماء اہل حق نے کتاب و سنت سے سمجھا اور اخذ کیا ہے صحیح کریں، کیونکہ ہمارا تمہارا سمجھنا اگر ان حضرات کی رائے کے مطابق نہ ہو تو قابل اعتبار نہیں اس لئے کہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل خیالات کی بنیاد قرآن و حدیث ہی پر رکھتا ہے اور وہیں سے ان کو اخذ کرتا ہے حالانکہ ان سے کوئی یقین حاصل نہیں ہوتا۔

(مکتوب ۱۵۸ دفتر اول)

ایک دوسری جگہ ارقام فرماتے ہیں:۔

نخستین ضروریات بر ارباب تکلیف تصحیح عقائد است بر وفق آرائے علماء اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کہ نجات اخروی وابستہ باتباع آرائے صواب نمائے ایں بزرگواران است و فرقہ ناجیہ ہم ایشان و متابعان ایشاں و ایشانند کہ بر طریق آں سرور و اصحاب آں سرور اند (صلوات اللہ و تسلیماتہ علیہ و علیہم اجمعین) و از علومیکہ از کتاب و سنت مستفاد اند ہمان

مکلفین پر اولین فرض یہ ہے کہ وہ حضرات اہل سنت و جماعت کی رائے کے مطابق اپنے عقائد درست کریں کیونکہ نجات اخروی انہی کے اتباع سے وابستہ ہے اور فرقہ ناجیہ وہی ہیں اور ان کے پیرو کیونکہ وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے طریقہ پر ہیں۔ اور کتاب و سنت سے جو علوم مستفاد ہیں ان میں سے وہی معتبر ہیں جن کو ان بزرگوں نے وہاں سے سمجھا اور اخذ کیا ہے ورنہ ہر بدعتی اور ہر

معتبر اند کہ ایں بزرگواراں از کتاب و
سنت اخذ کردہ اند وفہمیدہ زیراکہ ہر مبتدع
وضال عقائد فاسدہ خود از کتاب وسنت
اخذ کند پس ہر معنی از معانی مفہومہ از نہا
معتبر نباشد" (مکتوب ۱۹۳ صفحہ ۱۹۲ دفتر اول)

گمراہ اپنے عقائد فاسدہ کی بنیاد کتاب و
سنت ہی پر رکھتا ہے پس قرآن وحدیث
سے جو شخص جو معنی سمجھے وہ سب معتبر ہی نہیں
ہیں۔

ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں:۔

بداں ارشدک اللہ تعالیٰ والہمک سواء الصراط
کہ از جملہ ضروریات اعتقاد صحیح است کہ
علماء اہلسنت آنرا از کتاب وسنت و آثار
سلف استنباط فرمودہ اند ـــــ وکتاب
وسنت را محمول داشتن بر معانی کہ جمہور علماء
اہل حق یعنی علماء اہل سنت وجماعت آں
معنی را از کتاب وسنت فہمیدہ اند نیز ضروری
است واگر بالغرض خلاف آں معانی مفہومہ
بکشف والہام امرے ظاہر شود آنرا اعتبار
نباید کرد وازاں استعاذہ باید نمود .... چہ
معانی کہ خلاف معانی مفہومہ ایشاں است
از حیز اعتبار ساقط است زیراکہ ہر مبتدع
وضال معتقدات خود را از کتاب وسنت
میداند و باندازہ افہام رکیکہ خود از اں
معانی غیر مطابقہ مے فہمد یضل بہ کثیرا

خدا تم کو نیک ہدایت دے اور صراط مستقیم
پر چلائے تمھیں معلوم ہونا چاہئے کہ ضروریات
طریق میں سے ایک اعتقاد صحیح بھی ہے جس کو
علماء اہل سنت نے کتاب وسنت اور آثار سلف
سے سمجھا ہو، نیز قرآن وحدیث کو انہی معانی پر محمول
کرنا جو علماء اہلسنت نے سمجھے ہوں نیز ضروریات
میں سے ہے اور اگر بالفرض کشف والہام سے
جمہور علماء کے خلاف کسی نص کے معنی معلوم ہوں تو اس کا
اعتبار نہیں بلکہ اس سے پناہ مانگنا چاہئے کیونکہ
جمہور علماء کے آراء کے خلاف جو معانی سمجھے جائیں
وہ مقام اعتبار سے قطعًا ساقط ہیں اس لئے
کہ ہر مبتدع اور ہر گمراہ اپنے معتقدات کو بزعم
خود قرآن وحدیث ہی سے نکالتا ہے، قرآن
کی تو شان ہے۔ یضل بہ کثیراً
ویھدی بہ کثیرا اور یہ جو

دیعوی بہ کشیدہ آن کہ گفتم کہ معانی	میں نے دعویٰ کیا کہ علماء اہل حق ہی کے سمجھے
مفہومہ علماء اہل حق معتبر است وخلاف آں	ہوئے معانی معتبر ہیں اور ان کے خلاف کسی اور
معتبر نیست بنا برآن است کہ آں معانی را	کے سمجھے ہوئے معتبر نہیں تو یہ اس واسطے کہ علماء
از تتبع آثار صحابہ وسلف صالحین رضوان اللہ	اہل حق نے ان معانی کو صحابہ کرام اور سلف
تعالیٰ علیہم اجمعین اخذ کردہ اند واز انوار	صالحین کے چشمۂ فیوض سے حاصل کیا ہے اور
نجوم ہدایت ایشاں اقتباس فرمودہ اند لہذا	انہی کے انوار سے اقتباس فرمایا ہے لہذا
نجات ابدی مخصوص بایشاں گشت وفلاح	نجات ابدی اور فلاح سرمدی انھی سے وابستہ
سرمدی نصیب شاں آمد اولئک حزب	ہے وہی خدائی گروہ ہے اور خدائی گروہ ہی
اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون ہ	فلاح پانے والا ہے۔

(مکتوب نمبر ۲۰۶ دفتر اول ص۲۴۳)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا، فاتر مکتوبات میں اس موضوع پر بہت سے مجمل اور مفصل مکاتیب موجود ہیں جن میں گمراہی کے اس چشمہ پر بند لگانے کی کوشش کی گئی ہے ——

ذرا غور وفکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج بھی جو نئی نئی خطرناک گمراہیاں امت میں پیدا ہو رہی ہیں ان کی اصل و بنیاد یہی ہے کہ ہر "بوالہوس" اپنے کو "ابو حنیفہ کوفی" اور سفیان ثوری، ابوالحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی، ابن تیمیہ حرانی اور امام غزالی کے ہمسر سمجھتا ہے اور بلا ادنیٰ تامل و تردد کے کتاب وسنت ہی کا نام لیکر نئے نئے فتنے برپا کرتا ہے۔ نیچریت، مرزائیت، چکڑالویت اور مشرقیت کیا یہ سب اسی گمراہی (تقلید سلف سے آزادی) کے کرشمے نہیں؟

"بدعت حسنہ" کا نظریہ بھی جس کے پردہ میں اس عہد کے علماء سو نے اپنی خواہشات نفس کو جزو دین بنا رکھا تھا، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی نظر میں سخت خطرناک تھا اس لئے

آپ نے اس نظریے ہی کے خلاف جنگ کی اور بلا خوف لومۃ لائم بالکل مجددانہ انداز میں کسی بدعت کے حسنہ ہونے ہی سے انکار فرمایا،

خواجہ مفتی عبدالرحمٰن کابلی کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

از حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بہ تضرع و زاری مسئلت می نماید کہ ہر چہ در دین محدث شدہ است و مبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر و خلفاء راشدین او نبودہ علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات اگر چہ آن چیز در روشنی مثل فلق صبح بود این ضعیف را باجمعے کہ با او ہستند گرفتار آن عمل محدث نگرداناد.... گفتہ اند کہ بدعت بر دو نوع است حسنہ و سیئہ.... این فقیر در ہیچ بدعت از این بدعتہا حسن و نورانیت مشاہدہ نمی کند و جز ظلمت و کدورت احساس نمی نماید.... سید البشر می فرماید علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات من احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فہو رد چیزے کہ مردود باشد حسن از کجا پیدا کند و قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ..... ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ" ہرگاہ ہر محدث بدعت باشد و ہر بدعت ضلالت پس معنی حسن در

یہ فقیر حق سبحانہ تعالےٰ سے نہایت عاجزی اور زاری کے ساتھ دعا کرتا ہے کہ دین میں جو نئی باتیں پیدا کی گئی ہیں اور جو بدعتیں ایجاد کی گئی ہیں جو آنحضرتؐ اور آپ کے خلفاء کے زمانے میں موجود نہ تھیں اگر چہ وہ روشنی میں سفیدی صبح کی طرح ہوں پھر بھی اس ناتواں کو ان سے محفوظ رکھے اور ان میں مبتلا نہ کرے.... کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں حسنہ و سیئہ..... یہ فقیر ان بدعات میں سے کسی بدعت میں بھی حسن و نورانیت نہیں دیکھتا اور بجز ظلمت و کدورت کے ان میں کچھ نہیں محسوس کرتا..... سرکار نبی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو ہمارے دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ چیز مردود ہے پس جو شے مردود ہو گئی اس میں حسن کیسا نیز آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے "تم بچو نو ایجاد باتوں سے کیونکہ ہر نو ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی پس جب ہر نو ایجاد بدعت

بدعت چہ بود" الخ

(مکتوب نمبر ١٨٦ دفتر اول)

ہوئی اور ہر بدعت گمراہی پھر بدعت میں حسن کے کیا معنی۔

ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:۔

نور سنت سنیہ را علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ ظلمات بدعتہا مستور ساختہ اند و رونق ملت مصطفویہ را علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کدورات امور محدثہ ضائع گردانیدہ عجب تر آنکہ جمعے آں محدثات را امور مستحسنہ میدانند وآں بدعتہا را حسنات مے انگارند و تکمیل دین و تتمیم ملت ازاں حسنات مے جویند و در اتیان آں امور ترغیب مے نمایند ہداہم اللہ سبحانہ سواء الصراط۔ نمے دانند کہ دین پیش ازیں محدثات کامل شدہ بود و نعمت تمام گشتہ و رضا حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ بحصول پیوستہ کما قال اللہ تعالےٰ "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" پس کمال دین ازیں محدثات جستن فی الحقیقت انکار نمودن است بمقتضائے ایں کریمہ۔ (مکتوب نمبر ٢٦٠ دفتر اول ص٣٠٣)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعات کی اندھیریوں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفویہ کی رونق کو ان نو ایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کر دیا ہے کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک جماعت ان بدعات کو مستحسن جانتی ہے اور ان کو نیکیاں سمجھتی ہے اور ان کے ذریعہ سے دین وملت کی تکمیل کرنا چاہتی ہے اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دے یہ لوگ نہیں جانتے کہ دین ان بدعات سے پہلے کامل ومکمل ہو چکا ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"آج ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی یہ نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا"

بس دین کا کمال ان بدعات میں سمجھنا درحقیقت اس آیت کریمہ کے مضمون سے انکار کرنا ہے۔

ایک اور موقع پر ارقام فرماتے ہیں:۔

ہمہ وقت خصوصاً دریں اوان ضعف اسلام
اقامت مراسم اسلام منوط بہ ترویج سنت
است و تخریب بدعت گذشتگان در بدعت
حسنے دیدہ باشند کہ بعض افراد آنرا مستحسن
داشتہ اند اما ایں فقیر دریں مسئلہ با ایشاں
موافقت ندارد و ہیچ فرد بدعت را حسنہ
نمیداند جز ظلمت و کدورت دراں احساس
نمی نماید قال علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلامؐ
"کل بدعۃ ضلالۃ" وے یابد کہ دریں
غربت و ضعف اسلام سلامتی منوط باتیان
سنت است و خرابی مربوط بہ تحصیل بدعت
ہر بدعت کہ باشد بدعت را در رنگ کلند میداند
کہ ہدم بنیاد اسلام مے نماید و سنت را
در رنگ کوکب درخشاں مے نماید کہ در شب
دیجور ضلالت ہدایت میفرماید علماء وقت را
حق سبحانہ وتعالیٰ توفیق دہاد کہ بحسن ہیچ
بدعت لب نکشایند و باتیان ہیچ بدعت
فتویٰ ندہند اگرچہ آن بدعت در نظر
شان در رنگ فلق صبح روشن درآید چہ
تسویلات شیطان را در ماوراے سنت
سلطان عظیم است .... در یں وقت

ہر زمانے میں عموماً اور غربت اسلام کے اس دور میں
خصوصاً دین کا بقاء و قیام سنتوں کی ترویج اور
بدعتوں کی تخریب سے وابستہ ہے بعض اگلوں نے
بدعات میں کوئی حسن دیکھا ہوگا کہ اس کے بعض افراد
کو انہوں نے مستحسن قرار دیا، اس فقیر کو اُن سے
اس مسئلے میں اتفاق نہیں۔ میں کسی فرد بدعت
کو حسنہ نہیں سمجھتا اور سوائے ظلمت و کدورت
کے مجھے ان میں کچھ نہیں محسوس ہوتا حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کل بدعۃ ضلالۃ (ہر
بدعت گمراہی ہے) فقیر کے نزدیک اسلام کی
اس غربت کے زمانے میں سلامتی سنت سے
اور خرابی و بربادی بدعت سے وابستہ ہے
خواہ کوئی بدعت ہو، بدعت اس فقیر کو کدال
کی صورت میں نظر آتی ہے کہ جو اسلام کی بنیاد
کو ڈھا رہی ہے اور سنت ایک درخشاں ستارے
کے رنگ میں دکھائی دیتی ہے جو گمراہی کی شب
تاریک میں رہنمائی کرتا ہے ــــ حق سبحانہ وتعالیٰ
علماء وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کے حسنہ
ہونے کے متعلق زبان نہ کھولیں اور کسی بدعت کے
کرنیکا فتویٰ نہ دیں، اگرچہ وہ بدعت ان کی نظر میں
"فلق صبح" کی طرح روشن ہو کیونکہ شیطانی مکر کو

عالم بواسطہ کثرت ظہور بدعت در رنگ
دریائے ظلمات بہ نظر مے آید و نور سنت
باغربت و ندرت درآں دریائے ظلمانی در
رنگ کرمکہائے شب افروز محسوس میگردد
وعمل بدعت ازدیاد آن ظلمت مے نماید و
تقلیل نور سنت می سازد و عمل سنت باعث
تقلیل آن ظلمت است و تکثیر آن نور فمن
شاء فلیکثر ظلمة البدعة ومن شاء فلیکثر
نور السنة ومن شاء فلیکثر حزب
الشیطان ومن شاء فلیکثر حزب اللّٰہ
الا ان حزب الشیطان هم الخاسرون
والا ان حزب اللّٰہ هم المفلحون
(مکتوب ۲۳ صـ ۳۹ دفتر دوم)

ما وائے سنت میں بڑا تساطاہے
سارا عالم کثرت بدعات کی وجہ سے تاریکیوں کے
ایک سمندر کی طرح نظر آتا ہے اور نور سنت اپنی
غربت اور قلت کے باوجود اس دریائے ظلمت
میں رات میں چمکنے والے جگنو کی طرح محسوس ہوتا
ہی پھر بدعات کے عمل کی وجہ کر اس اندھیری میں اضافہ اور
روشنی میں کمی ہوتی ہے اور اسکے برعکس سنتوں سے اس ظلمت میں کمی اور
نورنیت میں اضافہ ہوتا ہے اب جس کا جی چاہے وہ بدعت
کی تاریکیوں کو بڑھائے اور جس کی سمجھ میں آئے وہ
انوار سنت میں اضافہ کرے جس کا جی چاہے شیطان
کے لشکر کو بڑھائے اور جو چاہے خدا کی فوج کو ترقی
دے مگر معلوم ہونا چاہیئے کہ شیطانی لشکر والے ٹوٹے
میں ہیں اور خدائی جماعت ہی کامیاب ہونے والی ہے۔

اس موضوع پر کئی دفاتر مکتوبات میں بیسیوں بلکہ پچاسوں مکاتیب ہیں یہاں صرف تین ہی مکتوبوں کے ان اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے اس کو ارباب نظر ہی کچھ سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے "بدعت حسنہ" کا انکار کرکے کتنی گمراہیوں کا دروازہ بند کردیا جزاہ اللّٰہ تعالےٰ عن الاسلام وعن المسلمین جزاءً حسناً

دینی رخنوں اور مذہبی فتنوں کا تیسرا سرچشمہ "بطال صوفیوں" کا گروہ تھا اس نے اسلام کو جس قدر مسخ کیا تھا اس کا اندازہ کچھ وہی حضرات کرسکتے ہیں، جن کے سامنے اس "غیر اسلامی تصوف" کی پوری تاریخ ہو۔ اس طبقہ کی گمراہیوں کی اصلاح کے لئے حضرت

مجدد علیہ الرحمہ نے جو کچھ علمی، لسانی، اور قلمی کوششیں فرمائیں اگر ان سب کو لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ یہاں ہم اس باب کی بھی صرف چند ہی جزئیات پیش کر سکتے ہیں:۔

ان لوگوں کی سب سے بڑی گمراہی "اتحاد و حلول" کا وہ عقیدہ تھا جس کی بنیاد "وحدة الوجود" کے نظریہ پر رکھی گئی تھی اصل واقعہ یہ تھا کہ بعض متقدمین اکابر طریق سے غلبۂ حال اور سکر کی حالت میں کچھ ایسے کلمات سرزد ہوئے ہیں جن میں "وحدت" کی جھلک پائی جاتی ہے۔

پھر بعض حضرات (شیخ اکبر ابن عربی وغیرہ) نے اس نظریہ (ہمہ اوست) کو علمی رنگ میں بھی لکھا، اُن حضرات کی جو مراد تھی اس کو تو قاصرین کیا سمجھتے، بس ہر "مدعی" نے "حلول و اتحاد" کا دعویٰ شروع کر دیا، اور پھر اس ایک اصل سے نہ معلوم گمراہیوں کی کتنی شاخیں نکلیں بہت سے مدعیان بےخبر نے کہا، عالم میں جو کچھ ہے بس خدا ہی ہے، زمین بھی خدا ہے، آسمان بھی خدا ہے شجر و حجر نباتات و جمادات عناصر بسیطہ اور ان کے مرکبات غرض سب خدا ہی خدا ہیں (معاذ اللہ) ولا حول ولا قوۃ الا باللہ)

وا حسرتا! کس قدر دردناک ہے یہ منظر کہ خدا کے سارے پیغمبر یہی بتلانے آئے کہ عالم میں جو کچھ ہے وہ غیر اللہ ہے اور اللہ ان سب سے وراء الوراء ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے، لیکن شیطان نے اونہی کے امتیوں، نہیں نہیں بلکہ ارشاد و ہدایت اور تکمیل نفوس میں انکی نیابت و جانشینی کے مدعیوں سے کہلوایا کہ "عالم میں جو کچھ ہے سب خدا ہی ہے"

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اس گمراہی کے خلاف بھی سخت جنگ کی اور بلا خوف لومۃ لائم اس کو الحاد اور زندقہ قرار دیا۔ دفتر دوم کے پہلے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

ممکن را عین واجب گفتن تعالیٰ شانہ و صفات و افعال او را عین صفات و افعال

ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کے افعال و صفات کو بعینہا حق تعالیٰ کے افعال و صفات قرار دینا

او تعالیٰ ساختن سو ادب است و الحاد — سخت بے ادبی بلکہ اللہ عزوجل کے اسماء و
است در اسماء و صفات او تعالیٰ" — صفات میں الحاد ہے،

پھر اصل مسئلہ (وحدت الوجود) کی تنقیح اور اس میں شیخ اکبر وغیرہ کے اور اپنے نظریہ کے اختلاف کی توضیح فرمانے کے بعد مکتوب گرامی کو ان الفاظ پر ختم فرماتے ہیں:۔

پس با عالم او را بہیچ وجہ مناسبت نہ باشد — پس حق تعالیٰ کو اس دنیا سے کوئی مناسبت نہیں
"ان اللہ لغنیٌّ عن العٰلمین" او را سبحانہ — (چہ جائیکہ اتحاد و عینیت) اللہ پاک تو تمام عالم سے
با عالم عین و متحد ساختن بلکہ نسبت دادن — بے نیاز اور وراء الوراء ہے اس کو عالم کے عین اور
بریں فقیر بسیار گران است ؏ — متحد کرنا بلکہ کوئی نسبت بھی اس سے دینا اس فقیر
آن ایشا نند و من چنیم یا رب — پر سخت گراں ہے گر کیا کیا جائے؟ خدا ادخدا!
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون ٥ — وہ اسی خیال کے ہیں اور میں اس نقطہ پر ہوں"

"بیشک اللہ رب العزت پاک اور بری ہے اس سے جو وہ لگاتے ہیں"

ایک اور موقع پر ارقام فرماتے ہیں:۔

زنہار تبرہات صوفیہ مفتون نگردی و غیر — خبردار ہرگز "صوفیوں" کی ان بیہودہ باتوں
حق را جل سلطانہ حق ندانی۔ — پر فریفتہ نہو، اور غیر خدا کو خدا نہ سمجھو

(مکتوب نمبر ۲۲، ۲ صفحہ ۳۲/۱۶)

ایک طرف تو حضرت نے اس گمراہی کی قباحتوں کو ظاہر فرمایا اور اس کو الحاد و زندقہ قرار دیا، اور دوسری طرف اُن اکابر کی مراد ظاہر کی جو وحدۃ الوجود اور "ہمہ اوست" کے قائل ہوئے ہیں، اور بتلایا کہ ان کا مقصد اس قسم کے کلمات سے یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ ہے سب اس کی قدرت کا ظہور ہے، یا یوں کہئے کہ بس اس کا وجود حقیقی اور اصلی ہے اور باقی تمام موجودات کا وجود محض ظلی ہے جو قابل اعتبار و لائق شمار نہیں، چنانچہ ایک مکتوب میں

فرماتے ہیں:۔

از صوفیہ علیہ ہر کہ بوحدت وجود قائل است
واشیاء را عین حق مے بیند تعالیٰ و حکم بہمہ
اوست میکند مرادش ایں نیست کہ اشیاء حق
جل و علا متحد اند و تنزیہہ تنزل نمودہ
تشبیہ گشتہ است و واجب ممکن شدہ بیچوں
بچوں آمدہ کہ ایں ہمہ کفر و الحاد است و ضلالت
و زندقہ..... بلکہ معنی ہمہ اوست آنست
کہ ایشاں نیستند و موجود اوست تعالیٰ و تقدس

(مکتوب ۴۴ دفتر دوم ص۸۱)

محترم صوفیائے کرام میں سے جو لوگ وحدۃ الوجود
کے قائل ہیں اور ہمہ اوست کہنے والے ہیں اس سے
ان کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اشیاء حق تعالیٰ
جل و علا کے ساتھ بالکل متحد ہیں اور معاذ اللہ وہ
مرتبہ تنزیہہ سے اتر کر دائرہ تشبیہ میں آگیا ہے
اور جو واجب تھا وہ ممکن بن گیا ہے کہ یہ سب کچھ
کفر و الحاد ہے اور گمراہی و زندقہ ہے بلکہ ہمہ
اوست کے معنی یہ ہیں کہ اور سب نیست ہیں
اور صرف وہی موجود ہے۔ (تعالیٰ و تقدس)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:۔

صوفیہ کہ قائل اند بکلام ہمہ اوست عالم را
با حق جل و علا متحد نمے دانند و حلول و سریان
اثبات نمیکنند و حملے کہ مے نمایند باعتبار ظہور
ظلیت است نہ باعتبار وجود و تحقق و ہر چند
از ظاہر عبارات شاں اتحاد وجودی متوہم
شود اما حاشا کہ مراد شاں آں بود کہ کفر و
الحاد است و چوں حمل یکے بر دیگرے باعتبار
ظہور گشت نہ باعتبار وجود معنی "ہمہ اوست"
ہمہ از وست و ہر چند در غلبۂ حال ہمہ اوست
گویند اما فی الحقیقت مراد شاں ازاں عبارت

جو صوفیائے کرام ہمہ اوست کے قائل ہیں وہ عالم کو
حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول و
سریان ثابت نہیں کرتے ہیں، وہ جو کچھ کہتے ہیں
ظلیت کے اعتبار سے کہتے ہیں نہ کہ وجود و تحقق کے
لحاظ سے اگرچہ ان کی عبارات کے ظاہر سے اتحاد وجودی
کا شبہ ہوتا ہے مگر حاشا کہ ان کی وہ مراد ہو کہ وہ تو کفر
و الحاد ہے اور چونکہ حمل ایک کا دوسرے پر ظہور کے لحاظ سے تھا،
نہ کہ نفس وجود کے لحاظ سے اس لئے ہمہ اوست کے
معنی ہمہ از وست ہی ہیں اگرچہ غلبۂ حال میں وہ ہمہ
اوست کہہ جاتے ہیں لیکن ان کلمات سے ان کی

ہمہ از دست باشد

مراد غالباً ہمہ از دست ہوتا۔

(مکتوب ۸۹ دفتر سوم ص۱۵۸)

ارباب وحدۃ الوجود کے اس قسم کے کلمات کی آپ نے اور بھی لطیف توجیہات کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ

بعضے دیگر از ناشئ ایں احکام غلبۂ محبت است کہ بواسطہ استیلائے حب محبوب غیر محبوب از نظر محب بپوشد و جز محبوب ہیچ نمے بیند نہ آنکہ در نفس الامر غیر محبوب ہیچ نیست کہ آں مخالف حس عقل و شرع است"

(مکتوب ۲۳ دفتر اول)

بعض دوسروں سے یہ باتیں غلبۂ محبت کی وجہ سے سرزد ہوئی ہیں کیونکہ محبت کا استیلاء محب کی نظر سے ماسوائے محبوب کو غائب کر دیتا ہے اور اسے محبوب کے سوا کچھ نظر نہیں آتا نہ یہ کہ فی الواقع سوائے محبوب کے اور کچھ ہوتا ہی نہیں کیونکہ یہ تو عقل و شرع دونوں کے خلاف ہے،

الغرض ایک طرف تو آپ نے ان اکابر کے کلمات کا مقصد اور منشاء بیان کیا جو "وحدۃ الوجود" اور "ہمہ اوست" کے قائل ہوئے ہیں اور دوسری طرف "وحدۃ الموجود" کے اس گمراہانہ بلکہ زندیقانہ نظریہ کو صریح الفاظ میں الحاد اور کفر بتلایا جس کو زمانہ ما بعد کے "مدعیان" بھجز حضرات اکابر کے کلمات سے سند پکڑ کر عوام تک میں پھیلا رہے تھے اور کائنات کی ہر چیز کو بے دھڑک خدا بنا رہے تھے۔

اسی نائب کے بعض صوفی "ہر چیز" کو تو خدا نہیں کہتے تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ "فقیر" جب کامل ہو جاتا ہے تو بس وہ خدا سے متحد ہو جاتا ہے اور اس کی ہستی گویا خدا کی ہستی میں تحلیل ہو جاتی ہے، اور اس کی سند بھی بعض عرفاء کے کلمات سے پکڑی جاتی تھی، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اس کا بھی رد فرمایا اور اس کو بھی کفر و زندقہ قرار دیا، ارشاد فرماتے ہیں۔

او تعالیٰ بہیچ چیز متحد نشود و ہیچ چیز باو سبحانہ متحد نگردد آنچہ از بعضے عبارات

حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہے اور بعض صوفیہ کی

صوفیہ اتحاد مفہوم میشود خلاف مراد ایشان است زیرا کہ مراد ایشان ازیں کلام کہ موہم اتحاد است (اذا تم الفقر فہو اللہ) آن است کہ چوں فقر تمام شود و نیستی محض حاصل آید باقی نمی ماند مگر اللہ تعالیٰ نہ کہ آن فقیر بخدا متحد شود کہ آن کفر و زندقہ است تعالی سبحانہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً ہ
(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول ص ۳۱۲)

بعض عبارات سے بظاہر جو اتحاد سا مفہوم ہوتا ہے وہ ان کی مراد اور منشا کے خلاف ہے ان کا مطلب اس کلام (اذا تم الفقر فھو اللہ) سے یہ ہے کہ جب فقر کامل ہو جاتا ہے اور فنائے محض حاصل ہو جاتا ہے تو بس اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے (اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سالک کی نظر میں گم ہو جاتا ہے) ان حضرات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ پھر وہ فقیر خدا سے متحد ہو جاتا ہے کہ وہ تو خالص کفر اور کھلی زندیقیت ہے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک اس سے بہت بالا اور برتر ہے جو یہ ظالم گمان کرتے ہیں

بعض عرفاء کے کلام میں "محو" و "اضمحلال" کے الفاظ آئے ہیں، ان گمراہوں نے اس کو بھی اپنی سند بنایا اور سمجھے کہ اس سے "محو و اضمحلال" عینی مراد ہے یعنی عارف کا خدا کی ہستی میں تحلیل ہو کر "من تو شدم تو من شدی" کا مصداق ہو جانا ـــ اس کے متعلق حضرت مجدد قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں :-

در عبارت بعضے از مشائخ قدس اسرارہم کہ لفظ محو و اضمحلال واقع میشود، مراد از آں، محو نظری است نہ محو عینی یعنی تعین سالک از نظر او مرتفع میگردد نہ آنکہ در نفس الامر محو میشود کہ آں اتحاد و زندقہ است جمعے از ناقصانِ ایں راہ ازیں الفاظ موہمہ محو و اضمحلال عینی دانستہ اند و بہ زندقہ

بعض مشائخ کرام کی عبارات میں جو "محو و اضمحلال" کے لفظ آئے ہیں تو اس سے ان کی مراد صرف محو نظری ہے نہ کہ محو حقیقی اور ذاتی، اور اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ سالک کی نظر سے اپنا وجود شخصی اوجھل ہو جاتا ہے نہ یہ کہ فی الواقع وہ باقی نہیں رہتا کہ ایسا خیال کرنا تو اتحاد و زندقہ ہے، اس راہ کے بعض ناقصین اس قسم کے شبہ میں ڈالنے والے کلمات سے محو

رسیده اند که از عذاب و ثواب اخروی
انکار نموده اند و خیال کرده اند که ہمچنان
که از وحدت بکثرت آمده اند مرتبہ دیگر
ہمیں طور از کثرت بوحدت خواہند رفت،
و ایں کثرت در آں وحدت مضمحل خواہد
شد، و جمعے ازیں زنادقہ آں محو شدن را
قیامت کبری خیال کرده اند و از حشر و نشر
و حساب و صراط و میزان انکار نموده،
ضلّوا و اضلّوا کثیرا من الناس
گر کور ندے ببینند که از ہیچ کاملے عجز و
نقص و احتیاج زائل نشده است پس
رجوع وجودی بوحدت چہ باشد، و اگر
رجوع بوحدت بعد از موت خیال کرده
اند کافر زندیق اند که از عذاب اخروی
انکار دارند و ابطال دعوت انبیاء
مے نمایند علیہم الصلوات والتسلیمات
اتمہا و اکملہا"

(مکتوب ۲۹۲، دفتر اول ص۴۲۳)

اضمحلال ذاتی سمجھ بیٹھے ہیں اور اس کی بنا پر عذاب
و ثواب اخروی سے منکر ہو گئے ہیں، ان کا خیال
ہو گیا ہے کہ جس طرح آغاز میں "وحدت" سے
"کثرت" میں آئے ہیں اسی طرح انجام کار کثرت
سے وحدت میں چلے جائیں گے اور پھر یہ "کثرت"
اس "وحدت" میں گم ہو جائے گی"۔۔۔ اور ان زندیقوں
میں سے ایک جماعت اس گم ہو جانے ہی کو قیامت
کبریٰ خیال کر بیٹھی ہے اور اس طرح حشر و نشر،
حساب کتاب، پل صراط اور میزان اعمال وغیرہ سے
منکر ہو گئی ہے۔ آہ کہ یہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور بہت
سوں کو گمراہ کر دیا۔۔۔۔ کیسے اندھے ہیں، نہیں دیکھتے
کہ کسی "کامل" سے عاجزی و بیچارگی نقص و حاجتمندی
کبھی زائل نہیں ہوتی، پھر خدا کی ہستی میں گھل مل جانے
اور اس کے ساتھ متحد ہو جانے کے کیا معنی؟۔۔۔
اور اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں نہیں بلکہ مرنے
کے بعد وہ خدا سے متحد ہو جاتے ہیں تو پھر لاریب
وہ کافر زندیق ہیں کہ عذاب اخروی سے منکر ہیں
اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو تعلیم دی
اس کو غلط سمجھتے اور ان کی دعوت کو باطل جانتے ہیں۔

یہ تو ان زندیقوں کا رد ہوا جو ساری کائنات یا کم از کم عرفائے کاملین کے خدا یا
خدا سے متحد ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن اسی قبیل کی ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام

یا خاصکر حضرت سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ متحد سمجھا جائے جیسا کہ آج بھی ہمارے کان کبھی کبھی اس قسم کی صدائیں سن لیتے ہیں ؎

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر اُتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

ایک اور صاحب فرماتے ہیں :۔

شریعت کا ڈر ہے نہیں صاف کہدوں خدا خود رسول خدا بن کے آیا

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس گمراہانہ اور مشرکانہ عقیدہ کو بھی بیخ و بن سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں :۔

محمدؐ بندہ ایست محدود و متناہی و او تعالیٰ و تقدس غیر محدود است و نا متناہی۔	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بندے ہیں محدود و متناہی اور حق تعالیٰ و تقدس لامحدود ہے اور نامتناہی
(مکتوب ۹۵ دفتر اول ص ۱۲۲)	(پھر ان میں کیسی یکسانیت اور کیا نسبت ؟)

ایک اور موقع پر ارقام فرماتے ہیں :۔

اے برادر! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم باآں علو شان بشر بودند بداغ حدوث و امکان متسم (مکتوب ۱۳۳ دفتر اول ص ۱۶۶)	اے برادر! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس قدر بلندیٔ مرتبہ کے بشر تھے اور حدوث و امکان کے داغ سے داغدار۔

ان گمراہ متصوفین کا ایک باطل عقیدہ یہ بھی تھا کہ خدا کی عبادت بس اس وقت تک ضروری ہے، جبتک کہ معرفت حاصل نہ ہو۔ حصول معرفت کے بعد عبادت کی حاجت نہیں، اس کے متعلق حضرت مجدد علیہ الرحمۃ بڑے غضبناک ہو کر لکھتے ہیں :۔

متصوفان خام و ملحدان بے سرانجام	بہت سے کچے متصوفہ اور بے سروسامان ملحدوں کا خیال
..... خیال مے کنند کہ خواص مکلف بمعرفت	ہے کہ خواص صرف معرفت الٰہی کے مکلف ہیں ...
اند و بس ..... و میگویند کہ مقصود از اتیان و	اور کہتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنے سے مقصود تو

شریعت حصولِ معرفت است وچون معرفت
میسر شد تکلیفات شرعیہ ساقط گشت وایں
کریمہ "واعبد ربک حتی یاتیک الیقین"
بستشہد مے آرند یعنی انتہائے عبادت تا
حصول معرفت حق تعالیٰ است ....
خذلہم اللہ سبحانہ ما اجہلہم۔ آن
قدر احتیاج کہ عارفاں را بعبادت است
عشر آں مر مبتدیان را ازاں احتیاج حاصل
نیست۔ (مکتوب ۲۷۵ دفتر اول ص۳۵۸)

حصول معرفت ہے پس جب معرفت حاصل
ہوگئی تو احکام شرعیہ ساقط ہوگئے اور آیت کریمہ[1]
"واعبد ربک حتی یاتیک الیقین"
کو شہادت میں پیش کرتے ہیں اور نتیجہ یہ نکالتے
ہیں کہ عبادت کی انتہا حصول معرفت پر ہے.....
اللہ ان کو رسوا کرے کس قدر جاہل ہیں، عبادت
کی جس قدر ضرورت عارفوں کو ہے مبتدیوں کو
اس کا دسواں حصہ بھی حاجت نہیں"

اسی طرح ان بطالوں کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ صرف "باطن" درست ہونا چاہئے،
اعمال ظاہر (نماز اور روزہ وغیرہ) کی اللہ والوں کو کوئی ضرورت نہیں حضرت مجدد علیہ الرحمہ
اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

سلامتی قلب از التفات بما سوائے او
تعالیٰ و اعمال صالحہ کہ بہ بدن تعلق دارند
وشریعت باتیان آں امر فرمودہ ہر دو

دل کا ما سوائے حق سے خالی ہونا اور وہ اعمال
صالحہ بدنیہ کہ شریعت نے جن کا حکم دیا ہے ان کا
کرنا یہ دونوں ہی چیزیں ضروری ہیں بغیر ان

---

[1] اس آیت میں یقین کے معنی موت کے ہیں اور بعض اور آیات میں بھی یقین موت کے معنی میں مستعمل
ہوا ہے مثلاً حتی اتانا الیقین، بہر حال عربی زبان میں یقین کے ایک مشہور معنی موت کے بھی ہیں،
لیکن جو لوگ اس سے ناواقف ہیں اور یقین کے معنی "علم یقین" ہی جانتے ہیں انھوں نے اس
آیت میں بھی وہی معنی سمجھے اور نتیجہ یہ نکالا کہ عبادت بس اس وقت تک ضروری ہے کہ معرفت
کاملہ حاصل ہو جائے، حالانکہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ عبادت مرتے دم تک کرنی چاہئے ۱۲

در کار است، دعوئے سلامت قلب بے اتیان اعمال صالحہ بدینہ باطل است ہمچنان کہ روح دریں نشاء بے بدن غیر متصور است بسیارے از ملحدان ایں وقت ایں قسم دعوائے می نمایند نجانا اللہ سبحانہ عن معتقداتھم السوء بصدقۃ حبیبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

(مکتوب ۲۹ دفتر اول ص۵۳)

اعمال صالحہ کے سلامتی قلب کا دعوئے محض باطل ہے جس طرح کہ اس دنیا میں روح کا بلا بدن کے ہونا ناممکن اور غیر متصور ہے۔۔۔۔ آجکل کے بہت سے ملحد اس قسم کا دعویٰ کرتے ہیں خدا ہم کو بطفیل اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے بُرے عقیدوں سے محفوظ رکھے۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:۔

ہر کہ بہ باطن پرداز دو از ظاہر درماند ملحد است واحوال باطن استدراج او ید علامت صحت حال باطن اہتمام تحلی ظاہر است باحکام شرعیہ"

(مکتوب ۴۳ دفتر دوم ص۱۵۷)

جو شخص صرف باطن کو درست کرنا چاہتا ہے اور ظاہر کو یونہی چھوڑے ہوئے ہے وہ ملحد ہے اور اگر اسکو کچھ باطنی احوال حاصل ہوں تو وہ اس کے حق میں استدراج (مہربانی نا قہر) ہے احوال باطنی کی صحت و مقبولیت کی علامت ظاہر کا احکام شرعیہ سے آراستہ ہونا ہے۔

ارباب تصوّف کی ایک عام غلط فہمی یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مشائخ طریق کے مکاشفات اور معارف کو اصل سمجھتے تھے، اور اپنے اعمال کی بنیاد انھی پر رکھتے تھے خواہ وہ ظاہر شریعت سے متصادم ہی کیوں نہ ہوں، حضرت مجدد قدس سرہ نے اس کے خلاف بھی مجددانہ جرأت وعزیمت سے لکھا۔

معتبر اثبات احکام شرعیہ کتاب و سنت است و

احکام شرعیہ کے اثبات میں بس کتاب و سنت کا اعتبار ہے

قیاس و اجماع امت نیز بحقیقت مثبت احکام است بعد ازیں چار ادلۂ شرعیہ، ہیچ دلیلے مثبت احکام شرعیہ نے تواند شد الہام مثبت حل و حرمت نبود و کشف ارباب باطن اثبات فرض و سنت نہ نماید ارباب ولایت خاصہ با عامۂ مومنان در تقلید مجتہدان برابر اند ...... و ذوالنون و بسطامی و جنید و شبلی با زید و عمرو و بکر و خالد کہ از عوام مومنان اند در تقلید مجتہدان در احکام اجتہادیہ مساوی اند آرے مزیت ایں بزرگواراں در امور دیگر است۔ (مکتوب ۵۵ دفتر دوم ص ۱۰۸)

اور قیاس و اجماع امت بھی مثبت احکام ہیں۔ ان چار ادلہ شرعیہ کے بعد کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے احکام ثابت ہو سکیں، اور اولیائے کرام کے الہام سے کسی چیز کی حلت یا حرمت ثابت نہیں ہو سکتی اور ارباب باطن کا کشف کسی چیز کو فرض یا سنت ثابت نہیں کر سکتا، مجتہدین عظام کی تقلید کے بارہ میں ارباب ولایت خاصہ عام مومنین کے برابر ہیں اور ذوالنون مصری و بایزید بسطامی و جنید و شبلی اس باب میں عوام مسلمین زید و عمرو و بکر و خالد کے ہم مرتبہ ہیں۔ ہاں ان بزرگوں کو دوسری حیثیت سے بڑی فضیلت حاصل ہے۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:۔

علامت درستی علوم لدنیہ مطابقت است با صریح علوم شرعیہ اگر سر مو تجاوز است از سکر است، والحق ما حققہ العلماء من اہل السنۃ والجماعۃ وما سوی ذالک اما زندقۃ والحاد و اما سکر وقت وغلبۃ حال (مکتوب ۲۳ دفتر اول ص ۴۰)

علوم لدنیہ کی صحت و مقبولیت کی علامت، صریح علوم شرعیہ کے ساتھ ان کی مطابقت ہے اگر بال برابر بھی تجاوز ہوا تو سمجھ لو کہ اس کا منشا سکر ہے اور حق وہی ہے جو علماء اہل سنت و جماعت کی تحقیق ہے اس کے خلاف جو کچھ ہے یا الحاد و بیدینی ہے یا سکر اور غلبہ حال سے ناشی ہے

بہت سے جاہل صوفی طریقہ سنت و شریعت سے ہٹ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے تھے اور اسکو وصول الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے تھے، اور آج بھی یہ ہو رہا ہے، حضرت مجدد قدس سرہٗ اس کے متعلق فرما گئے ہیں۔

ریاضات و مجاہدات کہ با ورائے تقلید سنت
اختیار کنند معتبر نیست کہ جوگیہ و براہمہ ہنود
و فلاسفہ یونان دریں امر شرکت دارند و آں
ریاضات در حق ایشاں جز ضلالت نمے افزاید
و بغیر خسارت راہ نمے نماید۔
(مکتوب ۲۲۱ دفتر اول ص ۲۳۶)

طریقہ سنت سے ہٹ کر جو ریاضتیں اور مجاہدے
لوگ کرتے ہیں ان کا کچھ وزن و اعتبار نہیں،
ایسی ریاضتیں یونان کے فلسفی اور ہندوستان
کے برہمن اور جوگی بھی کرتے ہیں لیکن سوائے
گمراہی اور خسارہ کے ان کو ان سے کچھ حاصل نہیں
ہوتا۔

نیز حضرت قدس سرہٗ نے متعدد مکاتیب میں یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ ان غیر شرعی ریاضات و مجاہدات یا اسی قسم کے دوسرے نامشروع ذریعوں سے جو مکاشفات و تجلیات اور جو احوال و مواجید حاصل ہوں وہ خدا کا انعام نہیں ہیں بلکہ وہ استدراجات ہیں اور خدا کے دشمنوں (جوگیوں سادھوؤں وغیرہ) کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں ـــــ چنانچہ ایک موقع پر فرماتے ہیں:۔

احوال و مواجید کہ بر اسباب نامشروعہ
مترتب شوند نزد فقیر از قبیل استدراجات
است چہ اہل استدراج را نیز احوال و
اذواق دست مید ہد...... حکماء یونان
و جوگیہ و براہمہ ہنود دریں معنی شریک اند
علامت صدق احوال موافقت علوم
شرعیہ است با اجتناب از ارتکاب امور
محرمہ و مشتبہہ۔

نامشروع طریقوں پر جو احوال و کیفیات مترتب
ہوں وہ فقیر کے نزدیک استدراج کے قبیلہ سے
ہیں کیونکہ اہل استدراج کو بھی احوال و کیفیات
ہاتھ آتے ہیں... حکمائے یونان اور ہندوستان
کے سادھو اور جوگی اس معاملہ میں شریک ہیں احوال
و کیفیات کی سچائی اور مقبولیت کی علامت حرام اور
مشتبہ امور سے مکمل پرہیز کے ساتھ ساتھ علوم شرعیہ
سے ان احوال کی موافقت اور مطابقت ہے۔

پھر اسی سلسلہ میں سماع و رقص اور نغمہ و سرود کے متعلق (جو اس طبقہ میں جائے عام کی حیثیت رکھتا ہے) فرماتے ہیں:۔

سماع و رقص فی الحقیقت داخل لہو و لعب است
...... و آیات و احادیث و روایات فقہیہ
در حرمت غنا بسیار است بحدے کہ احصائے
آن متعذر است..... فقیہے در ہیچ وقتے و
زمانے فتویٰ باباحت سرود نہ دادہ است و
رقص و پاکوبی را مجوز نداشتہ..... و عمل صوفیہ
در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است
کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نکنیم و امر
ایشاں را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض داریم
اینجا قول امام ابی حنیفہ و امام ابی یوسف و
امام محمد معتبر است نہ عمل ابو بکر شبلی و ابی
حسن نوری، صوفیان خام این وقت عمل
پیران خود را بہانہ ساختہ سرود و رقص را دین
و ملت خود گرفتہ اند و طاعت و عبادت ساختہ
اولئک الَّذین اتخذوا دینہم لہواً
ولعبا" (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول ص ۳۳۵)

سماع و رقص فی الحقیقت "لہو و لعب" میں داخل ہے
..... اور اس کی حرمت کے بارے میں آیتیں حدیثیں
اور فقہی روایات اس کثرت سے ہیں کہ اس کا شمار
بھی مشکل ہے..... کسی زمانہ میں بھی کسی فقیہ نے
سرود و رقص کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے.....
اور صوفیوں کا عمل حلت و حرمت میں کوئی سند نہیں
یہی بہت ہے کہ ہم ان کو معذور رکھیں اور ملامت
نہ کریں اور ان کے معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دیں
..... یہاں تو امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسف اور امام
محمد رحمہما اللہ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلی
اور ابو الحسن نوری کا عمل — اس زمانہ کے کچے صوفی
اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ کر کے سرود و رقص کو
اپنا دین و مذہب بنائے ہوئے ہیں اور اسکو
طاعت و عبادت سمجھے ہوئے ہیں — آہ —
یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا دین لہو و لعب
بنا لیا ہے۔

انہی صوفیان خام، پرستاران سرود و نغمہ کی کوتاہ نصیبی پر دوسری جگہ اس طرح نوحہ فرماتے ہیں:-

جمعے ازیں طائفہ تسکین اضطراب خود
را در پردہائے نغمہ و وجد و تواجد جستند و
مطلوب خود را در پردہائے نغمہ مطالعہ

افسوس، اس طائفہ صوفیہ میں بہت سے ایسے ہیں
جو اپنی بے چینی کا علاج سماع و نغمہ اور وجد و
تواجد میں ڈھونڈتے ہیں اور اپنے محبوب کو

نمودند لاجرم رقص و رقاصی را دیدن خود کردند ہا آنکہ شنیدہ باشند ما جعل اللہ فی الحرام شفاء ...... اگر شمّۂ از حقیقت صلوٰتیہ برایشاں منکشف شدے ہرگز دم از سماع و نغمہ نزدندے ...... ع

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اے برادر ہر قدر کہ فرق درمیان نماز و نغمہ است ہماں قدر فرق درمیاں کمالات کہ تناشے آں نماز است و کمالاتیکہ نشائے آں نغمہ است بہاں العاقل تکفیہ الاشارہ

(مکتوب ۲۶۱ دفتر اول ص ۳۰۲)

نغموں کے پردوں میں دیکھنا چاہتے ہیں اور اس لئے رقص و رقاصی کو انھوں نے اپنا طریقہ بنالیا ہے حالانکہ انھوں نے یہ حدیث سنی ہوگی کہ "اللہ تعالیٰ نے کسی حرام چیز میں شفا نہیں رکھی" ...... کاش ان پر نماز کی حقیقت کا ایک شمہ بھی منکشف ہوجاتا تو ہرگز وہ سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے ——

"جب حقیقت کا راستہ انکو نہیں ملا تو غلط راستہ پر پڑ لئے"

برادر عزیز! جتنا فرق نماز اور نغمہ میں ہے اسی قدر فرق نماز سے حاصل ہونے والے کمالات اور نغمہ سے پیدا ہونے والے احوال میں سمجھو، بس عاقل کو اشارہ کافی ہے۔

درحقیقت ان متصوفہ کی ان تمام غلط فہمیوں اور گمراہیوں کی اصل و اساس ایک ہی تھی کہ یہ شریعت و طریقت کو الگ الگ سمجھتے تھے، اور ارباب معرفت و سالکین راہ طریقت کے لئے ظاہر شریعت کا اتباع ضروری نہیں جانتے تھے، اس لئے حضرت مجدد قدس سرہٗ نے اس بنیادی گمراہی کے خلاف بہت زیادہ زور قلم صرف فرمایا، آپ کے مکتوبات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو جتنی بحث اس مسئلہ پر نکلے گی غالباً اتنی کسی موضوع پر نہ ہوگی، یہاں صرف بطور نمونہ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں،

وصول باین نعمت عظمیٰ وابستہ اتباع سید اولین و آخرین است علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا تا تمام خود را در شریعت گم نسازد و با متثال

اس نعمت عظمیٰ کا حاصل ہونا سردار اولین و آخرین خاتم انبیاء و مرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے وابستہ ہے سالک جبتک کہ اپنے کو شریعت میں بالکل گم نکردے اور اپنی زندگی کو بالکل شریعت

و امروز انتہا از ذوالہی متحلی نگردد بوئے	کے مطابق نہ بنالے اس نعمت کی خوشبو بھی
ازیں دولت بمشام جاں او نرسد"	نہیں سونگھ سکتا۔

(مکتوب ۲۳۹ دفتر اول ص۱۰۱)

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں :-

اے فرزند آنچہ فردا بکار خواہد آمد متابعت	اے فرزند جو چیز کل کام آنے والی ہے وہ صرف
صاحب شریعت است علیہ الصلوٰۃ والسلام	صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے،
والتیہ احوال و مواجید وعلوم و معارف و اشارات	باقی احوال و کیفیات اور علوم و معارف اور اشارات
و رموز اگر بآں متابعت جمع شوند فبہا و نعمت	اگر اس پیروی کے ساتھ ہوں تو خیر او رخوب ،
والا جز خرابی و استدراج ہیچ نیست"	ورنہ سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں

(مکتوب ۱۹۴ دفتر اول ص۱۶۵)

ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں :-

فضیلت منوط بمتابعت سنت اوست و	ہر فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی
مزیت مربوط باتیان شریعت او علیہ الصلوٰۃ	سے اور ہر کمال آپ کی شریعت کے اتباع سے وابستہ
والسلام مثلاً خواب نیم روزے کہ ادر رشئے	ہے مثلاً سنت نبوی کے اتباع کے طور پر دو پہر کا سونا
ایں متابعت واقع شود از کرور کرور احیاء لیالی	کروڑوں رات جاگنے سے بہتر اور افضل ہے جبکہ یہ
کہ نہ از متابعت است اولیٰ و افضل است"	شب بیداری شریعت کی پیروی کے بغیر ہو۔

(مکتوب ۱۱۴ جلد اول ص۱۳۵)

الغرض حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے تصوف کے متعلق یہ اور ان کے علاوہ اور بہت سی اصلاحیں فرمائیں اور حق یہ ہے کہ سیکڑوں برس سے جو آلائشیں اس میں باہر سے داخل ہو گئی تھیں اُن سب کو چھانٹ کر نہایت صاف اور ستھرا اسلامی تصوف دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

فتنۂ رفض و تفضیلیت

کے خلاف

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا جہاد

اس سے پہلے بعض مضامین کے ضمن میں ان اسباب کی طرف اشارات گذر چکے ہیں جن کی وجہ سے دورِ اکبری میں شیعوں کو مغلیہ حکومت کے اندر عمل دخل کا موقعہ ملا، اور عہد جہانگیری میں "نور جہاں" کے طفیل حکومت کی باگ ہی شیعوں کے ہاتھ میں چلی گئی بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ جہانگیر کے نام سے "نور جہاں" کا شیعی گھرانہ ہی اس وقت ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا، خود جہانگیر کا اعتراف ہے۔

دروولت پادشاہی من حالا در دست ایں سلسلہ است، پدر دیوان کل، پسر وکیل مطلق و دختر ہمراز و مصاحب،
(تزک جہانگیری)

اب میری ساری بادشاہی اسی سلسلہ (نور جہاں اور اس کے گھر والوں) کے ہاتھ میں ہے اس کا باپ دیوان کل ہے، اور بیٹا (نور جہاں کا بھائی آصف خاں) وکیل مطلق ہے اور بیٹی (خود نور جہاں) ہمراز و ہم صحبت۔

جبکہ "تاج و تخت" پر اس طرح شیعیت کا قبضہ تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ الناس علی دین ملوکھم کے فطری اور طبعی اصول پر عوام میں رفض کے جراثیم نہ پھیلتے۔ چنانچہ شیعی خیالات عوام سنیوں میں بھی سرایت کرنے لگے ــــ حضرت علی مرتضیٰؓ کی افضلیتِ مطلقہ کا عقیدہ اور جن صحابہ کرام کے آپ سے اختلافات ہوئے ان کی طرف سے بغض و عداوت اور اس قسم کے شیعیت کے دوسرے مبادی بھی وبائے عام کی طرح سنیوں میں پھیلنے لگے،

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ کھڑے ہی اس لئے کئے گئے تھے کہ اس قسم کے تمام فتنوں اور ساری گمراہیوں کا قلع قمع کرکے دین کو پھر سے تر وتازہ اور ملت کو از سر نو زندہ کریں اس لئے اس فتنۂ تشیع کے استیصال کی طرف بھی آپ نے خاص توجہ مبذول فرمائی اس سلسلہ میں آپ کی کوششیں تین طرح ظہور پذیر ہوئیں،

(۱) شیعی علماء سے آپ نے عام و خاص مجلسوں میں بالشافہ مناظرے اور مباحثے کئے جن میں ان کو فاش شکستیں دیں اور حق یہ ہے کہ آپ کے اسی اقدام نے شیعیت کی ترقی کو بڑی حد تک روک دیا اور اسی ایک ضرب نے اس کی کمر توڑ دی۔

(۲) مشہد کے بعض شیعی علماء نے ماوراء النہر کے سنی علماء کے ایک رسالہ کے جواب میں ایک نہایت پُر فریب اور سراپا تزویر رسالہ لکھا جس کا حاصل خود حضرت مجدد کے لفظوں میں "حضرات خلفاء ثلثہؓ کی تکفیر اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مذمت و تشنیع تھی" ——— اس رسالہ کو ہندوستان کے شیعوں نے خوب پھیلایا اور خصوصاً امراء و حکام اور ارکان سلطنت کی مجالس میں اس کو خوب شہرت دی گئی یہاں تک کہ ہر طرف اور ہر جگہ اسی کا چرچا ہونے لگا ——— حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے پہلے تو خاص مجلسوں اور عام مجمعوں میں اس کا رد بیان کرنا شروع کیا اور اس کی مغالطہ آفرینیوں اور ابلہ فریبیوں کا پردہ خوب خوب چاک کیا ـــ پھر اس کے بعد ایک مستقل رسالہ اس کے جواب میں لکھ کر شائع کیا۔ اس رسالہ کی اہمیت کا اندازہ بس اسی سے ہوسکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ جیسے جلیل القدر امام نے اس کی شرح لکھی ہے۔

(۳) اپنے سینکڑوں مکاتیب میں حضرت مجددؒ نے شیعی اصول و خیالات کی نہایت مدلل اور محققانہ تردید کی اور شیعوں کے بے پناہ پروپیگنڈے کی وجہ سے جو غلط خیالات خود سنیوں میں پیدا ہو رہے تھے نہایت حکمت کے ساتھ کتاب و سنت اور عقل سلیم کی روشنی میں ان کی اصلاح فرمائی۔

اور معلوم ہے کہ آپ کے مکاتیب اگرچہ کسی خاص ہی شخص کے نام لکھے جاتے تھے اور بظاہر

ان کی حیثیت نجی خطوط ہی کی ہوتی تھی لیکن ان کی اشاعت و تداول اور نقل در نقل کا ایسا اہتمام تھا کہ گویا اس "غیر اخباری" زمانہ میں آپ کے یہاں سے "مجدد گزٹ" نکلتا تھا آپ کے خلفاء تمام اطراف ملک میں بلکہ ہندوستان سے باہر ماوراء النہر، بدخشاں، خراسان توران اور طالقان وغیرہ وغیرہ میں بھی پھیلے ہوئے تھے، یا یوں کہئے کہ ایک خاص نظام اور نقشہ کے مطابق آپ نے ان کو مختلف مرکزوں میں بٹھا دیا تھا اور یہ سب ہی مختلف ذرائع سے مکتوبات شریف کی نقلیں حاصل کرتے رہتے تھے، اس لئے آپ کے مکاتیب کی حیثیت فی الحقیقت نجی نہ تھی، بلکہ درحقیقت وہ تبلیغ و اشاعت کا ایک نہایت منظم اور مؤثر سلسلہ تھا ——— بہرکیف اس سلسلہ کے ذریعہ سے بھی آپ نے فتنۂ رفض کی بڑی روک تھام کی، اور اس وقت کے حالات کو پیش نظر رکھ کر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اس طرف متوجہ نہ ہوتے تو اکبری الحاد سے جو مسلمان بچے تھے ان میں سے اکثر شیعیت کے جال میں پھنس چکے ہوتے۔

اس سلسلہ میں حضرت علیہ الرحمہ نے متفرق طور پر جو کچھ ارقام فرمایا ہے، اگر اس سب کو جمع کیا جائے، تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے، یہاں چند عنوانات کے ماتحت آپ کے مکتوبات گرامی کے چند ہی اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

فی زماننا ان مجددی ارشادات کی اشاعت اس لئے بھی ضروری ہے کہ آجکل بعض "تجارت پیشہ مدعیان فقر و تصوف" اپنی تجارت کی گرم بازاری کے لئے، اور بعض "موروثی پیر" اپنی جہالت و بے خبری اور ہوا پرستی کے باعث اوعا "سنیت و حنفیت" کے ساتھ ساتھ اونہی عقائد و خیالات کے حامل بلکہ مبلغ بنے ہوئے ہیں جو دور اکبری اور عہد جہانگیری میں بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے شیعوں نے سنیوں میں پھیلائے تھے، بلکہ اب تو پوری بلند آہنگی کے ساتھ یہ دعوے بھی کئے جا رہے ہیں کہ ہمیشہ سے اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کا یہی مشرب رہا ہے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات کے مطالعہ سے ناظرین

کرام کو معلوم ہو جائے گا کہ اہل اللہ اور عرفاء امت کے نزدیک اس باب میں مسلک صحیح اور صراط مستقیم کیا ہے، اور اس مقدس گروہ کی نظر میں یہ خیالات، جن کو آج بعض حلقوں میں لازمۂ تصوف سمجھا جانے لگا ہے، کس درجہ گمراہانہ اور صحیح اسلامیت سے دور ہیں واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

افضلیت شیخین (رضی اللہ عنہما)

شیعیت کی پہلی سیڑھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت مطلقہ کا اعتقاد ہے اور چالاک روافض عوام سنیوں کو سب سے پہلے اسی عقیدے پر جمانے کی کوشش کرتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی مرتضیٰؓ کی قرابت قریبہ اور بعض دوسری وجوہ سے وہ اس ابلہ فریبی میں کسی قدر آسانی سے کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر جب ایک شخص اتنی بات کو مان لیتا ہے کہ حضرت علیؓ بلا استثنا تمام صحابہ کرام میں افضل تھے تو لازمی طور پر وہ اس نتیجہ پر بھی پہنچ جاتا ہے کہ صحابہ کرام نے خلافت کے انتخاب میں ان کے ساتھ بے انصافی کی یا کم از کم یہ کہ صحیح انتخاب نہیں کیا۔ اور جمہور صحابہ سے بدظنی اور بغض و عداوت ہی شیعی مذہب کا سنگ بنیاد ہے، بہرحال شیعیت کا پہلا دروازہ یہی عقیدہ "تفضیل" ہے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے بلا مبالغہ پچاسوں جگہ اپنے مکتوبات میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔ جن میں سے صرف چند اقتباسات ملاحظہ ہوں ــــ دفتر دوم کے پندرھویں مکتوب گرامی میں جو حکام بلدۂ سامانہ کے نام لکھا گیا ہے ارقام فرماتے ہیں :۔

افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است چنانچہ نقل کردہ آنرا جماعت از اکابر ائمہ کہ یکے از ایشاں امام شافعی است قال الشیخ الامام ابو الحسن الاشعری ان تفضیل ابی بکر ثم عمر	حضرات شیخین (سیدنا ابوبکرؓ و سیدنا عمرؓ) کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہے جیسا کہ اکابر ائمہ کی ایک جماعت نے اس کو نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعی بھی ہیں، اور امام ابو الحسن اشعری نے فرمایا ہے کہ حضرت صدیقؓ و فاروقؓ

على بقية الامة قطعي، وقد تواتر
عن على رضي الله عنه في خلافته
وكرسي مملكته، وبين الجم الغفير
من شيعته ان ابابكر وعمرؓ
افضل الامة (دفتر دوم ص۳۶)

کی افضلیت باقی تمام امت پر قطعی (غیر مشتبہ اور یقینی)
ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تواتر کے طور پر
ثابت ہے کہ آپ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں، خاص اپنے
دار الخلافت میں اور اپنے متبعین کی کثیر جماعت کے
سامنے اعلان فرمایا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ بزرگترین امت ہیں

اسی دفتر میں ایک طویل مکتوب آپ نے رکن سلطنت خان جہاں کو لکھا ہے جس میں آپ نے تمام ضروری عقائد تحریر فرمائے ہیں بلکہ اس لحاظ سے اگر اس کو "مجددی عقائد نامہ" کہا جائے تو بجا ہوگا۔ اس میں خلافت راشدہ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق فرماتے ہیں:۔

امام برحق و خلیفہ مطلق بعد از حضرت خاتم الرسل
علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات حضرت
ابوبکر صدیق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد
ازاں حضرت عمر فاروق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بعد ازاں حضرت عثمان ذو النورین است
رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت علی بن ابی
طالب است رضوان اللہ تعالیٰ علیہ و افضلیت
ایشاں بترتیب خلافت است افضلیت
حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ
است ..... حضرت ..... امیر کرم اللہ وجہہ میفرماید
کسیکہ مرا بر ابی بکرؓ و عمرؓ فضل دہد مفتری
است اورا تازیانہ زنم چنانکہ مفتری

حضرت خاتم الانبیاء (علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات)
کے بعد خلیفہ مطلق اور امام برحق حضرت ابوبکر صدیق
ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ ان کے
بعد حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب
رضی اللہ عنہ، اور ان حضرات کی افضلیت بھی اسی ترتیب
سے ہے یعنی سب سے بڑا درجہ حضرت صدیق اکبرؓ کا ہے
ان کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ
کا بعد ازاں حضرت علی مرتضیٰ کا (رضی اللہ عنہم اجمعین)
اور شیخین کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع و اتفاق
سے ثابت ہے ... حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو
کوئی مجھے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ پر فضیلت دیگا وہ
مفتری ہے اور میں اس کو کوڑوں کی سزا دلواؤں گا جس طرح

رابو شند" (مکتوب نمبر ۳۶ دفتر دوم ص۱۱)

افترا کرنے والوں کو دیجاتی ہے۔

بعض "الہامی معارف"

افضلیت شیخین اور حضرات خلفاء اربعہ کے باہمی فرق مراتب کے متعلق کہیں کہیں آپ نے "رسمی علوم" اور "اصطلاحی دلائل" سے گذر کر "اسرار و لطائف" کے رنگ میں بھی کلام کیا ہے منجملہ اُن کے دفتر اول کے ایک مکتوب میں تو اسی رنگ میں اتنا لکھا ہے کہ گویا "الہامی معارف" سا چشمہ ہی پھوٹ پڑا ہے، یہ مکتوب حضرت خواجہ محمد اشرف کابلیؒ کے نام ہے، اس کے بعض حصے تو عام افہام، بلکہ متوسطین کی عقول سے بھی بالاتر ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جن کو اوساطِ ناس بھی سمجھ سکتے ہیں یہاں اسی حصہ کا اقتباس درج کیا جاتا ہے (ترجمہ بطور حاصل مطلب عرض کیا جائے گا)

بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات معلوم اخوی ارشدی خواجہ محمد اشرف باد بعضے از علوم غریبہ و اسرار عجیبہ و مواہب لطیفہ و معارف شریفہ کہ اکثر انہا تعلق بفضائل و کمالات حضرات شیخین و ذی النورین و حیدر کرارؓ داشتہ بحسب فہم قاصر خود می نویسد بگوش ہوش استماع فرمایند — کہ حضرت صدیق و فاروق باوجود حصول کمالات محمدی و وصول بدرجات ولایت مصطفوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام درمیان انبیاء ما تقدم در طرف ولایت مناسبت بحضرت ابراہیم صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیٰ نبینا و علیہ دارند و در طرف دعوت کہ مناسب مقام نبوت

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد برادر باسعادت خواجہ محمد اشرف کو معلوم ہو کہ حضرات خلفاء اربعہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے فضائل و کمالات کے متعلق بعض خاص علوم و معارف اور حق تعالیٰ کے بخشے ہوئے عجیب و غریب اسرار و لطائف حوالہ قلم کرتا ہوں توجہ سے سنیں — حضرت صدیق اکبر و حضرت فاروق اعظم (رضی اللہ عنہما) کو اگرچہ کمالات محمدی حاصل ہیں اور یہ حضرات ولایت مصطفوی کے درجات اگرچہ طے کر چکے ہیں، تاہم انبیاء سابقین میں ان کو بلحاظ ولایت حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ سے اور باعتبار دعوت (جو مقام نبوت سے متعلق ہے) حضرت موسیٰؑ سے مناسبت اور مشابہت حاصل ہے

است مناسبت بحضرت موسیٰ دارند صلوات اللہ
تعالیٰ وتسلیماتہ علی نبینا وعلیہ وحضرت ذوالنورین
در ہر دو طرف مناسبت بحضرت نوح دارند
صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علی نبینا وعلیہ، و
حضرت امیر در ہر دو طرف مناسبت بحضرت
عیسیٰ دارند صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علی نبینا
وعلیہ، و چوں حضرت عیسیٰ روح اللہ است و
کلمہ او لاجرم طرف ولایت در ایشاں غالب
است از جانب نبوت در حضرت امیر نیز بواسطہ
آں مناسبت طرف ولایت غالب است"

اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو "ولایت"
"و دعوت" دونوں میں حضرت نوح علیہ السلام سے
مناسبت خاصہ ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کو نبوت
و دعوت دونوں کے اعتبار سے حضرت عیسیٰؑ سے
خاص مناسبت ہے --- اور چونکہ حضرت عیسیٰ روح اللہ
اور کلمۃ اللہ ہیں اس لئے بہ نسبت جہت نبوت
کے ان میں ولایت کی جہت غالب ہے اور اسی
مناسبت سے حضرت علی مرتضیٰ میں بھی ولایت کی
جہت غالب ہے۔

پھر ایک دقیق تحقیق کے بعد فرماتے ہیں:۔

حضرت صدیقؓ و فاروقؓ حامل بار نبوت محمدی
اند علی اختلاف المراتب وحضرت امیر بواسطہ
مناسبت حضرت عیسیٰ وغلبہ جانب ولایت
حامل بار ولایت محمدی اند وحضرت ذوالنورین
باعتبار برزخیت حمل بار ہر دو طرف فرمودہ
اند و تواند بود کہ باین اعتبار نیز ایشاں را
ذوالنورین گویند

حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ علی فرق مراتب نبوت
محمدی کے بار کے حامل ہیں، اور حضرت علی مرتضیٰ مناسبت
عیسوی اور غلبہ جانب ولایت کی وجہ سے ولایت محمدی
کے بار کے حامل ہیں اور حضرت عثمان ذوالنورین اپنی
"درمیانی حیثیت" کی وجہ سے نبوت محمدی اور ولایت
محمدی دونوں نسبتوں کے حامل ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ اس
لحاظ سے بھی ان کو ذوالنورین کہیں۔

پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:۔

و چوں امیر حامل بار ولایت محمدی بودہ اند
اکثر سلاسل اولیاء بایشاں منتسب گشت و

اور چونکہ حضرت علی مرتضیٰ پر ولایت محمدی کی نسبت کا
اثر غالب ہے اس لئے اولیاء اللہ کے اکثر سلسلے انہی

کمالات حضرت امیر بیش از کمالات حضرت
شیخین بر اکثر اولیاء عزلت کہ کمالات ولایت
مخصوص اند ظاہر شد اگر نہ اجماع اہلسنت
بر افضلیت شیخین بودے کشف اکثر اولیاء عزلت
با فضیلت حضرت امیر حکم کردے زیرا کہ کمالات
حضرات شیخین شبیہ کمالات انبیاء است علیہم
الصلوٰت والتسلیمات دست ارباب ولایت
اندامان آن کمالات کوتاہ است وکشف ارباب
کشوف بواسطہ علو درجات آنہا در راہ، کمالات
ولایت در جنب آن کمالات کالمطروح
فی الطریق اند، کمالات ولایت زینہا انداز
برائے عروج بر کمالات نبوت، پس مقدمات
را از مقاصد چہ خبر بود و مبادی را از مطالب
چہ شعور، امروز این سخن بواسطہ بعد عہد نبوت
بر اکثرے گرانست و از قبول دور لیکن چہ
تواں کرد

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت ہمہ میگویم

اما الحمد للہ سبحانہ والمنۃ کہ درین گفتگو
بعلمائے اہلسنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم موافقم
و بہ اجماع ایشان متفق استدلالی ایشان را بریں

نسبت رکھتے ہیں اور بہت سے گوشہ گیر اولیاء پر جنکو
صرف کمالات ولایت ہی سے حصہ ملا ہے (اور کمالات
نبوت سے ان کو مناسبت نہیں ہے) حضرت امیرؓ کے
کمالات، حضرات شیخین سے زیادہ ظاہر ہوتے ہیں۔
حتیٰ کہ اگر شیخین کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا
تو ان اکثر اولیاء کا کشف حضرت علی مرتضیٰ ہی کی افضلیت
کا فیصلہ کرتا۔ کیونکہ حضرات شیخین کے کمالات انبیاء
علیہم السلام کے کمالات کے مشابہ ہیں اور ان ارباب
ولایت کی دسترس وہاں تک نہیں ہے، اور نیز ان کشف
والوں کے کشف کی پرواز بھی ان پیغمبرانہ کمالات
کی بلندی سے نیچے ہی نیچے ہے، ہاں! ہاں!! کمالات
ولایت اور کمالات نبوت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ
اور پیش پا افتادہ ہیں، کمالات ولایت تو کمالات
نبوت کی بلندیوں تک پہنچنے کے لئے زینے ہیں، اور
ان دونوں میں مقدمات اور مقاصد، یا مبادی اور
مطالب کی نسبت ہے، نبوت کی روشنی سے دوری کے
باعث بہت ممکن ہے کہ آج یہ بات بہت سوں پر
گراں ہو اور وہ اس کو ماننے کے لئے تیار نہوں لیکن میں
کیا کروں اور کیا کر سکتا ہوں میری مثال تو طوطی کی سی
ہے سکھانے والے نے جو اس کو سکھایا ہو وہی اس نے بول دیا
بہر حال اللہ کا شکر اور اس کا احسان ہے کہ میں اس بارہ

کشفے ساختہ اند واجمالی راتفصیلی۔ ایں فقیر را
تا زمانیکہ بکمالات مقام نبوت بتابعت پیغمبر
خود نرسانیدند وازاں کمالات بہرۂ تام
نداد ند بر فضائل شیخین بطریق کشف اطلاع
نہ بخشیدند وغیر از تقلید راہے نہ نمودند۔
الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا
لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد
جاءت رسل ربنا بالحق۔
روزے شخصے نقل کرد کہ نوشتہ اند
کہ نام حضرت امیر بر در بہشت ثبت کردہ اند
بخاطر رسید کہ حضرات شیخین را خصائص
آں موطن چہ باشد بعد از توجہ تام ظاہر شد کہ
دخول ایں امت در بہشت باستصواب
وتجویز ایں دو اکابر خواہد بود گویا حضرت
صدیق بر در بہشت ایستادہ اند و تجویز
دخول مردم مے فرمایند وحضرت فاروق دست
گرفتہ بدرون مے برند، ومشہود دیگر بود کہ
گویاں تمام بہشت پر نور حضرت صدیق مملو است
در نظر ایں حقیر حضرات شیخین را درمیان
جمیع صحابہ شان علیحدہ است ودرجہ منفرد
گویا ہیچ احدے شراکت ندارند۔

میں حضرات علماء اہلسنت کی رائے کے موافق ہوں اور ان کے
اجماع سے متفق، ہاں ان کو جو چیز استدلال سے معلوم ہوئی
تھی مجھ پر اسکو منکشف کر دیا گیا ہے اور جو بات ان کو بالاجمال
دریافت ہوئی تھی وہ مجھ پر بالتفصیل ظاہر کر دی گئی ہے
اس فقیر کو جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت
اور آپ کے طفیل میں کمالات مقام نبوت تک پہنچا نہیں
دیا گیا اور ان سے کافی حصہ عنایت نہیں فرمادیا گیا
کشفی طور پر فضائل شیخین کی اطلاع ہی نہیں دی گئی
اور اس بارہ میں سوائے تقلید کے کوئی راہ ہی نہیں
دکھلائی گئی، پس حمد ہے اس خدا کو جس نے ہم کو ہدایت
دی اور اگر وہ رہنمائی نہ فرماتا تو ہم راہ یاب نہیں ہو سکتے تھے،
ایک دن ایک شخص نے نقل کیا کہ لکھنے والوں نے لکھا
ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کا نام نامی جنت کے دروازے
پر لکھا ہوا ہے، دل میں خیال آیا کہ پھر یہاں حضرات شیخین کو
کیا خصوصیت حاصل ہوگی؟ توجہ سے معلوم ہوا کہ جنت
میں اس امت کا داخلہ انہی ہر دو بزرگوں کی تجویز اور
صوابدید سے ہوگا، گویا صدیق اکبر جنت کے دروازہ
پر کھڑے ہیں اور لوگوں کا داخلہ تجویز کرتے اور حضرت
فاروق گویا ہاتھ پکڑ کر ان کو اندر لیجاتے ہیں اور یہ
نظر آتا ہے کہ گویا ساری جنت حضرت صدیق اکبر کے نور سے
معمور ہے، اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخین کی شان تمام صحابہ

حضرت صدیقؓ با حضرت پیغمبر علیہ الصلوات والتسلیمات گویا ہمخانہ است اگر تفاوت است بعلو وسفل است، و حضرت فاروقؓ نیز بطفیل حضرت صدیقؓ باین دولت مشرف اند و سائر صحابہ کرام بآں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نسبت ہمسرائے او دارند یا ہم شہرے، باولیا امت خود چہ رسد ع
"این بسکہ رسد ز دور بانگ جرسم"
بس اینہا از کمالات شیخین چہ دریابند"

میں سب سے الگ اور بالکل نرالی ہے جس میں کسی کی کوئی شرکت نہیں۔

حضرت صدیقؓ اکبر تو گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم خانہ ہیں اور فرق ہے تو صرف نیچے اور اوپر کا یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل میں ہیں اور حضرت صدیق اسی محل کی تحتانی منزل میں اور حضرت فاروق بھی بطفیل حضرت صدیق اس دولت سے مشرف ہیں، اور باقی تمام صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ صرف ہمسرائی یا ہم شہر ہونے کی نسبت حاصل ہے، پھر اولیا امت کی وہاں کیا رسائی ع

ہے یہی کافی کہ آئے دور سے بانگ جرس

پس یہ ارباب ولایت جبکہ شیخین کی منزل سے اتنے دور ہیں تو ان کے کمالات کا کیا ادراک کر سکتے ہیں۔"

پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:-

و شیخین بعد از موت نیز از حضرت پیغمبر جدا نشدند و حشر نیز در میان ایشاں خواہد بود چنانچہ فرمودہ، پس افضلیت بواسطہ قربیت ایشاں زا بود ـــــ این قلیل البضاعت از کمالات ایشاں چہ گوید واز فضائل ایشاں چہ بیان نماید، ذرہ را چہ یارا کہ سخن از آفتاب گوید، وقطرہ

حضرات شیخین تو وفات کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوئے اور حضور قبر مبارک سے اس حال میں اٹھیں گے کہ ایک جانب حضرت صدیقؓ ہونگے اور دوسری طرف حضرت فاروقؓ جیسا کہ خود آنحضرتؐ نے ایک حدیث میں اسکی خبر دی ہے، پس اس نزدیکی اور دائمی حضوری کیوجہ سے افضلیت انہی کو ہے، یہ ناچیز حضرات شیخین کے فضائل کے متعلق کیا بیان کرے

را چہ مجال کہ حدیث بحر تمال بر زبان آرد
اولیاء کہ برائے دعوت خلق مرجوع
اند واز ہر دو طرف ولایت و دعوت
بہرہ دارند، وعلماء مجتہدین از تابعین
وتبع تابعین بنور کشف صحیح وفراست
صادقہ واخبار متتابعہ فی الجملہ کمالات
شیخین را دریافتہ اند، وشمہ از فضائل
ایشاں شناختہ ناچار حکم بافضیلت شان
نمودہ اند و بر ایں معنی اجماع فرمودہ اند
وکشفے کہ برخلاف ایں اجماع ظاہر شدہ
بر عدم صحت حمل نمودہ اعتبار نکردہ اند کیف
وقد صح فی الصدر الاول افضلیتھا
کما روی البخاری عن ابن عمر قال
کنا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم لا نعدل بابی بکرؓ احداً
ثم عمرؓ ثم عثمانؓ ثم نترک
اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم
لا نفاضل بینھم — وفی روایۃ
لابی داؤد قال کنا نقول ورسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی افضل
امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ

اور کیونکر لب کشائی کرے، ذرہ کو کہاں طاقت کہ آفتاب
کی باتیں کرے اور قطرہ کی کیا ہستی کہ عمان کے زخار سمندر کے
متعلق زبان کھولے، وہ اولیاء کرام جنکو "دعوت خلق"
کا کام سپرد ہے اور جنھیں "ولایت و دعوت" دونوں چیزوں
سے حصہ وافر ملا ہے انھوں نے کشف صحیح کی روشنی میں اور
تابعین و تبع تابعین میں سے ائمہ مجتہدین نے اپنی فراست
صادقہ اور احادیث وآثار متواترہ سے حضرات شیخین کے
کمالات دریافت کئے ہیں، اور ان کے فضائل میں سے
بہت تھوڑا سا حصہ انکے علم میں آیا ہو نا چار انھوں نے
حضرات شیخین کی افضلیت کا حکم لگایا اور اس پر اجماع
کیا اور طے کر دیا کہ اگر کسی کو اپنے کشف سے
اس کے خلاف ظاہر ہو تو وہ غیر صحیح اور نا معتبر
ہے — اور بھلا افضلیت شیخین کے خلاف کسی کا
کشف کیونکر معتبر ہو سکتا ہے حالانکہ صدر اول
(عہد نبوی) میں ان کی افضلیت مسلّم ہو چکی تھی جیسا
کہ امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ
ہم عہد نبوت میں ابو بکرؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے،
— پھر عمرؓ کو، پھر عثمانؓ کو، ان کے بعد تمام صحابہؓ
کو چھوڑ دیتے تھے اور ان میں سے کسی کو دوسرے پر
فضیلت نہیں دیتے تھے، اور ابو داؤد کی روایت میں
اس طرح ہے کہ جب رسول اللہ صلعم ہمارے درمیان اس

ابوبکرؓ ثم عمرؓ ثم عثمانؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم" | دنیا میں رونق افروز تھے تو ہم کہا کرتے تھے کہ اس امت میں افضل ترین ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ رضی اللہ عنہم اجمعین

(مکتوب ۲۵۱ ص ۲۶۹-۲۷۱)

افضلیت شیخین کے مسئلہ پر بعض اور مکاتیب میں بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس قسم کے معارف ارقام فرمائے ہیں، لیکن ہم بقصد اختصار یہاں انھیں اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں، اس آخری مکتوب کے اقتباسات سے دوسرے نادر فوائد اور عجیب و غریب اسرار ولطائف کے علاوہ ناظرین کرام کو اس سوال کا جواب بھی معلوم ہو گیا ہو گا، کہ اکثر سلاسل اولیا اللہ کا انتساب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کیوں ہے؟ اور عام ارباب ولایت کو جناب مرتضوی ہی سے زیادہ مناسبت کی وجہ کیا ہے؟ اور نیز اس مکتوب شریف سے یہ عقیدہ بھی حل ہو گیا کہ بعض ارباب ولایت پر حضرت علیؓ کے فضائل و کمالات بہ نسبت حضرات شیخین کے جو زیادہ منکشف ہوتے ہیں تو اس کا سبب اور منشا کیا ہے؟

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تحقیق (صرف غور و فکر والی تحقیق نہیں بلکہ الہامی تحقیق اور ربانی تلقین) کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرات شیخین کو چونکہ مقام نبوت سے زیادہ قرب ہے اور ان پر کمالات نبوت کا زیادہ غلبہ ہے اس لئے اُن کے کمالات خاصہ تک اُن عام ارباب ولایت کی رسائی ہی نہیں ہوتی جن کی پرواز صرف مقام ولایت تک ہے، اور چونکہ حضرت علی مرتضیٰؓ میں ولایت کی جہت ہی غالب ہے اور ان پر کمالات ولایت ہی کا غلبہ ہے اس لئے عام ارباب ولایت اُن کے کمالات و فضائل کا ادراک خوب کر سکتے ہیں، اسی واسطے حضرت امیرؓ کے فضائل و کمالات بہ نسبت حضرات شیخین کے ان پر زیادہ منکشف ہوتے ہیں، اور اسی قرب و مناسبت کا یہ اثر ہے کہ اولیا اللہ کے اکثر سلاسل حضرت علی مرتضیٰؓ سے نسبت رکھتے ہیں۔

حق تعالیٰ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے مرقد پاک کو منور فرمائے اس تحقیق انیق نے

کتنی الجھنیں صاف کردیں اور کتنی تاریکیوں کو روشنی سے بدل دیا — روح مجدد شاد باد!

حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے متعدد مکاتیب میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ "افضلیت شیخین کا عقیدہ اہل سنت کے "ضروریات" اور اجماعیات میں سے ہے اور اس سے اختلاف کرنے والا اہلسنت سے خارج ہے چنانچہ دفتر اول کے مکتوب ۲۹ میں ارقام فرماتے ہیں :-

کسیکہ حضرت امیرؓ را افضل از حضرت صدیقؓ گوید از جرگہ اہلسنت بر آید	جو کوئی حضرت علیؓ مرتضیٰ کو حضرت صدیقؓ اکبر سے افضل کہے وہ گروہ اہل سنت سے خارج ہے ۔

حضرت عثمان کی افضلیت :-

معلوم ہو چکا ہے کہ جمہور اہلسنت کے نزدیک حضرات خلفاء اربعہ کی فضیلت کی ترتیب بھی وہی ہے ، جو خلافت کی ترتیب ہے ، یعنی جس طرح شیخین کے بعد خلافت کے اعتبار سے حضرت عثمانؓ ذوالنورین کا نمبر ہے اسی طرح فضیلت کے لحاظ سے بھی ان کا تیسرا مرتبہ ہے اور حضرت علی مرتضیٰؓ چوتھے نمبر پر ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین) — لیکن بعض حضرات اہل علم سے حضرت عثمانؓ کی افضلیت کے بارہ میں تردد اور توقف بھی ظاہر ہوا ہے بظاہر تو یہ ایک غیر اہم سی بات ہے لیکن درحقیقت اس کا نتیجہ بھی جلیل القدر صحابہ کرام کا تخطیہ ہے کیونکہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہوتے ہوئے خلافت (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل نیابت وجانشینی) کے لئے حضرت عثمانؓ کا انتخاب جلیل القدر صحابہ کرام کی ایک مجلس شوریٰ ہی نے کیا تھا ، اگرچہ اس مجلس شوریٰ نے (جس میں خود حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ بھی شامل تھے) آخر کار انتخاب کے پورے اختیارات عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو دیدیئے تھے لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ نے تنہا اپنی رائے سے فیصلہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اس وقت مدینہ طیبہ میں ان کی نظر میں جو —— صاحب الرائے اور قابل مشورہ حضرات تھے خفیہ طور پر ان سب سے فرداً فرداً انھوں نے رائے حاصل کی ۔ اُن کا بیان ہے کہ " مجھے دو شخص بھی ایسے نہ ملے جو حضرت علیؓ کو حضرت

عثمانؓ پر ترجیح دیتے ہوں" —— اور اس لئے انھوں نے حضرت عثمانؓ کو ہی منصب خلافت تفویض کر دیا۔

بہر حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور بہ نسبت حضرت علی مرتضیٰؓ کے اُن کی فوقیت بھی گویا جمہور صحابہ کرام کی متفقہ رائے ہے، پس اس سے اختلاف کرنا گویا تمام صحابہ کرام کو خاطی قرار دینا ہے اور بلا شبہ شیعی خیالات کے دل میں گھسنے کے لئے یہ پہلا چور دروازہ ہے، اس لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس کا انسداد بھی ضروری سمجھا، اور صاف ارقام فرمایا:۔

اکثر علماء اہلسنت برآنند کہ افضل بعد از شیخین عثمانؓ است، بس علیؓ و مذہب ائمہ اربعۂ مجتہدین نیز ہمیں است و توقفے کہ در فضیلت عثمان از امام مالک نقل کردہ اند قاضی عیاض گفتہ کہ او رجوع کردہ است از توقف بسوئے تفضیل عثمان و قرطبی گفتہ است ہوالاصح انشاء اللہ تعالیٰ۔	اکثر علمائے اہلسنت اس مسلک پر ہیں کہ حضرات شیخینؓ کے بعد افضل ترین امت حضرت عثمانؓ ہیں، اور ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ اور ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے، اور بعض لوگوں نے جو امام مالکؒ سے افضلیت عثمان کے بارہ میں توقف نقل کیا ہے اس کے متعلق امام قاضی عیاض مالکی کا بیان ہے کہ امام مالک نے اس سے رجوع فرمایا اور مآخر الامر افضلیت عثمان کے قائل ہو گئے تھے، اور علامہ قرطبی نے بھی اس کی تصدیق اور تصحیح کی ہے۔

[یہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ اس بارہ میں حافظ علامہ ابن تیمیہ نے "منہاج السنۃ" میں اس کے متعلق حضرت امام مالکؒ کا جو ایک مقولہ نقل کیا ہے، اس کے بعد تو سکوت یا توقف کا احتمال باقی ہی نہیں رہا، منہاج" میں امام مالک کا ارشاد حضرت عثمان و حضرت علی کے باہمی تفاضل کے باب میں یہ منقول ہے " لا اجعل من خاض فی دماء المسلمین کمن لم یخض فیھا۔]

اس کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے حضرتِ امام اعظم ابو حنیفہؒ" کے ایک ارشاد سے پیدا ہونے والے ایک شبہ کا جواب دیا ہے، اس شبہ اور اس کے جواب کا حاصل یہ ہے:۔

" کہ حضرت امام اعظمؒ نے ارشاد فرمایا ہے، کہ اہل سنت و جماعت کی علامات

میں سے شیخین کی فضیلت کا اعتقاد اور ختنین (حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ)

سے محبت رکھنا بھی ہے"

بادی النظر میں اس سے شبہ ہوتا ہے کہ (حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ) کے مراتب میں شاید کوئی

فرق نہیں"۔ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

"کہ جن لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے انھوں نے حضرت امام کے اس ارشاد کی

روح اور اس کے محل کو نہیں سمجھا، اصل بات یہ ہے کہ اختلافات اور فتنے

سوءِ اتفاق سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ہی کے زمانہ میں ہوئے ہیں

اس وجہ سے بعض لوگوں کو ان بزرگوں کی طرف سے بدظنی اور کدورت پیدا

ہو سکتی ہے حضرت امام نے اس صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ختنین حضرت

عثمانؓ وحضرت علیؓ کی صرف محبت ومودت کو شعائر اہل سنت میں سے قرار

دیا ہے، اور اس جگہ ان ہر دو بزرگوں کے باہمی فرق مراتب سے نفیاً یا اثباتاً

کوئی بحث بلکہ اس کا کوئی لحاظ بھی نہیں ہے"

آخر میں حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:۔

کیف وکتب الحنفیۃ مشحونۃ بان افضلیتھم علی ترتیب خلافتھم

یعنی اور بھلا حضرت امام اعظم کے متعلق توقف یا عدم تفاضل مابین حضرت عثمانؓ

وحضرت علیؓ کا خیال کیونکر قائم کیا جا سکتا ہے، حالانکہ کتب حنفیہ اس

تصریح سے بھری پڑی ہیں کہ اُن کی فضیلت علیٰ ترتیب خلافت ہے"

باینہمہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہے کہ حضرت عثمان

کی افضلیت حضرت علیؓ وغیرہ دیگر صحابہ کرام پر اس درجہ یقینی اور قطعی نہیں ہے جس درجہ

کہ حضرات شیخین کی افضلیت جمیع صحابہ کرام پر چنانچہ اسی مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

بالجملہ افضلیت شیخین یقینی است وافضلیت   الحاصل حضرات شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت

حضرت عثمان دون اوست اما اوطا آن است کہ منکر افضلیت حضرت عثمان را بلکہ افضلیت شیخین را نیز حکم بکفر نکنیم و مبتدع وضال دانیم،

عثمانؓ کی فضیلت اس سے کم درجہ کی، تاہم زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ افضلیت حضرت عثمان کے منکر (بلکہ حضرات شیخین کی فضیلت کے بھی منکر) کو کافر نہ کہا جائے ہاں ہم اس کو صاحب بدعت اور گمراہ جانیں گے۔

بعض "صلح کل" اور "رواداری" و "وسیع الخیالی" کے مدعی کہا کرتے ہیں کہ یہ تفضیل کی بحث ہی فضول اور لغو ہے، ہم تمام صحابہؓ کو برابر سمجھتے ہیں، آجکل اس قسم کے "وسیع الخیالوں" کی بڑی کثرت ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ ایسوں کے متعلق اسی مکتوب شریف میں فرماتے ہیں،

وآنکہ ہمہ را برابر داند، وفضل یکے بر دیگرے فضولی انکارد بوالفضول است عجیب، بوالفضولی کہ اجماع اہل حق را فضولی داند (مکتوب ۲۶۶ ص ۳۴/۱)

اور جو شخص کہ سب کو برابر جانے اور ان کے باہمی تفاضل اور فرق مراتب کو فضول سمجھے وہ خود احمق اور بوالفضول ہے اور عجیب احمق کہ تمام اہل حق کے اجتماعی مسئلہ کو "فضول" کہتا ہے۔

مشاجرات صحابہ اور محاربین علی (رضی اللہ عنہم)

شیعہ صاحبان جن پہلوؤں سے عوام سنیوں کو ورغلایا کرتے ہیں اُن میں سے ایک مسئلہ صحابہ کرام کے اُن نزاعات اور محاربات کا ہے، جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں واقع ہوئے، حضرت علی مرتضیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب اور دوہری قرابت پھر اُن کے فضائل و کمالات، اور اُن کی اسلامی خدمات، اِن چیزوں کی وجہ سے ہر مسلمان کو جناب مرتضوی سے جو عقیدت و محبت ہوسکتی ہے ظاہر ہے۔ چالاک شیعہ اسی راہ سے ناواقف اور عوام سنیوں کے دلوں میں اترتے ہیں، اور صحابہ کرام کے اجتہادی اختلافات و نزاعات اور مشاجرات و محاربات کو اپنی حاشیہ آرائی کے ساتھ ان کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ابتداءً ان کے سادہ ذہن میں بس یہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ صحابہ میں گویا "دو پارٹیاں"

تھیں ایک "پارٹی" حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اور دوسری "پارٹی" اُن کے مخالفین کی اور یہ
دوسری پارٹی حضرت علیؓ سے بس خلافت چھیننا چاہتی تھی اور جمل وصفین کی لڑائیاں اور
دوسرے اختلافات سب اسی سلسلہ کے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام جو تفصیلی واقعات
اور اصل حقائق سے بیخبر ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ ان کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے
ساتھ سچی محبت اور پختہ عقیدت ہوتی ہے وہ حضرت علیؓ سے اختلاف کرنے والے صحابہ کرام
یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت معاویہؓ
وغیرہ سیکڑوں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدظن ہو جاتے ہیں، اور کبھی یہ بدظنی
بغض و بدگوئی تک پہنچ جاتی ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس اصولی گمراہی کے انسداد کے لئے بھی پورا زور قلم
صرف کیا ہے اور بلا مبالغہ بیسیوں بچاسوں مکتوبات میں ان مشاجرات و محاربات کی صحیح
نوعیت پر روشنی ڈالی ہے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں،

مکتوبات کے دوسرے دفتر میں حضرت کا ایک طویل مکتوب (جو چودہ صفحہ پر ہے
اور اس میں مسائل شیعہ اور شبہات شیعہ ہی پر بحث ہے) خواجہ محمد تقی کے نام ہے (یہ
حکومت وقت کے اعلیٰ عہدہ دار تھے جیسا کہ خود مکتوب کے ابتدائی حصہ سے معلوم ہوتا ہے)
اس مکتوب میں صحابہ کرامؓ کے اُن نزاعات اور مشاجرات کے متعلق ارقام فرماتے ہیں۔

اہلسنت شکر اللہ سعیہم مشاجرات و منازعات
اصحاب خیر البشر را بر محامل نیک محمول
میدارند و از ہوا و تعصب دور میدانند،
زیرا کہ نفوس ایشاں در صحبت خیر البشر
علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات مزکی
شدہ بود و سینہائے ایشاں از عداوت

اہلسنت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزاعات
و اختلافات کو اچھے محامل پر محمول کرتے ہیں اور
خواہش نفسانی و تعصب وغیرہ سے دور سمجھتے ہیں
کیونکہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے
اثر سے ان کے نفوس صاف ہو گئے تھے اور سینے
عداوتوں اور کینوں سے قطعی پاک۔

و کینہ پاک گشتہ غایت ما فی الباب چوں بہر کدام را رائے و اجتہاد بودہ و ہر مجتہد را عمل بموافق رائے خود واجب بضرورت در بعض امور بسبب مخالفت آراء مخالفت و مشاجرت لازم گشت و ہر یکے را تقلید رائے خود صواب آمد پس مخالفت شان در رنگ موافقت برائے حق بودہ نہ برائے ہوا و ہوس نفس امارہ ـــــ

بیش از یں نیست کہ ان میں سے ہر ایک کی ایک رائے تھی اور اپنا اپنا اجتہاد اور معلوم ہے کہ ہر مجتہد پر اپنے اجتہاد اور صوابدید کے مطابق عمل کرنا واجب ہے پس اختلاف آراء کی وجہ سے یہ مخالفت اور منازعت ناگزیر ہوئی اور ہر ایک نے اپنی رائے کے مطابق عمل کرنا ضروری سمجھا لہذا ان کی یہ مخالفت رائے حق کی موافقت کے رنگ میں تھی نہ کہ نفس امارہ کی خواہش سے۔

(مکتوب ۳۶ دفتر دوم ص ۸۵)

پھر چند سطر کے بعد ارقام فرماتے ہیں:۔

محاربان جم غفیر اند از اہل اسلام و اند اجلۂ اصحاب اند و بعضے از ایشاں مبشر بہ جنت بتکفیر و تشنیع ایشاں امر آساں نیست کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم، قریبا نصف دین و شریعت را نزدیک است کہ ایشاں تبلیغ کردہ باشند اگر ایشاں مطعون باشند اعتماد از شطر دین مے خیزد"

جن لوگوں کی حضرت علیؓ سے نزاعات ہوئے اور جنگ و قتال تک نوبت پہونچی وہ اہل اسلام کی بہت کثیر جماعت ہے اور انہیں سے بہت سے جلیل القدر صحابی ہیں اور ان میں سے بعض تو وہ ہیں جنکو دنیا ہی میں زبان نبوت سے جنت کی بشارت مل چکی ہے ان کی تکفیر اور علی ہذا انکو برا بھلا کہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔۔ دین و شریعت کا قریبا نصف حصہ ایسا ہوگا جو انہی کی وساطت سے امت کو پہنچا ہے اگر وہ بھی مجروح و مطعون ہو جائیں تو آدھا دین بے اعتبار ہو جائیگا۔

پھر اسی مکتوب میں چند سطر بعد فرماتے ہیں:۔

باید دانست لازم نیست کہ امیر در جمیع امور خلافیہ محق باشند و مخالف ایشاں بر خطا ہر چند

معلوم ہونا چاہیے یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام اختلافی امور میں حضرت علیؓ ہی برحق ہوں اور ان سے اختلاف

در امر محاربہ حق بجانب امیر بودہ زیراکہ
بسا است کہ در احکام خلافیہ صدر اول
علماء تابعین و ائمۂ مجتہدین مذہب غیر
امیر را اختیار کردہ اند و حکم بآں مذہب
کردہ اگر حق بجانب امیر متعین بودے
بخلاف آں حکم نہ کردے ۔۔۔۔ پس
بر مخالفت امیرؓ گنجایش اعتراض نباشد
و مخالفان مطعون و ملام نباشند"

کرنے والے ناحق پر، اگرچہ یہ مسلّم ہے کہ ان جنگوں
میں حق حضرت علیؓ ہی کی طرف تھا لیکن پھر بھی یہ نہیں
کہا جا سکتا کہ ہر اختلافی معاملہ میں وہی برسر حق تھے ہم
دیکھتے ہیں کہ بہت سی جگہ قرن اول کے اختلافی مسائل میں
علماء تابعین و ائمہ مجتہدین نے حضرت علیؓ کے مسلک کو
چھوڑ کر دوسرے مسلک کا اختیار کیا ہے اور اس کے مطابق حکم دیا ہے
حالانکہ اگر حق انہی کی جانب متعین ہوتا تو یہ حضرات ایسا
نہ کرتے ۔۔۔۔ پس صرف حضرت علیؓ سے اختلاف کرنے کی بنا
پر اعتراض کی گنجائش نہیں ہے اور ان اختلاف کرنے والوںؓ
طعن و ملامت کرنا روا نہیں ہو سکتا ۔

اسی دفتر کے مکتوب ۶۷ میں جو حضرتؒ نے خان جہاں کو لکھا ہے اور جو تمام ضروری
عقائد اہل سنت پر حاوی ہے فرماتے ہیں ۔

محاربات و منازعات کہ درمیان اصحاب
کرام علیہم الرضوان واقع شدہ اند مثل
محاربہ جمل و صفین بر محامل نیک صرف
باید نمود و از ہوا و تعصب دور باید داشت
چہ نفوس ایں بزرگواران در صحبت خیر البشر
علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات از ہوا و
ہوس مزکی شدہ بودند و از حرص و کینہ پاک
گشتند اگر مصالحت دارند برائے حق دارند
و اگر منازعت و مشاجرت است برائے

اور صحابہ کرام رضیہم اللہ اجمعین کے درمیان جو باہمی جنگیں
ہوئیں مثلاً جنگ جمل اور جنگ صفین ان سب کو اچھے
محامل پر محمول کرنا اور خود غرضیوں و تعصبات سے
دور رکھنا چاہئے یہ اکابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی صحبت کی تاثیر سے ہوا و ہوس اور کینہ و حرص سے پاک
صاف ہو گئے تھے یہ اگر کسی سے مصالحت رکھتے تھے
تو صرف حق کے لئے اور اگر کسی سے لڑتے جھگڑتے تھے تو
صرف اللہ کے واسطے بلاشبہ ان میں سے ہر گروہ نے اپنے
اجتہاد کے مطابق عمل کیا اور بغیر کسی تعصب اور خود غرضی

حق است ہر گروہے بہ مقتضائے اجتہاد
خود عمل نمودہ اند و مخالف رائے شائبہ
تعصب ...... از خود دفع کردہ اند ہر کہ
در اجتہاد خود مصیب است دو درجہ
و بہ قولے دہ درجہ ثواب دارد و آن
کہ مخطی یک درجہ ثواب او را نقد وقت
است پس مخطی در رنگ مصیب از ملامت
دور است بلکہ امید درجہ از درجات
ثواب دارد علماء فرمودہ اند کہ در آن
محاربات حق بجانب امیر بودہ است
کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، و اجتہاد مخالفان
از صواب دور بودہ مع ذالک مورد طعن
نیستند و گنجایش ملامت ندارند چہ جائے
آن کہ نسبت کفر یا فسق کردہ شود. امیر کرم اللہ
وجہہ فرمودہ است برادران ما باغی
گشتند ایشان نہ کافر آمند نہ فاسق.
زیرا کہ ایشاں را تاویل است کہ
منع کفر و فسق می نماید ـــ حضرت پیغمبرؐ
ما فرمودہ است علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ
والسلام ایاکم وما شجر بین اصحابی
پس جمیع اصحاب پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات

جائیے کہ دوسروں کو اپنے سے دفع کیا، پس اُن کا
حال یہ ہو کہ جس کا اجتہاد ان میں سے ٹھیک تھا اسکو
دو درجے اور ایک قول کے مطابق دس درجے
ثواب ملیگا اور جس سے اجتہاد میں غلطی ہوئی ایک درجہ
ثواب سے وہ بھی خالی نہیں رہیگا۔ غرض جن لوگوں سے
اجتہاد میں غلطی ہوئی وہ اسی طرح طعن و ملامت
سے دور ہیں جس طرح کہ فریق ثانی بلکہ جیسا بتلایا
گیا وہ بھی کم از کم ایک درجہ ثواب کے مستحق
ہیں ـــ ہاں علماء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ ان
جنگوں میں حق حضرت علیؓ ہی کی طرف تھا اور
آپ کے مخالفین سے اجتہاد میں غلطی ہوئی ـــ
بایں ہمہ اپنیر طعن نہیں کیا جا سکتا اور نہ کسی ملامت
ہی کی گنجایش ہے کجا یہ کہ کفر یا فسق کی ان کی
طرف نسبت کی جائے خود حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ
وجہہ نے ان کے حق میں فرمایا ہے "یہ ہمارے بھائی
ہیں ہم سے باغی ہو گئے ہیں نہ وہ کافر ہیں نہ فاسق
کیونکہ ان کا یہ اختلاف تاویل پر مبنی ہے جو کفر
و فسق کے لئے مانع ہے ـــ اور ہمارے پیغمبر
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم بچو میرے صحابہ
کے اختلافات میں دخل دینے سے" پس ہم کو تمام
اصحاب کرام کی تعظیم کرنا اور سب کو اچھے لفظوں

والتسلیمات بزرگی باید داشت وہمہ را بہ
نیکی یاد باید کرد و در حق ہیچ یکے
ازیں بزرگواران بد نباید بود وگمان
بد نباید کرد..... ومنازعت ایشاں را بہ
از مصالحت دیگراں باید داشت طریق فلاح
ونجات ایں است چہ دوستی اصحاب کرام
بہ واسطہ دوستی پیغمبر است علیہ وعلیہم الصلوٰت
والتسلیمات۔ بزرگے فرماید ما آمن برسول
اللہ من لم یوقر اصحابہ۔

سے یاد کرنا چاہئے اور ان میں سے کسی کے حق میں بدگمانی
اور بدگمانی نہ کرنی چاہئے۔ بلکہ اُن کے ان اختلافات
کو دوسروں کی مصالحت سے بہتر سمجھنا چاہئے، نجات
اور کامیابی کی یہی راہ ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ
علیہم اجمعین سے محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ہی کے واسطہ سے ہے، ایک بزرگ (حضرت شیخ
شبلیؒ) فرماتے ہیں کہ جس نے اصحاب رسول (صلی اللہ
علیہ وسلم) کی توقیر وتعظیم نہیں کی وہ گویا حضور پر ایمان
ہی نہیں لایا۔ والعیاذ باللہ

صحابہ کرام کے مشاجرات کے متعلق اس قسم کے مضامین مکتوبات شریف میں بکثرت ہیں یہاں بقصد اختصار ان ہی چند اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ہاں اسی کے ساتھ یہ بھی بتلادینا ضروری ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے صرف اس اصولی بحث ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ جن صحابہ کرام کے حضرت علیؓ مرتضیٰ سے نزاعات اور محاربات ہوئے ہیں ان کے فضائل ومناقب بھی آپ نے اپنے مکتوبات شریف میں بڑے اہتمام سے لکھے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد کوئی صحیح الایمان اُن بزرگوں کی طرف سے کبھی بدگمان نہیں ہوسکتا، ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا)

حضرت علیؓ مرتضیٰ کے محاربین میں ایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں، حضرت مجدد علیہ الرحمہ ان محاربات ہی پر کلام کرتے ہوئے ایک موقعہ پر ارقام فرماتے ہیں!۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا
کہ حبیبہ حبیب رب العالمین بودہ است
وتا لب گور مقبولہ ومنظورہ او علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت عائشہ صدیقہؓ جو محبوب رب العالمین حضرت
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ اور تا آخر لمحہ
حیات تک حضور کی منظورِ نظر رہیں اور جن کے حجرہ

بودہ و حضرت پیغمبر در مرض موت را بحجرۂ او بسر
بردہ و در کنار او جان دادہ و در حجرہ مطہرہ
او مدفون گشتہ، مع ذلک اشرف حضرت
صدیقہ عالمہ و مجتہدہ بودہ است و پیغمبر
علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام بیان شطر
دین را باو حوالہ داشتہ و اصحاب کرام در مشکلات
احکام رجوع بوے می نمودند و حل مغلقات
از وے در یافتند ایں چنیں صدیقہ مجتہدہ
را بواسطہ مخالفت حضرت امیر مطعون
ساختن و اشیائے ناشائستہ را بوے
منتسب نمودن بسیار نامناسب است و
دور از ایمان بہ پیغمبر است علیہ و علی آلہ
الصلوٰۃ والسلام امیر اگر داماد حضرت پیغمبر
است و پسر عم است حضرت صدیقہ زوجۂ
مطہرۂ اوست علیہ و علی جمیع اہل بیتہ الصلوٰت
والسلام و حبیبۂ مقبولۂ او علیہ و علی آلہ الصلوٰت
والسلام پیش ازیں بچند سال و اب فقیر آں
بودہ کہ اگر طعامے پخت مخصوص بروحانیات
مطہرۂ اہل عبا می ساخت و بآں سرور و حضرت
امیرؓ و حضرت فاطمہؓ و حضرات امامینؓ
را ضم میکرد علیہم الصلوٰت والتسلیمات

مبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات
طیبہ کے آخری دن گذارے اور آخرکار جن کے
آغوش میں حضرتؐ نے ملاءِ اعلیٰ کو رحلت فرمائی اور
انہی کے حجرۂ مقدسہ میں آپ آجتک آرام فرما
ہیں، اور پھر علاوہ ان تمام چند در چند فضائل و
خصائص کے علم و اجتہاد میں بھی اُن کا پایہ نہایت
بلند تھا اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے
نصف دین کی تبلیغ و اشاعت اون کے سپرد کی تھی
اور صحابہ کرام مشکل معاملات اور اہم مسائل میں اُن کی
طرف رجوع کرتے تھے اور اُنہی سے ناقابل حل
گتھیاں حل کراتے تھے۔ پس ایسی صدیقہ مطہرہ کو
صرف حضرت علی مرتضیٰ سے اختلاف کرنے کی وجہ سے
مطعون کرنا اور ناسزا باتیں اون کی طرف منسوب کرنا بہت
نامناسب اور ایمان سے دور ہے ؎

ہرگزم باور نمی آید ز روئے اعتقاد
ایں ہمہ را کردن و دین پیمبر داشتن

حضرت علیؓ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد
اور آپ کے چچا زاد بھائی ہیں تو حضرت صدیقہؓ آپ کی
زوجۂ مطہرہ اور محبوب ترین شریک زندگی ہیں۔ اب
سے چند سال سے پہلے فقیر کا یہ طریقہ تھا کہ اگر حضرت رسالتمآب
صلعم کے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکاتا تو حضور صلی اللہ

شبے در خواب می بیند کہ آں سرور حاضر است علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نفیر بہ ایشاں عرض سلام میکند متوجہ نفیر نمی شوند و رو بجانب دیگر دارند دریں اثنا بفقیر فرمودند کہ من طعام درخانۂ عائشہؓ می خورم ہر کہ مرا طعام فرستد بخانۂ عائشہؓ فرستد ایں زماں نفیر دریافت سبب عدم توجہ شریف ایشاں آن بودہ کہ نفیر حضرت صدیقہؓ را دران طعام شریک نمی ساخت بعد ازاں حضرت صدیقہ را بلکہ سائر ازواج مطہرات را کہ ہماں اہل بیت اند شریک می ساخت و جمیع اہل بیت توسل می نمود پس آزار و ایذا کہ بحضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام از راہ حضرت صدیقہ برسد زیادہ ازاں آزار و ایذا ست کہ از راہ حضرت امیرؓ برسد بر عقلائے صاحب انصاف ایں معنی مخفی نیست۔

(مکتوب ۳۶ دفتر دوم ص۵۹-۶۰)

علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی جگر گوشہ حضرت فاطمہؓ زہرا اور حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ کو شامل کیا کرتا تھا ایک دن رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں میں سلام عرض کرتا ہوں اور آپ نفیر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور رخ مبارک دوسری طرف کئے ہوئے ہیں پھر اسی اثنا میں نفیر سے فرمایا کہ میں عائشہ کے گھر کھانا کھاتا ہوں جو مجھے کھلانا چاہے وہ عائشہؓ کے گھر بھیجے (اللہ اکبر) اس وقت نفیر کو معلوم ہوا کہ حضرتؐ کی عدم توجہی کا باعث یہ ہے کہ میں حضرت صدیقہؓ کو ایصال ثواب میں شریک نہیں کرتا تھا اس کے بعد سے تو میں نہ صرف صدیقہ طاہرہؓ بلکہ باقی تمام ازواج مطہرات کو بھی کہ سب ہی اہل بیت ہیں شریک کرنے لگا اور سب سے توسل کرنے لگا۔
الحاصل حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکلیف حضرت علی مرتضیٰؓ کی شان میں گستاخی سے ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ اذیت حضرت صدیقہؓ طاہرہ کے متعلق بیہودہ گوئی سے ہوتی ہے اور ہر صاحب عقل و انصاف اس فرق کو سمجھ سکتا ہے۔

حضرت طلحہ و زبیر (رضی اللہ عنہما)

جن صحابہ کرام سے حضرت علی مرتضیٰؓ کے محاربات ہوئے ان میں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما بھی ہیں، ان دونوں حضرات کے متعلق حضرت مجدد علیہ الرحمہ اسی مکتوب میں

ارقام فرماتے ہیں ۔

طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما از کبار اصحاب
اند و در عشرہ مبشرہ تحت طعن و تشنیع ایشاں
نامناسب است و لعن و طرد ایشاں عاید بہ
لاعن و طارد ہماں طلحہؓ و زبیرؓ اند کہ حضرت
فاروق خلافت را بعد از خود درمیان شش
نفر شوری گذاشت و طلحہؓ و زبیر را داخل
آنہا ساخت و بر ترجیح یکے بر دیگرے دلیل
واضح نیافت و طلحہؓ و زبیرؓ باختیار خود نصیب
خلافت را گذاشتند و ہر یکی ترکت خطئی گفتہ
و ہماں طلحہ است کہ پدر خود را بواسطہ سوء
ادب کہ نسبت بآں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ
والسلام از وے بوجود آمدہ بود کشتہ است
و سر او را در ملازمت آں سرور آوردہ
بود و در قرآن مجید ثنائی او بریں فعل
آمدہ و ہماں زبیر کہ مخبر صادق علیہ
وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام قاتل او را وعید
بہ دوزخ فرمودہ حیث قال علیہ و
علی آلہ الصلوٰۃ والسلام قاتل زبیر
فی النار۔ طاعن و لاعن زبیر از قاتل او
ہیچ کمی ندارد فالحذر الحذر ثم الحذر
الحذر ثم الحذر الحذر عن طعن

حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جلیل القدر صحابہ کرام میں
سے ہیں اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اُن پر کسی قسم کا
طعن روا نہیں اور اگر کوئی بدنصیب ان بزرگ ہستیوں
پر لعنت و ملامت کرے تو اسکی یہ لعنت و ملامت خود اسپر
لوٹیگی یہ وہی طلحہؓ اور زبیرؓ ہیں کہ جنکو حضرت فاروق
اعظمؓ نے ان چھ آدمیوں میں داخل کیا تھا جن کے متعلق
فرمایا تھا کہ یہ اپنے میں سے کسی ایک کو میرے بعد خلیفہ
منتخب کرلیں، ان دونوں حضرات نے باختیار خود اپنے
نام واپس لے لئے اور بیان کردیا۔ "ترکت خطئی"
یعنی ہم خلافت نہیں چاہتے اور یہ وہی تو طلحہؓ ہیں
جنھوں نے اپنے سگے باپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
شان میں بے ادبی کی وجہ سے قتل کر دیا تھا اور اسکا سر حضور
کے قدموں میں لاکر ڈالدیا اور قرآن مجید میں اُن کے اس
فعل پر تحسین و آفرین کی آیت نازل ہوئی ـــــ اور یہ
زبیرؓ وہی زبیرؓ ہیں کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے اُن کے قاتل کے دوزخی ہونے کی وعید سنائی تھی
جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ "قاتل زبیر فی النار" یعنی
زبیر کا قاتل جہنم میں جائیگا، میں کہتا ہوں کہ حضرت
زبیر پر طعن کرنے والے بھی اسکے قاتل سے کم نہیں ہیں
(اور ان کے لئے بھی عذاب نار مقرر ہے) پس خبردار ان
خبردار! بچو بچو! ان حضرات

اکابر الدین وذم کبراء الانام الذین
بذلوا جهدهم فی اعلاء کلمة الاسلام
ونصرة سید الانام وانفقوا
اموالهم لتائید الدین باللیل والنهار
وفی السر والجهار وترکوا لحب الرسول
عشائرهم وقبائلهم واولادهم
وازواجهم واوطانهم ومساکنهم
وعیونهم وزروعهم واشجارهم
وانهارهم واثروا القتل المهول
علیه وعلیهم الصلوٰة والسلام
علی انفسهم واختاروا المحبة علی محبتهم
محبة اموالهم وذریاتهم
وهم الذین نالوا شرف الصحبة
وفازوا فی صحبته ببرکات النبوة
وشاهدوا الوحی وشرفوا الحضور
الملك وراوا الخوارق والمعجزات
حتی صار غیبهم شهادة وعلمهم
عینا واعطوا من الیقین ما لا یعطی
لاحد من بعدهم حتی لا یبلغ انفاق
غیرهم مثل احد ذهبا مبلغ انفاق
مد شعیرهم ولا نصیفه وهم الذین

اکابر دین اور اسلام کے پہلے لے اپنا ناز فرزند طلکی
برگزیدہ تھے جنھوں نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنی
کوششیں ختم کر دیں اور حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ
وسلم کی نصرت وحفاظت اور دین الہی کی تائید حمایت
کے لئے اپنی جان ومال کی بازی لگا دی اور رات دن
خفیہ وعلانیہ اسی مقصد کے لئے سرگرم عمل اور ساعی رہے
اور انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی محبت کی خاطر اپنے کنبوں قبیلوں اپنے دل کے ٹکڑوں
لڑکوں اور لڑکیوں، بیویوں اور دوسرے رشتہ داروں
کو چھوڑ دیا اور اپنے وطنوں اور گھروں اور اپنے چشموں
اور کھیتوں اور نہروں اور باغوں کو خیرباد کہہ دیا۔ اور
سخت اور خطرناک موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی جان کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز سمجھا اور
اپنی محبت اپنے مال واولاد کی محبت کے مقابلہ میں حضور
کی محبت کو ترجیح دی وہ وہ ہیں کہ ان کو صحبت نبوی کا
شرف حاصل ہوا اور برکات نبوت ان کے حصہ میں آئے،
انھوں نے وحی کو آتے دیکھا فرشتوں کی حاضری سے وہ
مشرف ہوئے اپنی آنکھوں سے انھوں نے حضور کے معجزات
اور آپ کی روشن نشانیاں دیکھیں یہاں تک کہ جو غیب تھا وہ
ان کے لئے شہادت ہو گیا اور جو علم الیقین تھا وہ عین الیقین
سے بدل گیا، اور ان کو ایمان وایقان کا وہ حصہ حاصل ہوا جو

اثنی اللہ تعالیٰ علیہم فی القرآن
المجید ورضی عنہم ورضوا عنہ
ذالک مثلہم فی التوراۃ ومثلہم
فی الانجیل کزرع اخرج شطأہٗ
فآزرہٗ فاستغلظ فاستوی علی
سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بہم
الکفار سمی اللہ تعالیٰ غائظہم کفارا
فلیحذر عن غیظہم کما یحذر عن
الکفر واللہ سبحانہ الموفق۔
جماعت کہ این چنین نسبت را
بآں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات
درست کردہ باشند ومقبول ومنظور او
علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات گشتہ
اگر در بعض امور با یکدیگر مخالفت کنند و
مشاجرت نمایند وبہ رائے واجتہاد خود
عمل فرمایند مجال طعن واعتراض نیست بلکہ
حق وصواب در آں موطن اختلاف است
وعدم تقلید رائے غیر خود است۔

ان کے بعد کسی کو نہیں حاصل ہو سکتا حتی کہ خود سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر آئندہ آنے والا
کوئی مسلمان احد پہاڑ کی برابر سونا بھی اللہ کی راہ میں
خرچ کر دے تو وہ میرے صحابہ کے ایک سیر بلکہ آدھے
سیر جو کی برابر بھی نہیں ۔۔۔ اور ان پہ قدوسیوں کی وہی
جماعت ہے جن کی تعریف حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل
کی اور اعلان کر دیا کہ میں ان سے راضی ہوں اور وہ مجھ سے
راضی ہیں، اور دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ یہ انکا حال لکھا
جا چکا ہے توراۃ میں اور انکی مثال انجیل میں یہ ہے کہ
کھیتی کی طرح ہیں کہ نکالا اس کا انکھوا پھر اس میں طاقت
آئی پھر موٹی ہو گئی یہاں تک کہ وہ اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی
ہو گئی جس کو دیکھ کر کاشتکاروں کو خوشی ہوتی ہے یہ اس لئے
کہ جلیں ان کی وجہ سے کفار، پس اللہ تعالیٰ نے ان سے
جلن اور عداوت رکھنے والوں کو کافر قرار دیا ہے لہذا
ان کے بغض وعداوت سے ایسا ہی پرہیز کرنا چاہئے
جیسا کہ کفر سے کیا جاتا ہے، جو جماعت اس مرتبہ کی ہو
اور انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نسبت حاصل
ہو اگر بعض معاملات میں اس کے افراد میں اجتہادی
اختلاف ہو جائے اور نوبت نزاع تک پہنچے۔ اور ہر ایک اپنی رائے اور اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے تو اس میں
کسی کو طعن واعتراض کی گنجائش نہیں بلکہ حق وصواب اس موقع پر اختلاف ہی ہے کیونکہ صاحب اجتہاد دوسرے
کے اجتہاد پر عمل نہیں کرسکتا۔

حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

جن صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے حضرت علیؓ مرتضیٰ سے اختلافات ہوئے اور جنگ وقتال کی نوبت آئی اُن میں سے ایک حضرت معاویہ بھی ہیں، اور چونکہ حضرت علیؓ مرتضیٰ سے ان کی جنگ دیر تک رہی، اور خلافت وامارت ان کے خاندان میں بہت دنوں تک رہی اس لئے ان کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ حضرت عائشہ وحضرت طلحہؓ وزبیرؓ کی بہ نسبت بہت زیادہ کیا گیا اسی کا اثر ہے کہ بہت سے اپنے کو سنّی کہنے اور سمجھنے والے بھی اگرچہ حضرت صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ سے کسی قسم کا سوءِ ظن نہیں رکھتے، لیکن حضرت امیر معاویہ کی طرف سے بدگمانی رکھتے ہیں، اور ان کی شان میں بے ادبی کی جرأت کر جاتے ہیں حالانکہ یہ بھی رفض کا ایک شعبہ ہے، اس لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے، حضرت معاویہ کے فضائل ومناقب کی نشر واشاعت اور ان کی پوزیشن صاف کرنے کی طرف بھی خاص توجہ مبذول فرمائی ہے۔ چند اقتباس ملاحظہ ہوں، دفتر اول کا مکتوب نمبری ۲۵۱ جو خواجہ محمد اشرفؒ کے نام ہے جو اسی قسم کے مباحث سے بھرا ہوا ہے، اور جس کے بعض اقتباسات تفضیل شیخین کے عنوان کے ذیل میں گذر بھی چکے ہیں اسی میں حضرت امیر معاویہؓ کے بارہ میں ارقام فرماتے ہیں:-

شیخ ابو شکور سلمی در تمہید تصریح کردہ کہ اہل سنت وجماعت برآنند کہ معاویہؓ باجمعے از اصحاب کہ ہمراہ او بودند برخطا بودند وخطائے ایشاں اجتہادی بود، وشیخ ابن حجر در صواعق گفتہ کہ منازعت معاویہؓ با امیرؓ از روئے اجتہاد بودہ وایں قول را از معتقدات اہلسنت فرمودہ۔	شیخ ابو شکور سلمی نے اپنی کتاب "تمہید" میں تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہؓ اور صحابہ کرامؓ میں سے اُن کے وہ رفقاء جو جنگ میں ان کے ساتھ تھے اگرچہ خطا پر تھے لیکن ان کی یہ خطا اجتہادی تھی، اور ابن حجرؒ نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ سے حضرت معاویہؓ کا نزاع اجتہاد پر مبنی تھا، اور اسکو انھوں نے اہلسنت کے عقائد میں شمار کیا ہے۔

اس کے بعد شارح مواقف کی ایک "موہم عبارت" پر تنبیہ اور ان کی غلطی کی اصلاح

فرمانے کے بعد ارقام فرماتے ہیں :۔

قد صح انہ کان اماماً عادلاً فی حقوق اللہ سبحانہ وفی حقوق المسلمین :۔

بیایات صحت کے ساتھ معلوم ہے اور پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت معاویہؓ حقوق اللہ اور حقوق المسلمین دونوں کے پورا کرنے میں خلیفۂ عادل تھے ۔

پھر چند سطر کے بعد فرماتے ہیں :۔

ودر احادیث نبوی باسناد ثقات آمدہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام در حق معاویہ دعا کردہ اند "اللھم علمہ الکتاب والحساب وقہ العذاب" وجائے دیگر در دعا فرمودہ اند اللھم اجعلہ ھادیًا مھدیًا ودعائے آنحضرت صلعم مقبول ۔

اور احادیث نبویہ میں ثقہ راویوں کی سند سے وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب معاویہؓ کے حق میں دعا فرمائی کہ "اے اللہ اسکو کتاب وحساب کا علم دے اور عذاب سے بچا" اور ایک اور موقع پر حضرت نے انھیں کیلئے دعا فرمائی کہ "خداوندا! اسکو ہادی مہدی بنا" اور حضورؐ کی دعا بلا ریب مقبول ہے ۔

پھر چند سطر کے بعد فرماتے ہیں :۔

وامام مالکؒ کہ از تابعین است ..... و اعلم علماء مدینہ، شاتم معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمرو بن العاص را بالقتل حکم کردہ است ..... وایضاً شتم او را در رنگ شتم ابی بکر و عمر و عثمان ساختہ است ..... اے برادر معاویہ تنہا دریں معاملہ نیست نصفے از اصحاب کرام دریں معاملہ با وے شریک اند پس محاربان امیر اگر کفرہ یا فسقہ باشند اعتماد از شطر دین می خیزد کہ از راہ تبلیغ ایشاں بما رسیدہ است

اور امام مالکؒ جو تابعین میں سے ہیں (.....) اور اپنے زمانہ میں مدینہ کے سب سے بڑے عالم تھے اُن کا فتویٰ ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفیق عمرو بن العاص کو گالی دینے والا واجب القتل ہے ۔ اور نیز امام مالک نے حضرت معاویہ کی گالی کو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ و حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی گالی کے حکم میں قرار دیا ہے (یعنی ان کے نزدیک ان دونوں جرموں کی سزا قتل ہے) ..... اے بھائی! یہ معاملہ تنہا امیر معاویہؓ کا نہیں ہے قریباً نصف صحابہ کرام انکے ساتھ اس معاملہ میں شریک ہیں ، پس اگر حضرت علیؓ

وتجویز نکند این معنی را اگر زندیقے کہ مقصودش ابطال دین است۔

سے جنگ کرنے والوں کو کافر یا فاسق کہا جائے تو آدمی دین سے ہاتھ دھو بیٹھے گا جو انہی حضرات کی نقل و روایات سے ہم تک پہنچا ہے اور اس انجام سے کوئی ایسا زندیق اور ملحد ہی راضی ہو سکتا ہے جس کا مقصد ہی دین کو برباد کرنا ہو۔

پھر چند سطر کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔

امام غزالیؒ تصریح کردہ کہ آن منازعت بر امر خلافت بوده بلکہ در استیفاء قصاص در بدو خلافت حضرت امیرؓ بود و شیخ ابن حجرؒ نیز این معنی را از معتقدات اہلسنت گفتہ است۔"

امام غزالیؒ نے تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہؓ کی وہ جنگ خلافت کے بارے میں نہیں تھی بلکہ اس کا تعلق بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص ہی سے تھا۔ اور شیخ ابن حجرؒ نے بھی اس کو اہلسنت کے عقائد سے لکھا ہے۔

پھر چند سطر بعد فرماتے ہیں:۔

اے برادر طریق اسلم دریں موطن سکوت از ذکر مشاجرات اصحاب پیغمبر است علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات و اعراض از تذکرہ منازعات ایشان پیغمبر فرمودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "ایاکم و ما شجر بین اصحابی" نیز فرمودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضاً"

(مکتوب ۲۵۱ صـ۷۲-۷۳ دفتر اول)

اے برادر اس بارہ میں سلامتی کی راہ اور نجات کا راستہ یہی ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات و محاربات کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے اور زبان کھولی ہی نہ جائے رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے "میرے صحابہ میں جو نزاعات ہوں اُن سے الگ تھلگ رہو، نیز حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "میرے اصحاب کے بارے میں خدا کا خوف کرو اس کے مواخذہ سے ڈرو، اور ان کو اپنی تیز کلامی اور بدگوئی کا نشانہ نہ بناؤ"

شرفِ صحبت:۔

شیعہ اور اہلسنت کے نقطہائے نظر میں ایک اصولی اختلاف یہ بھی ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک "صحبت رسول" کی کوئی خاص اہمیت نہیں، جمہور صحابہؓ کو تو معاذ اللہ وہ مومن ہی تسلیم نہیں کرتے اور جن تین چار حضرات وحضرت مقدادؓ، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، زید

بن ارقم) کے ایمان کے وہ قائل ہیں اور ان کی جو تعظیم و توقیر وہ کرتے ہیں تو وہ بھی اس لحاظ سے نہیں کہ وہ "اصحاب رسول" ہیں بلکہ صرف اس وجہ سے کہ وہ ان کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰؓ کی "پارٹی" میں شامل اور ان کے ناصر و مددگار رہتے، بہرحال نفس صحبت رسول کی ان کے نزدیک کوئی خاص وقعت نہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ صحبت رسالت کی حقیقی عظمت اگر کسی کے دل میں قائم ہو جائے اور اس کے واقعی فضل و شرف کو وہ سمجھ لے تو کبھی تشیع کا شکار نہیں ہو سکتا، اسلئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اپنے مکتوبات میں اس اصول پر بھی بہت زیادہ زور قلم صرف کیا ہے دفتر اول کے مکتوب ۸۰ میں فرماتے ہیں:۔

بدانند کہ اصحاب پیغمبر علیہ و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہمہ بزرگ اند و ہمہ را بہ بزرگی یاد باید کرد خطیب از انس روایت کند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرمودہ ان اللہ اختارنی واختارلی اصحابا و اختارلی منھم اصھارا و انصارا فمن حفظنی فیھم حفظہ اللہ ومن اذانی فیھما اذاہ اللہ" طبرانی از ابن عباس روایت کند رسول فرمودہ علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام من سب اصحابی فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین"

جاننا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام واجب التعظیم ہیں اور ہمکو چاہئے کہ ان سبکو عزت و عظمت کے ساتھ یاد کریں خطیب حضرت انسؓ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالے نے ساری مخلوق میں سے مجھے چنا اور پھر میرے لئے اصحاب منتخب کئے اور ان میں سے میرے رشتہ داروں اور مددگاروں کا انتخاب کیا پس جس نے انکے بارے میں میرے حق کی رعایت کی اسکی اللہ تعالیٰ رعایت کریگا اور جس نے انکے بارے میں مجھکو دکھایا اللہ اسکو ایذا پہنچائیگا ـــ اور طبرانی ابن عباس سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سارے آدمیوں کی لعنت، اور ابن عدی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں بدترین وہ ہیں جو میرے اصحاب کے بارے میں زیادہ بے باک ہیں"

وابن عدی از عائشہؓ روایت کند رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ رسول فرمود علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ان شرار امتی اجرأھم علی اصحابی"

نیز اسی دفتر کے مکتوب ۵۹ میں ارقام فرماتے ہیں:-

وفضیلۃ الصحبۃ فوق جمیع الفضائل والکمالات ولھذا لم یبلغ اویس القرنی الذی ھو خیر التابعین مرتبۃ ادنی من صحبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فلا تعدل بفضیلۃ الصحبۃ شیئا کائنا ما کان فان ایمانھم ببرکۃ الصحبۃ ونزول الوحی یصیر شھودیا ہ (دفتر اول ص۵۹)

اور صحبت نبوی کی فضیلت تمام دوسرے فضائل و کمالات سے اعلیٰ و بالا ہے اور اسی واسطے وہ اویس قرنی جو بلاشبہ تابعین میں افضل ترین ہیں کسی ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکے پس کسی چیز کو بھی صحابیت کی فضیلت کے ہم پلہ نہ ٹھیراؤ کیونکہ ان کا ایمان تو صحبت نبوی کی برکت اور نزول وحی کے مشاہدہ کی وجہ سے شہودی ہو گیا ہے۔

اور اس سے پہلے مکتوب میں فرمایا:-

سئل عبد اللہ بن المبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایھما افضل معاویۃ ام عمر بن عبد العزیز فقال الغبار الذی دخل انف فرس معاویۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر من عمر بن عبد العزیز کذا مرۃً (ص ۴۳/۱۷)

حضرت عبد اللہ بن المبارکؒ سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبد العزیز میں سے کون افضل ہے؟ ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں معاویہ جس گھوڑے پر سوار ہوئے اسکی ناک میں جو غبار پہنچا وہ بھی عمر بن عبد العزیز سے بدرجہا بہتر ہے۔

نیز اسی دفتر کے مکتوب ۱۲۰ میں ارقام فرماتے ہیں:-

لا تعدل بالصحبۃ شیئاً ایا ما کان الا تری ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبارک فضلوا بالصحبۃ علی من عداھم سوا الانبیاء علیھم السلام وان کان اویساً قرنیاً وعمراً مروانیاً مع بلوغھما نھایۃ الدرجات ووصولھما غایۃ الکمالات سوی الصحبۃ فلاجرم صار خطأ معاویۃ خیراً من صوابھما ببرکۃ الصحبۃ

صحبت کی برابر کسی بھی چیز کو نہ ٹھیراؤ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام صحبت ہی کی وجہ سے ماسوا انبیاء کے اور سب پر فوقیت لے گئے اور اویس قرنی اور عمر بن عبد العزیز مروانی جیسے جلیل القدر حضرات سے بھی افضل ٹھیرے — حتیٰ کہ صحبت نبوی ہی کی برکت سے امیر معاویہؓ کی غلط رائے اور عمرو بن العاص کی بھول چوک اویس قرنی اور عمر مروانی کی صواب دید اور صحیح رائے سے افضل ہوئی،

وسمو عمرو بن العاص فضل من صوابهما لما ان ایمان هؤلاء الکبراء صار بالصحبة شهودیا برؤیة الرسول وحضور الملك وشهود الوحی ومعاینة المعجزات وما اتفق لمن بعدهم هذه الکمالات التی هی اصول سائر الکمالات کلها ولو علم اویس فضیلة الصحبة لهذه الخاصیة لم یمنعه مانع من الصحبة وما آثر شیئا من الاشیاء علی هذه الفضیلة والله یختص برحمته من یشاء والله ذو الفضل العظیم ۵

سکندر را نمی بخشند آبے
بزور و زر میسر نیست این کار

اللهم وان لم تخلقنا فی هذه النشأة فی قرن هؤلاء الاکابر فاجعلنا فی النشأة الآخرة محشورین فی زمرتهم بحرمة سید المرسلین علیه وعلیهم الصلوات والتحیات والتسلیمات" (دفتر اول ص۱۳)

کیونکہ ان بزرگوں کا ایمان، شرف صحبت، و دیدار حضرت رسالت، اور حاضری وحی و ملائک، اور شاہدہ معجزات وخوارق کی وجہ سے شہودی ہوگیا اور بعد والوں نے جسکو صرف سنا اسکو انھوں نے گویا اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور بھلا دوسروں کو یہ چیزیں جو تمام فضائل و کمالات کی اصل و بنیاد ہیں کہاں نصیب ہوئیں اور اگر حضرت اویس قرنی کو صحبت کی فضیلت ان خواص و برکات کے ساتھ معلوم ہو جاتی تو وہ اس کے مقابلہ میں کسی چیز کو بھی ترجیح نہ دیتے اور پھر انکو کوئی ضرورت بھی حاضری بارگاہ نبوت سے نہ روک سکتی لیکن — اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے اور بڑے فضل و کرم والا ہے ۵

سکندر کو نہیں ملتے ہیں پانی
نہیں ملتی بزور و زر یہ دولت

اے اللہ اگرچہ تو نے ہمکو اس مقدس عہد میں پیدا نہیں کیا، مگر آخرت میں انکی جماعت اور ان کے گروہ میں ہمارا حشر ضرور فرما بالطفیل اپنے حبیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

صحبت نبوی کی فضیلت و اہمیت کے متعلق اس قسم کے ایمان افروز مضامین مکتوبات شریف میں بکثرت ہیں جن کے مطالعہ کے بعد کوئی شخص رفض کی گمراہی کا شکار انشاء اللہ کبھی نہیں ہو سکتا یہاں ہم حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی مذکورہ بالا دعا، پر آمین کہتے ہوئے بقصد اختصار انہی چند اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔

سارے مطاعن کا ایک اصولی جواب

شیعوں کے پاس گمراہ کرنے کا سب سے بڑا حربہ "مطاعن" ہیں اور مکالمات و مباحثات میں بھی دکھا گیا کہ وہ جب کسی بحث میں عاجز آتے اور میدان کلام کو اپنے لئے تنگ پاتے ہیں تو فوراً مطاعن صحابہ پر آجاتے ہیں اور اسی بحث کو وہ اپنا سب سے بڑا ہتھیار سمجھتے ہیں، صحابہ کرام کی طرف سے بدگمانی اور ان سے بغض و عداوت رفض کی اصل واساس ہے۔ اور اس گمراہی میں دوسروں کو بھی شریک کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی "مطاعن" کی اشاعت ہے، اس لئے "مطاعن" کے جوابات کی طرف بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے خاص توجہ مبذول فرمائی اور شیعوں کے اُن مشہور "مطاعن" کے مفصل جوابات جن کو شیعہ بہت زیادہ اچھالتے ہیں آپ نے اپنے رسالہ "رد روافض" کے علاوہ متعدد مکاتیب میں بھی سپرد قلم فرمائے ہیں۔ ان تفصیلی جوابات کے علاوہ آپ نے تمام مطاعن کا ایک اصولی جواب بھی دیا ہے جس کو ملحوظ رکھنے کے بعد اس سلسلہ کی ساری بحثیں کا فور ہو جاتی ہیں، اور یقین واثق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مصنفین شیعہ نے اس باب میں جو دفتر کے دفتر سیاہ کئے ہیں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا یہی ایک اصولی جواب ان سب کو خاکستر کر دینے کے لئے کافی ہے۔

دفتر دوم کے مکتوب ۹۶ میں واقعہ قرطاس پر کلام کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:۔

بداں ارشدک اللہ تعالیٰ وہداک سواء الصراط	حق تعالیٰ تم کو ہدایت دے اور سیدھے راستہ پر چلائے تم کو
ایں شبہ و امثال ایں شبہ را کہ جمع بر حضرات خلفاء	معلوم ہونا چاہئے کہ یہ شبہ اور اس جیسے اور شبہات جن کو
ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و بر سائر صحابہ کرام رضی اللہ	فرقہ شیعہ کے لوگ حضرات خلفاء ثلثہ اور دیگر تمام صحابہ کرامؓ
تعالیٰ عنہم......... ایراد مے نمایند دباایں	پر وارد کرتے ہیں اور ان شکوک و اعتراضات سے ان کو
تشکیکات ردا ایشاں میخواہند اگر بر سر انصاف	مجروح و مطعون کرنا چاہتے ہیں، اگر یہ کچھ انصاف سے کام لیں
بیایند و شرف صحبت خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ	اور حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی فضیلت
والسلام قبول نمایند و بدانند کہ نفوس ایشاں	و اہمیت کو قبول کر لیں اور جان لیں کہ حضور کی صحبت میں

در محبت خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ
والسلام از ہوا و ہوس مزکی شدہ
بودند و سینہ ہائے ایشاں از عداوت و
کینہ پاک گشتہ و دانند کہ ایشاں اند
اکابر دین و کبرائے اسلام کہ بذل نمودہ اند
طاقتہائے خود را در اعلاء کلمۂ اسلام از
برائے تائید دین متین و در لیل و نہار و در
سر و جہار و گذاشتہ اند عشائر و قبائل
خود را و اولاد و ازواج خود را و اوطان
و مساکن خود را و عیون و زروع خود را و
اشجار و انہار خود را از جہت محبت رسول
علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات ایثار نمودہ اند
نفس رسول را بر نفوس خویش، اختیار کردہ اند
محبت رسول را بر محبت خویش و بر محبت ذریات
و اموال خویش، و ایشاں اند شاہدان وحی و
ملک، دیدہ ہائے معجزات و خوارق تا آنکہ
غیب ایشاں شہادت گشتہ است و علم شان
عین شدہ ہم الذین رضی اللہ علیہم فی
القرآن المجید رضی اللہ عنہم و رضوا
عنہ ذالک مثلہم فی التوراۃ و مثلہم
فی الانجیل" ہر گاہ جمیع اصحاب کرام

وہ کہ اُن کے نفوس ہوا و ہوس سے صاف اور اُن کے
سینے کینوں اور کدورتوں سے پاک ہو گئے تھے، اور سمجھ لیں
کہ یہ وہ بزرگان دین اور عظمائے اسلام ہیں جنھوں نے
دن اور رات خفیہ اور علانیہ غرض ہر وقت اور ہر طرح دین
متین کی تائید و حمایت اور اعلاء کلمۂ اسلام کیلئے اپنی تمام
کوششیں اور طاقتیں صرف کر دیں، اور حضور رسول مقبول
صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اپنے کنبے
قبیلوں، اپنے بال بچوں، اپنی چہیتی بیبیوں کو چھوڑ دیا،
اپنے عزیز وطنوں اپنے آباد گھروں کو، اپنے چشموں اور کھیتوں
کو اپنے درختوں اور اپنی نہروں کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا
اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس مقدس
کو اپنے نفوس پر ترجیح دی اور حضور کی محبت کو اپنی اور
اپنے اموال و اولاد کی محبت پر مقدم رکھا، اور انھوں نے
وحی کو اترتے اور فرشتوں کو آتے دیکھا حضور کے معجزات
اور آپکی روشن نشانیوں کا انھوں نے بچشم خود مشاہدہ کیا
یہانتک کہ "غیب" ان کے حق میں "شہادت" بن گیا،
اور ان کا علم الیقین عین الیقین سے بدل گیا۔ یہی وہ
خوش نصیب ہیں جن کی مدح و ثنا حق تعالیٰ نے قرآن مجید
میں نازل فرمائی اور اعلان فرمایا کہ "اللہ ان سے راضی ہے
اور وہ اللہ سے راضی ہیں" اور دوسری جگہ فرمایا کہ "یہ حال
مسطور ہے ان کا توراۃ میں اور انجیل میں الخ" پھر جبکہ

دریں کرامات شریک باشند از اکابر صحابہ کہ خلفائے راشدین باشند از بزرگیہائے ایشاں چہ وانماید۔

تمام صحابہ کرام ان خصائص وفضائل سے مشرف ہیں تو پھر خاص اکابر صحابہ یعنی حضرات خلفاء راشدین کے متعلق کیا کہا جائے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

پھر چند سطور کے بعد ارقام فرماتے ہیں:۔

بعد از حصول نظر انصاف و بعد از قبول شرف صحبت خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتحیات بعد از دانستن بزرگیہا و علو درجات اصحاب کرام علیہم الرضوان آن جماعت اعتراض کنندگان و تشکیک پیدا آرندگان نزدیک است کہ این شبہات را در رنگ مغالطہائے و سفسطہائے زراندودہ تصور نمایند و از درجہ اعتبار ساقط کنند اگرچہ مادہ غلط را در شبہا تشخیص نکنند و محل سفسطہ را تعین نہ نمایند کلا اقل مجملاً این قدر شاید دانند کہ مودائے این تشکیکات وحاصل این شبہات بے ماحصل است بلکہ مصادم بداہت و ضرورت اسلامیہ است و مردود و مطرود بکتاب وسنت است۔

اگر ان اعتراض کرنیوالوں کی نظر میں کچھ انصاف ہو اور یہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی عظمت کو مان لیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بزرگی اور عالی مرتبی کو جان لیں تو زیادہ بعید نہیں کہ یہ خود ہی اپنے ان شبہات کو ملمع شدہ مغالطوں اور سفسطوں کے رنگ میں دیکھنے لگیں، اور انکو درجۂ اعتبار و اعتماد سے ساقط کردیں اگرچہ غلط فہمی کے منشا کی تعیین نہ کرسکیں اور فریب و سفسطہ کے محل کو انگلی رکھ کر نہ بتا سکیں لیکن کم از کم اجمالاً اسقدر ضرور سمجھ لیں گے کہ یہ شکوک و شبہات لاحاصل ہیں بلکہ بہت ہی بدیہی اور کھلی ہوئی حقیقتوں کے خلاف اور کتاب و سنت سے مردود و مطرود ہیں۔

دفتر دوم مکتوب ۹۶

اس تمہید کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے واقعہ قرطاس پر چند مقدمات قائم کرکے مفصل کلام فرمایا ہے اور اس سے متعلق شیعوں کے مشہور اعتراض کا تفصیلی جواب دیا ہے اور گویا اس کے مقدمات کی تحلیل کرکے انگلی رکھ رکھ کے بھی بتلا دیا ہے کہ کہاں کہاں اس میں فریب دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر اسی اصولی رنگ میں فرماتے ہیں:۔

این قسم شبہات وتشکیکات نزد فقیر در
رنگ آنست کہ شخصے ذی فنون نزد جماعت
ابلہان بیاید وسنگے راکہ محسوس ایشان
است بدلائل ومقدمات زراندودہ بر
ایشان اثبات نماید کہ آن ذہب است
واین بیچارگان چون در دفع آن مقدمات
موہومہ عاجز اند ودر تعین مواد آن
دلائل قاصر ناچار در اشتباہ مے افتند بلکہ
یقین بذہبیت آن سنگ می نمایند
وحس خود را فراموش مے سازند بلکہ متہم
میدارند زیرکی باید کہ اعتماد بر ضرورت
حس نماید ومقدمات موہمہ را متہم سازد،
درما نحن فیہ نیز بزرگی وعلو درجات
خلفاء ثلثہ، بلکہ بزرگی جمیع اصحاب کرام
علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات بمقتضائے
کتاب وسنت محسوس ومشاہد است قادح
وطاعن این بزرگواران بدلائل زراندودہ
قدح وطعن در ایشان نماید آن طعن ایشان
در رنگ قدح آن سنگ است کہ
در وجود آن نمایند وا زراہ
بہ برند"

فقیر کے نزدیک ان شکوک وشبہات کی مثال بالکل ایسی
ہے کہ کوئی چالاک اور پرفن شخص بیوقوفوں کی کسی جماعت
کے پاس پہنچے اور ایک پتھر کو جس کو وہ اپنی آنکھوں سے
دیکھ رہے ہیں اپنے پرفریب دلائل اور ملمع شدہ مقدمات
سے سونا ثابت کرے اور یہ بیچارے اس کے پُر
تزویر" دلائل" کے جواب سے عاجز ہونے اور یقین و
تشخیص کے ساتھ اس کی غلطی نہ پکڑ سکنے کی وجہ سے خود
شبہ میں پڑجائیں بلکہ اپنے مشاہدہ کے خلاف اس کو
سونا یقین کرنے لگیں، اور اپنے احساس وادراک کو
ناقابل اعتماد سمجھ کر پس پشت ڈالدیں۔ لیکن عقلمند اور ہوشیار
آدمی کا کام یہ ہے کہ ایسے موقع پر اپنی حس اور اپنے ادراک
کی ہدایت پر اعتماد کرے اور ان ملمع شدہ وہمی مقدمات
کو ناقابل اعتبار سمجھے۔ بالکل یہی حال مسئلہ زیر بحث کا ہے
کہ حضرات خلفاء ثلثہ بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کی بزرگی اور عالی
مرتبی قرآن وحدیث کی رُو سے جانی بوجھی بلکہ گویا آنکھوں
دیکھی حقیقت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش
نہیں لیکن یہ ناحق کوش جماعت اپنے ملمع شدہ دلائل سے
ان پر طعن وقدح کرتی ہے، پس انکی وہ جرح وقدح بالکل
ایسی ہی ہے جیسے کوئی میاں اپنے ہاتھ کے پتھر کے ٹکڑے کو
سونا ثابت کرنے کی کوشش کرے اور اپنے "منطقی" دلائل
سے سیدھے لوگوں کو بیوقوف بنائیں

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا — اے رب ہمارے! ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو
وھب لنا من لدنک رحمۃ انک — کجی اور گمراہی سے محفوظ رکھ اور ہم کو اپنی رحمت سے نواز
انت الوھاب ٥ — تو ہی ہر نعمت کا بخشنے والا ہے!!

درحقیقت شیعوں کے تمام مطاعن کی حقیقت یہی اور صرف یہی ہے اور اس کے جان لینے کے بعد تشیع کا سارا طلسم ٹوٹ جاتا اور اُن کی ابلہ فریبیوں کا پردہ تار تار ہو جاتا ہے۔

حضرت مجدد قدس اللہ سرہ العزیز نے فتنۂ رفض اور اس کے مختلف شعبوں کے خلاف اپنے مستقل رسالہ "رد روافض" کے علاوہ مکتوبات شریف میں بھی جو کچھ متفرق طور پر لکھا ہے، اگر اُس سب کو جمع کیا جائے تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے، اس مختصر مقالہ میں ہم نے جو اقتباسات پیش کئے ہیں، درحقیقت ان کو سمندر سے صرف کوزہ بلکہ قطرہ کی نسبت ہے۔

اس "ایرانی فتنہ" کے خلاف اس قلمی جہاد کے علاوہ آپ نے عملی جنگ بھی بڑی پامردی سے کی اور اگرچہ یہ فتنہ حکومت وقت کے آغوش میں تربیت پا رہا تھا اور گویا شاہی محل ہی اس کا سرچشمہ بنا ہوا تھا پھر بھی آپ نے بارہا علی رؤس الاشہاد عام معرکوں اور خاص محفلوں میں مناظروں اور تقریروں میں اس کی تار پود بکھیرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ہی کی ان مجددانہ مساعی اور مجاہدانہ سرگرمیوں نے عام مسلمانوں کو اس سیلاب میں بہنے سے بچا لیا، ورنہ آج ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں میں "اعداء ابوبکرؓ و عمرؓ" کی تعداد صرف پچاس ساٹھ لاکھ ہی نہ ہوتی۔

اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ مَرْقَدَہٗ وَبَرِّدْ مَضْجَعَہٗ وَاحْشُرْنَا مَعَہٗ

امام ربّانی

از

حضرت مولانا محمد عبد الشکور صاحب فاروقی مجدّدی
مدظلہ العالی

یہ مقالہ مجدد الف ثانی نمبر ۱۳۵۷ھ میں الخطبۃ الشوقیہ
فی حضرت المجددیہ کے عنوان سے شائع ہوا تھا اب صاحب مقالہ
حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب مدظلہ کی اجازت سے اس کا عنوان
"امام ربانی" کردیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے قدیم وجدید تذکرے کتابی
شکل میں موجود ہیں یہ مقالہ حضرت امام ربانیؒ کے تذکرہ میں ایک خاص
امتیاز رکھتا ہے جس کو اصحاب علم و نظر ناظرین کرام انشاء اللہ محسوس
فرمائیں گے۔

"مُرتّب"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

محبی المکرم جناب مولوی محمد منظور صاحب مدیر "الفرقان" بریلی سلمہ اللہ تعالیٰ واکرمہ کے اصرار سے اس اہم اور مقدس کام کا داعیہ دل میں پیدا ہوا۔ گو طبیعت کی نادرستی اور ضعف و افسردگی سے قطع نظر کر کے کسی طرح اس کام کی اہلیت اپنے میں نہیں پاتا۔ کہاں نائب شفیع یوم نشور (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کہاں ایک بندۂ بہزار گناہ شرمندہ سرتاپا خطا و قصور این الثریا من الثریٰ واین الخزن من السعی این الظلمۃ من النور واین الظل من الحرور۔

با این ہمہ نااہلی محض اسی کی مدد پر بھروسہ کر کے جس نے یہ داعیہ دل میں ڈالا قلم ہاتھ میں لیا ہے۔

از نشۂ شوق مے کنم سخنے — ورنہ مدحش چہ حد ہم چو منے
ہمچو اوئے سزد معرف او — در جہاں لیک ہمچو اوئے کو
قرنہا دور آسماں گردد — تا چو او اخترے عیاں گردد
عمرہا ابر کرمت بارد! — تا چو او گوہرے پدید آرد

اللہ تعالےٰ بطفیل حضرت ممدوح کے اپنے فضل و کرم سے اس بضاعت مزجاۃ کو

لہ ان اشعار کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ اپنے شوق محبت میں کچھ باتیں کر رہا ہوں۔ ورنہ مجھ جیسا شخص اس کی تعریف کیا کر سکتا ہے۔ اس کی تعریف کے لئے بھی اسی جیسا شخص ہونا چاہیئے۔ لیکن دنیا میں اس جیسا ہے کون آسمان صدہا سال گردش کرے تو اس جیسا ستارہ عیاں ہو۔ ابر کرم مدتہائے دراز تک عزت و شرف کا پانی برسائے تو اس جیسا موتی پیدا ہو۔

قبول فرمائے تو زہے سعادت وما ذٰلك على الله بعزيزه

واضح ہو کہ حضرت امام ربّانی مجدد و منور الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن اشیاخہ واتباعہ وارضاہم اکے تذکرہ میں بہت سی منفرد اور بے نظیر کتابیں تالیف ہو چکی ہیں جن کے مؤلفین بڑے بڑے علماء ہیں۔ جن میں اکثر خود حضرت امام کے خلفا یا خلفا کے خلفا ہیں۔ مثلاً آپ کے خلیفۂ اعظم حضرت آدم بنوری نے ایک کتاب تالیف فرمائی۔ حضرت آدم موصوف خود ایک سلسلہ کے امام ہیں جس کا نام سلسلہ آدمیہ ہے اور اس سلسلہ میں حضرت مولنٰا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسا امام منسلک ہے یہ سلسلہ بخارا کی طرف بہت ہے اور ایک خاندان ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں بھی معلوم ہوا ہے اور مثلاً مولنٰا بدر الدین سرہندی نے کہ وہ بھی حضرت ممدوح کے خلیفہ ہیں ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں تالیف فرمائی جس کا نام حضرات القدس ہے اور مثلاً مولنٰا محمد ہاشم کشمی نے کہ وہ بھی آپ کے خلیفہ ہیں ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا نام برکات احمدیہ ہے اور مثلاً مولنٰا محمد احسان خلیفۂ حضرت خواجہ محمد زبیر رحمہ اللہ نے ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا نام — روضۃ القیومیہ ہے وغیر ذالک مما یطول ذکرہا۔

فارسی زبان کے علاوہ عربی اور ترکی زبان میں بھی آپ کے مناقب کی کتابیں ہیں جن میں سے بعض مصر و بیروت وغیرہ کی طرف طبع ہو گئی ہیں ؎

یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف　　　　وعلٰی[۱] تفنن واصفیہ بوصفہ

اس حقیر نے کتب مذکورہ سے صرف انھیں چند حالات کو لیا ہے جن کا ذکر خود حضرت امام ربّانی کے مکتوبات میں ہے اور ان میں بھی اس قدر اختصار کا لحاظ کیا ہے کہ جو نسبت قطرہ کو سمندر سے ہے وہ بھی نہ رہی۔

---

[۱] (مدح و ستائش کرنے والے طرح طرح سے اس کی تعریف کرتے ہیں لیکن زمانہ ختم ہو جاتا ہے اور ابھی میں وہ باتیں باقی رہ جاتی ہیں جن کی تعریف نہ ہو سکی)

اس سلسلہ میں حضرت ممدوح کے مکتوبات قدسیہ کی کچھ عبارات بھی مسلمانوں کے کان تک پہنچا دینے کا ایک ذریعہ ہاتھ آگیا کچھ عجب نہیں کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے کسی سعادت مند کا کام بن جائے کیونکہ وہ نسبت عالیہ جو کبریت احمر سے بھی زیادہ عزیز الوجود ہے مکتوبات قدسیہ کے ہر ہر کلمہ میں اس طرح جلوہ گر ہے جیسے گلاب کی خوشبو اس کے پھول کی ہر ہر پتی میں ؎

درسخن پنہاں شدم مانند بو در برگ گل[1]
ہر کہ دارد آرزو یم درسخن بیند مرا

بس اب اصل مقصد شروع کیا جاتا ہے۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۰

نام ونسب نام مبارک آپ کا احمد آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عبدالاحد نسب شریف آپ کا اٹھائیس واسطہ سے امیر المومنین فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ اس نسب اقدس پر خود حضرت کو بھی ناز تھا، مکتوب ۱۰۰ دفتر اول حصہ دوم میں ملا حسن کشمیری کے اس سوال کے جواب میں کہ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب کہنے سے فلاں بزرگ نے منع کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے فرماتے ہیں:۔

نوشتہ بودند کہ شیخ عبدالکبیر یمنی گفتہ است	آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ شیخ عبدالکبیر یمنی نے
کہ حق سبحانہ وتعالیٰ عالم الغیب نیست مخدوما	فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔
فقیر را تاب استماع امثال ایں سخنان نیست	میرے مخدوم فقیر کو ایسی باتیں سننے کی تاب وطاقت
بے اختیار رگ فاروقیم درحرکت مے آید و	نہیں ہے اس قسم کی باتوں سے میری رگ فاروقی
فرصت تاویل وتوجیہ نمے دہد۔ قائل ایں	بے اختیار پھڑک اٹھتی ہے اور ان کی تاویل وتوجیہ

[1] (میں اپنے کلام میں اس طرح پوشیدہ ہوں جس طرح پھول کی خوشبو اس کی ہر پتی میں، جو شخص مجھکو دیکھنے کی آرزو رکھتا ہو وہ مجھکو میرے کلام میں دیکھے)

سخنان شیخ کبیر یمنی باشد یا شیخ اکبر شامی کلام محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار است نہ کلام محی الدین عربی وصدرالدین قونوی وعبدالرزاق کاشی، مارا بہ نص کار است نہ بفص فتوحات مدنیہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است

کی بھی مہلت نہیں دیتی۔ ان باتوں کے کہنے والے شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی، کلام محمد عربی درکار ہے نہ کہ کلام محی الدین عربی وصدرالدین قونوی و عبدالرزاق کاشی، ہمکو نص شرعی سے کام ہے نہ کہ فص[1] سے، فتوحات مدنیہ نے ہمکو فتوحات مکیہ سے بے نیاز بنادیا ہے۔

اور مکتوب ۱۵ حصہ ششم دفتر دوم میں یہ خبر سنکر کہ قصبہ سامانہ ضلع لدھیانہ میں خطیب نے خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین کا ذکر عمداً ترک کردیا فرماتے ہیں:-

چوں استماع این خبر وحشت انگیز دشورش آورد ورگ فاروقیم را حرکت داد بچند کلمہ اقدام نمود

چونکہ اس خبر وحشت انگیز نے طبیعت میں ایک شورش پیدا کردی اور میری رگ فارقی بھڑکا دی اس لئے یہ چند کلمے تحریر کردیے۔

آپ کے آبائے کرام میں بڑے بڑے علمائے کاملین اور فقرائے واصلین گذرے ہیں خصوصاً آپ کے والد ماجد حضرت مخدوم عبد الاحد بہت بڑے عالم اور سلسلہ چشتیہ میں بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلفاء میں سے تھے اور طریقہ قادریہ میں بھی صاحب اجازت تھے۔ تمام کتب درسیہ منقولات اور معقولات کا درس دیتے تھے اور مریدوں کو فیوض باطنی سے سیراب فرمایا کرتے تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

وطن اور ولادت سراپا بشارت وطن قدیم آپ کے آبائے کرام کا بعد مدینہ طیبہ کے شہر کابل تھا مگر کوئی بزرگ ہندوستان تشریف لائے اور مقام سرہند ان کو پسند آیا وہیں سکونت پذیر ہوگئے۔ اور وہیں آپ کی ولادت باسعادت ظہور میں آئی اور وہیں آپ کے اولاد

---

[1] فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ شیخ محی الدین عربی کی دو کتابوں کے نام ہیں اس عبارت میں انھی دونوں کتابوں کی طرف اشارہ ہے ۱۲

تو احناف کا مدت دراز تک قیام رہا۔

سرہند اُس وقت ایک بڑا شہر تھا لیکن اب صوبہ پنجاب ریاست پٹیالہ میں ایک قصبہ ہے حضرت نے اپنے مکتوبات میں جا بجا اس شہر مبارک کی عظمت اور برکت کا بیان فرمایا ہے چنانچہ مکتوب ۱۹۵ حصہ سوم دفتر اول میں فرماتے ہیں۔

"سرہند کہ اعظم بلاد اسلام است چند سال ست کہ قاضی ندارد۔"

سرہند میں جو ایک بڑا اسلامی شہر ہے، کئی سال سے قاضی نہیں ہے۔

اور مکتوب ۲۲ حصہ ششم دفتر دوم میں فرماتے ہیں:۔

بلدۂ سرہند گویا زمیں احیائے من است کہ برائے من چاہ عمیق تاریک را پر کردہ صفہ بلند ساختہ اندو بر اکثر بلاد و بقاع آن را ارتفاع دادہ و نورے دراں زمین ودیعت گشتہ کہ مقتبس از نور بے صفتی و بے کیفی ست در رنگ نورے کہ از زمیں مقدسہ بیت اللہ ساطع و لامع است (پھر بفاصلہ چند سطور) و بعد از مدتے ظاہر شد کہ آں نور مودوع لمعہ ایست از انوار قلبیہ ایں فقیر از یں جا اقتباس نمودہ دراں زمین افروختہ اند در رنگ آنکہ چراغے از مشعلہ برافروزند قل کل من عند اللہ اللہ نور السموات والارض۔ سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين ۵

شہر سرہند کو میرے زندہ ہونے کی جگہ سمجھنا چاہیے جیسے ایک گہرے اور تاریک کنوئیں کو پاٹ کر ایک ایسا چبوترہ بنایا گیا ہے جس کو اکثر شہروں اور مقاموں پر بلندی بخشی گئی ہے اور اس میں بے صفتی و بے کیفی کا نور ودیعت رکھا گیا ہے جو سرزمین بیت اللہ شریف میں ظاہر ہونے والے نور کی مانند ہے (چند سطروں کے بعد) ایک مدت کے بعد یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ یہ نور اس فقیر کے انوار قلبیہ کا ایک حصہ ہے یہیں سے حاصل کر کے اس سرزمین میں روشن کیا گیا ہے جس طرح شعلہ سے چراغ روشن کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اللہ ہی کا نور ہے آسمانوں میں اور زمین میں تیرا رب جو عزت والا رب ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں اور صلوٰۃ والسلام ہو خدا کے رسولوں پر اور تمام تعریفیں ہیں اس اللہ کی جو کل جہانوں کا رب ہے۔

ولادت سراپا بشارت ۱۴ شوال ۹۷۱ھ نوسو اکہتر یوم جمعہ بوقت نصف شب ہوئی۔

آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ تمام جہان میں ظلمت پھیلی ہوئی ہے۔ سور اور بندر اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں یکایک میرے سینہ سے ایک نور نکلا اور اس میں ایک تخت ظاہر ہوا اسی تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اس کے سامنے تمام ظالموں اور زندیقوں اور ملحدوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کیا جا رہا ہے۔ اور کوئی شخص بلند آواز سے کہہ رہا ہے جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

صبح کو حضرت مخدوم نے اس خواب کی تعبیر حضرت شاہ کمال کیتھلی[1] سے دریافت کی انہوں نے فرمایا کہ تمہارے ایک لڑکا پیدا ہوگا اس سے الحاد و بدعت کی ظلمت دور ہوگی۔ سبحان اللہ کیسا سچا خواب تھا اور کیسی صحیح تعبیر تھی۔

تحصیل علم | حفظ قرآن مجید سے فارغ ہونے کے بعد جس میں آپ کا بہت کم وقت صرف ہوا تحصیل علم میں مشغول ہوئے اکثر کتب درسیہ اپنے والد بزرگوار سے اور کچھ سرہند کے دوسرے علماء سے پڑھیں تصوف کی کتابیں بھی مثل تعرف اور عوارف المعارف اور فصوص الحکم وغیرہ کے اپنے والد ہی سے پڑھیں۔ ان اطراف میں مولانا کمال کشمیری معقولات کے پڑھانے میں مشہور تھے ان سے معقولات کی بعض کتابیں پڑھیں۔

کتب حدیث کی سند حضرت شیخ یعقوب کشمیری سے حاصل کی۔ اور اس زمانہ میں ایک مقدس عالم حضرت قاضی بہلول بدخشانی تھے ان سے حسب ذیل کتب کا درس لیا اور سند حاصل کی۔

امام واحدی کی تفسیر بسیط اور تفسیر وسیط اور اسباب النزول اور قاضی بیضاوی کی تفسیر اور دوسری تصنیفات مثل منہاج الوصول اور الغایۃ القصویٰ وغیرہ کے اور امام بخاری کی صحیح اور دوسری تالیفات مثل ثلاثیات اور ادب المفرد اور افعال العباد اور تاریخ کے اور مشکوٰۃ المصابیح اور شمائل

---

[1] حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ قادریہ کے پیرزادہ اور بڑے باکمال بزرگ تھے حضرت امام ربانی سے منقول ہے کہ فرماتے تھے سلسلہ قادریہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے بعد شاہ کمال کیتھلی کا مثل کم نظر آتا ہے ۱۲

ترمذی اور جامع[1] صغیر سیوطی اور قصیدہ[1] بردہ۔ غرضیکہ ہر علم و فن کو اس کے مشہور اور مستند اساتذہ سے حاصل کیا اور سند لی۔

تحصیل طریقت ابتداءً آپ نے طریقۂ چشتیہ میں اپنے والد بزرگوار سے بیعت کی اور اس کا سلوک تمام کیا۔ پھر طریقہ قادریہ بھی اخذ کیا۔ بیعت اور تعلیم طریقہ قادریہ کی اپنے والد سے پائی اور خرقہ خلافت حضرت شاہ سکندر[1] نبیرۂ حضرت شاہ کمال کیتھلی سے حاصل ہوا۔ المختصر سترہ برس کی عمر میں آپ جامع کمالات ظاہری و باطنی بنکر اپنے والد کے سامنے ہی کتب درسیہ کی تعلیم اور طریقہ کی تلقین فرمانے لگے۔

اُن ایام میں سلسلۂ کبرویہ کے ایک مشہور ولی اللہ حضرت مولنا یعقوب صرفی تھے ان سے آپ نے طریقہ کبرویہ بھی حاصل کیا۔

بایں ہمہ کمالات طریقۂ نقشبندیہ کی طلب آپ کے قلب اطہر میں موجزن ہوئی اور یہ طلب بڑھتے بڑھتے عشق کی حد تک پہونچ گئی اور یہ عشق اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا یہاں تک کہ ۱۰۰۷ھ میں جبکہ آپ کے والد بزرگوار نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی اور آپ بارادۂ حج بیت اللہ اپنے وطن مبارک سے روانہ ہوکر دہلی پہنچے تو ملا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی جن سے غالبًا پہلے کی شناسائی تھی۔ انھوں نے بر سبیل تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہ[2] نقشبندی

---

[1] حضرت شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق امام ربانی سے منقول ہے کہ فرماتے تھے آفتاب کو تو آدمی کسی طرح دیکھ بھی لیتا ہے مگر حضرت شاہ سکندر کے قلب پر بوجہ نورانیت اور چمک کے کسی کی نظر نہیں ٹھیر سکتی ۱۲

[2] ہندوستان کی سرزمین نسبت نقشبندیہ سے بالکل محروم تھی اس سلسلہ عالیہ کے سب سے پہلے بزرگ آپ ہی ہیں جو ہندوستان تشریف لائے چنانچہ خود فرماتے تھے "ایں تخم پاک را از زمین سمرقند بخارا آوردیم و در زمین برکت آمین ہند کشتیم الحمد للہ کہ بعنایت الٰہی شجرۂ طیبہ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء ظاہر شد" ولادت آپ کی بمقام کابل ۹۷۱ھ میں ہوئی یہی سن ولادت حضرت امام ربانی کا ہے اور بعمر اکتالیس سال بروز شنبہ ۲۵ جمادی الآخرہ ۱۰۱۲ھ بمقام دہلی وفات پائی مزار مبارک دہلی میں بیرون اجمیری دروازہ ہے قریب مزار مبارک ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد ہے جس میں سنگ بصری کے ستون ہیں ۱۲

احراری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا اس ذکر کو سُن کر حضرت امام ربّانی کا عجیب حال ہوا سرو دبستاں یاد دہانیدن ایک مشہور مثل ہے ۔

نتیجہ یہ ہوا کہ آپ خواجہ سے ملنے گئے بیعت کرنا چہ معنی دہلی میں قیام کرنے کا اس وقت خیال بھی نہ تھا ۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری پائیں

حضرت خواجہؒ کی طبیعت بہت دیر آشنا تھی مگر خلافِ عادت حضرت امام سے پہلی ہی ملاقات میں بہت بشاشت و محبت سے ملے اور حج کا ارادہ سنکر فرمایا کہ حج تو موجب سعادتِ دارین ہے لیکن کوئی مانع نہو تو کم سے کم ایک مہینہ یا ایک ہفتہ یہاں ہماری صحبت میں قیام کرو ۔ حضرت امام نے بلا عذر قبول فرمایا ۔

حضرت خواجہ کی صحبت نے اس قدر تیزی کے ساتھ اثر کیا کہ دو ہی دن کے بعد آپ نے بیعت کی درخواست کی حضرت خواجہ نے خلاف معمول بلا استخارہ فوراً آپ کو داخل سلسلہ کر لیا اور ذکر کی تلقین فرما کر قلب پر توجہ کی ۔ قلب اسی وقت ذکر میں مشغول ہو گیا اور یوماً فیوماً نہیں بلکہ لحظہ بلحظہ حالات باطنی میں ترقی شروع ہوئی اور انتہا یہ ہو کر جو حالات پیش آئے وہ تو مالا عین رأت ولا اذن سمعت کا مصداق ہیں ۔

حضرت امام ربانی نے ڈھائی مہینہ دہلی میں قیام فرمایا ۔ اس قلیل مدت میں نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہو گئی نسبت نقشبندیہ نام ہے "دوام حضور و آگاہی کا جس کے ساتھ غیبت بالکل نہ ہو اسی چیز کو حدیث نبوی میں کانک تراہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے ۔

اس کے بعد حضرت امام دو مرتبہ اور سرہند سے دہلی اپنے مرشد کامل کی خدمت میں حاضر ہوئے ، یہ کل تین صحبتیں اپنے شیخ کی آپ کے لئے کافی ہو گئیں ۔

پہلی مرتبہ حضرت خواجہ نے خوشخبری سنائی کہ تم کو نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہو گئی

اور تقرب الٰہی کے یوماً فیوماً ترقی کرنے کی امید ہے۔ دوسری مرتبہ خلعت خلافت عطا فرمائی اور طالبان خدا کو تعلیم طریقت اور ارشاد و ہدایت کی اجازت دی اور اپنے مخصوص ترین اصحاب کو تعلیم طریقت کے لئے آپ کے سپرد کیا۔ تیسری مرتبہ حضرت خواجہ بقدر دو پرتاب تیر کے پیشوائی کے لئے آئے اور بڑی بڑی عظیم الشان بشارتیں عطا فرمائیں۔ اور اپنے حلقہ توجہ میں آپ کو سرحلقہ بنا کر بٹھایا اور مریدوں سے فرمایا کہ ان کی موجودگی میں کوئی شخص میری طرف متوجہ نہوا کرے۔ رخصت کرتے وقت فرمایا کہ اب ضعف بہت معلوم ہوتا ہے امید حیات بہت کم ہے اور اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت خواجہ عبید اللہ و حضرت خواجہ عبد اللہ کو کہ اُس وقت شیر خوار تھے اپنے سامنے حضرت امام ربانی سے توجہ دلائی اور فرمایا کہ ان کی ماؤں کو بھی غائبانہ توجہ دیجئے چنانچہ آپ نے توجہ دی اور توجہ کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہوا۔

مکتوبات قدسیہ میں یہ واقعات جستہ جستہ مذکور ہیں چنانچہ مکتوب ۲۶۶ دفتر اول حصہ چہارم میں اپنے پیرزادوں یعنی خواجہ عبید اللہ و خواجہ عبد اللہ کو لکھتے ہیں:۔

ایں فقیر از سرتا قدم غرق احسانہا والد بزرگوار	یہ فقیر از سرتا قدم آپ کے والد بزرگوار کے احسانوں
شماست دریں طریق سبق الف بے از ایشاں	میں غرق ہے اس راہ میں الف بے کا سبق انہی سے لیا
گرفتہ است و تہجی حروف ایں راہ از ایشاں	ہے، اور اس راہ کے حروف تہجی انہی سے سیکھے ہیں،
آموختہ و دولت اندراج النہایۃ فی البدایۃ	اور ابتدا میں انتہا کے مدارج حاصل ہونے کی دولت
ببرکت صحبت ایشاں حاصل کردہ و سعادت سفر در[1]	انہی کی صحبت کی برکت سے حاصل کی ہے اور سفر در وطن
وطن را بصدقہ خدمت ایشاں یافتہ توجہ شریف	کی سعادت انہی کی خدمت کے صدقہ میں پائی ہے

---

[1] یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ سر سلسلۂ خواجگان حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی نے آٹھ اصطلاحات مقرر فرمائی تھیں طریقہ نقشبندیہ کی بنیاد انھیں آٹھ چیزوں پر ہے وہ آٹھ اصطلاحات یہ ہیں۔ ہوش دردم[1]۔ نظر برقدم[2]۔ سفر در وطن[3]۔ خلوت در انجمن[4]۔ یادکرد[5]۔ بازگشت[6]۔ نگہداشت[7]۔ یادداشت[8] ان سب کی شرح اور طریق عمل مکتوبات قدسیہ میں موجود ہے۔

ایشاں در دو و نیم ماہ ایں ناقابل را بہ نسبت
نقشبندیہ رسانیدہ و حضور خاص ایں اکابر
را عطا فرمودہ و دریں مدت قلیلہ آنچہ از
تجلیات و ظہورات و انوار و الوان و بے
رنگیہا و بے کیفہا کہ بطفیل ایشاں رو دادہ
چہ شرح دہد و چہ بیان تفصیل آن نماید بمیں
توجہ شریف ایشاں کم دقیقہ ماندہ باشد در
معارف توحید و اتحاد و قرب و معیت و احاطہ
و سریاں کہ بریں فقیر نکشادند و از حقیقت آں
اطلاع ندادند، شہود وحدت در کثرت
شاہدہ کثرت در وحدت از مقدمات و
مبادی ایں معارف ست۔ بالجملہ آنجا کہ نسبت
نقشبندیہ ست و حضور خاص ایں اکابر نام ایں
معارف بر زبان آوردن و نشان ایں شہود و
شاہدہ را بیان نمودن از کوتہ نظری ست۔
کارخانہ ایں اکابر بلند ست بہر زراقے و رقاصے
نسبت ندارند و ہر گاہ ایں طور دولتے رفیع القدر
از حضرت ایشاں بایں فقیر رسیدہ باشد اگر
مدت عمر سر خود را پائمال اقدام خدمۂ عتبہ عالیہ
شما کردہ باشد ہیچ نکردہ باشد۔ از تقصیرات
خود چہ عرض نماید و از شرمندگیہائے خود چہ

اُن کی توجہ شریف نے ڈھائی ماہ میں اس ناقابل
کو نسبت نقشبندیہ تک پہونچا دیا اور اکابر نقشبندیہ
کا حضور خاص عطا فرمایا۔ اس قلیل مدت میں جو تجلیات
ظہورات، انوار، الوان اور بے رنگیاں اور بے کیفیاں
حاصل ہوئیں ان کی شرح و تفصیل کیا بیان کی جائے
حضرت کی توجہ شریف کی برکت سے، معارف
توحید و اتحاد، قرب و معیت اور احاطہ و سریان
میں سے شاید ہی کوئی دقیقہ ایسا ہو جو اس فقیر
پر واضح نہ ہوا ہو، اور اس کی حقیقت کی اطلاع
نہ دی گئی ہو۔ کثرت میں وحدت کا معائنہ
اور وحدت میں کثرت کا مشاہدہ تو ان معارف
کی ابتدائی باتیں ہیں بہرحال جس جگہ نسبت
نقشبندیہ اور اس کے اکابر کا حضور خاص موجود
ہو ان معارف کا نام زبان پر لانا اور اس شہود
مشاہدہ کی نشان دہی کرنا کوتاہ نظری ہے۔ ان
اکابر کا کارخانہ بلند ہے جو کسی حیلہ گر رقاص کے
کاروبار سے کوئی نسبت نہیں رکھتا جب اس فقیر
کو ایسی بلند مرتبہ دولت آپ کے والد بزرگوار سے
حاصل ہوئی تو اگر یہ فقیر عمر بھر آپ کے دربار عالی
کے خدام کے قدموں میں سر پامال کرے تب بھی
اس نے کوئی حق ادا نہ کیا۔ یہ فقیر اپنی کوتاہیوں کو

اظہار نماید۔ اما معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد
را حضرت حق سبحانہ از ما جزای خیر دہاد کہ مؤنت
ما مقصران را بر خود التزام نمودہ کمر ہمت را در
خدمت عتبہ علیہ بستہ اند و ما و دور افتادگان
را فارغ ساختہ سہ اگر بر تن من زبان شود ہر موی
یک شکر وی از ہزار نتوانم کردہ سہ مرتبہ ایں
فقیر بدولت عتبہ بوسی حضرت ایشاں مشرف
گشت مرتبہ اخیر فقیر را فرمودند کہ ضعف
بدن برمن غالب آمدہ است امید حیات کم ماندہ
از احوال طفلان خبردار خواہی ماند و در حضور
خود شما را طلبیدند و شما در حجرہ مرضعات بودید
و بفقیر امر کردند کہ با ایشان توجہ کن بامر ایشان
در حضور ایشاں بشما توجہ کردہ بعد کہ اثر آں
توجہ نیز ظاہر شدہ بعد ازاں فرمودند کہ
حضرت والدات ایشاں را نیز غائبانہ توجہ
بکن غائبانہ توجہ نمودہ آمد امید ست کہ ببرکت
حضور ایشاں آں توجہ مثمر نتائج باشد۔

کیا بیان کرے اور اپنی شرمندگی کو کیا ظاہر کرے
معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو اللہ تعالیٰ ہماری
طرف سے جزائے خیر عطا کرے کہ انھوں نے ہم تقصیر
کرنے والوں کا بار خود اٹھایا اور خدام دربار عالی کی خدمت
کے لئے کمر ہمت باندھی اور ہم دور افتادہ لوگوں کو
اس سے سبکدوش کیا۔ اگر میرے جسم کا ہر رویاں زبان بن کر
ادا کرے تو ان کے ہزار شکروں میں سے ایک شکر بھی ادا
نہ ہو سکے۔ اس فقیر کو تین مرتبہ حضرت کے در دولت کی
عتبہ بوسی کا شرف حاصل ہوا جب آخری مرتبہ زیارت
ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ضعف بدن غالب آگیا ہے
(اب) امید حیات کم رہ گئی ہے تم بچوں کے احوال سے
باخبر رہنا (پھر) آپ کو اپنے سامنے طلب فرمایا اُس
وقت آپ دودھ پیتے بچے تھے، اس فقیر کو حکم دیا کہ ان کو
توجہ دو حضرت کے حکم سے ان کی موجودگی میں، میں نے
آپکو توجہ دی یہاں تک کہ اس کا اثر بھی ظاہر ہوا اس کے
بعد حضرت نے فرمایا کہ صاحبزادوں کی والدات کو بھی
غائبانہ توجہ دو چنانچہ ان کو بھی غائبانہ توجہ دی گئی امید
ہے کہ حضرت کی موجودگی کی برکت سے اس توجہ کے بھی اچھے
نتائج ظاہر ہوئے ہوں۔

(یہ مکتوب ابھی بہت باقی ہے آگے چل کر صاحبزادوں کو شریعت و طریقت کے متعلق
بہت باتیں تعلیم فرمائی ہیں اور ضمناً علم کلام کے بڑے اہم مسائل آگئے ہیں)

مکتوب ۸۵ دفتر سوم حصہ نہم میں فرماتے ہیں :-

ارادت من بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوسائط کثیرہ ست در طریقہ نقشبندیہ بیست ویک واسطہ درمیان است و در طریقۂ قادریہ بیست و پنج و در طریقہ چشتیہ بیست و ہفت اہـ بہ فاصلہ چند سطور) سلسلۂ من سلسلہ رحمانی است کہ من عبد الرحمن ام چہ رب من رحمن ست و مربی من ارحم الراحمین وطریقہ من طریقۂ سبحانی ست کہ از راہ تنزیہ رفتہ ام و از اسم و صفت جز ذات اقدس تعالیٰ نخواستہ۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری ارادت بہت سے واسطوں سے ہے طریقہ نقشبندیہ میں اکیس[۲۱] واسطے درمیان میں ہیں طریقۂ قادریہ میں پچیس[۲۵] واسطے اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس واسطے میرا سلسلہ رحمانی ہے کیونکہ میں رحمٰن کا بندہ ہوں، میرا رب رحمٰن ہے اور میرا مربی ارحم الراحمین۔ میرا طریقہ سبحانی ہے کیونکہ میں تنزیہ کی راہ سے پہونچا ہوں اسم و صفت سے مقصود سوائے ذات حق کے کچھ نہیں ہے۔

مکتوب ۳۱ دفتر اول حصہ اول میں فرماتے ہیں :-

تا آنکہ حق سبحانہ وتعالےٰ بہ محض کرم خویش بخدمت ارشاد پناہی حقائق و معارف آگاہی موید الدین الرضی شیخنا و مولنا وقبلتنا محمد الباقی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ رسانید وایشاں بہ نقیر طریقہ علیہ نقشبندیہ تعلیم فرمودند و توجہ بلیغ بحال ایں مسکین مرعی داشتند

یہانتک کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے کرم سے اس نقیر کو ارشاد پناہ، حقائق و معارف آگاہ، موید الدین، الرضی شیخنا و مولنا و قبلتنا محمد الباقی قدس اللہ سرہٗ کی خدمت اقدس میں پہونچایا اور انھوں نے اس نقیر کو طریقۂ نقشبندیہ کی تعلیم دی اور اس مسکین کے حال پر توجہ بلیغ فرمائی۔

مکتوب ۲۹۰ دفتر اول حصہ پنجم میں اپنے مرید مولنا محمد ہاشمؒ کو لکھتے ہیں :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ واصحابہ الطیبین

وآلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین۔
بدانکہ طریقے کہ اقرب است واسبق واوفق
واوثق واسلم واحکم واصدق واولیٰ واعلیٰ
واجل وارفع واکمل طریقہ علیہ نقشبندیہ است
قدس اللہ تعالےٰ ارواح اہالیہا واسرار
موالیہا ایں ہمہ بزرگی ایں طریق وعلوشان
این بزرگواران بواسطہ التزام متابعت سنت
سنیۃ است علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام
والتحیۃ واجتناب از بدعت نامرضیہ
(بہ بفاصلہ چند سطور) اے برادر ارشدک اللہ
تعالیٰ الی سواء الصراط این درویش را چوں
ہوس ایں راہ پیدا شد عنایت خداوندی جل
علا ہادی کار اوگشتہ بخدمت ولایت پناہ
حقیقت آگاہ ہادی طریق اندراج النہایہ
فی البدایہ والی السبیل الوصل الی درجات
الولایہ مویدالدین الرضی شیخنا و مولنا
وامامنا الشیخ محمد الباقی قدس اللہ تعالےٰ
سرہٗ کہ یکے از خلفائے کبار خانوادہ حضرات
اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم بودہ
اند رسانید ایشاں ایں درویش را ذکر اسم
ذات جل سلطانہ تعلیم فرمودند بطریق معہود

الطاہرین۔ خوب جان لو کہ جو طریقہ سب طریقوں
میں اقرب، اور سب سے سابق، سب سے زیادہ
(کتاب وسنت کے) موافق، سب سے زیادہ قابل
اعتماد، سب سے زیادہ محفوظ، سب سے زیادہ منضبط
سب سے زیادہ سچا، سب سے زیادہ راہ بتانے والا
سب سے برتر، سب سے بزرگ سب سے بلند اور
سب سے کامل ہے وہ طریقہ نقشبندیہ ہے اللہ تعالیٰ
اس طریقہ پر چلنے والوں کی ارواح کو مقدس اور اس سے
محبت رکھنے والوں کے اسرار کو پاکیزہ بنائے اس طریقہ
کی یہ تمام بزرگی اور اس کے بزرگوں کی یہ سب علوشان
(محض دو وجہوں سے ہے ایک) اتباع سنت نبویہ
کے التزام علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، (دوسرے)
بدعت نامرضیہ سے اجتناب (چند سطروں کے بعد) اے
برادر خدا تجھکو صراط مستقیم پر چلنا نصیب کرے جب اس فقیر
کو اس راہ کا شوق پیدا ہوا تو عنایت خداوندی نے اسکی
رہنمائی فرمائی اور اس کو ولایت پناہ حقیقت آگاہ،
ہادی طریق اندراج النہایۃ فی البدایۃ، رہبر درجات
ولایت، مؤیدالدین الرضی شیخنا ومولنا وامامنا
شیخ محمد الباقی قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں پہونچایا
جو اکابر نقشبندیہ کے خاندان کے خلفائے کبار میں سے تھے
حضرت والا نے اس درویش کو ذکر اسم ذات کی تعلیم دی

توجہ نمودند تا الالتذاذ تمام دریں پیدا شد و
از کمال شوق گریہ دست داد و بعد از یک
روز کیفیت بیخودی کہ نزد ایں اکابر معتبر ست
و مسمی ست بہ غیبت رو نمود و دران بیخودی
یک دریائی محیط بدیدم و اشکال عالم را در
رنگ سایہ دراں دریا مے یافتم و ایں بیخودی
رفتہ رفتہ استیلائے پیدا کرد و بامتداد کشید
گاہے تا یک پہر روزے مے کشید و گاہے
تا دو پہر و در بعضے اوقات استیعاب
شب مے نمود و چوں ایں قضیہ را بحضرت
ایشاں رسانیدم فرمودند نوعے از فنا
حاصل شدہ ست و از ذکر گفتن منع فرمودند
و بہ نگاہ داشت آن آگاہی امر نمودند و بعد
از دو روز مرا فنائے مصطلح حاصل شد بعرض
رسانیدم فرمودند کہ بکار خود مشغول باش۔

اور اس طریقہ کے بزرگوں کے موافق توجہ دی
یہانتک کہ اس ذکر میں مجھکو پوری لذت ملنے لگی
اور کمال شوق میں گریہ وزاری کی کیفیت پیدا ہوئی
پھر ایک روز کے بعد وہ بیخودی کی کیفیت پیدا ہوئی
جو ان بزرگوں کے نزدیک نہیں ہے اور جس کا نام انکی
اصطلاح میں غیبت ہے اس بیخودی کے عالم میں
مجھکو ایک دریائے محیط نظر آرہا تھا اور اس میں دنیا
کی شکلیں اور صورتیں سایہ کی طرح معلوم ہو رہی تھیں۔
رفتہ رفتہ مجھپر اس بیخودی کا غلبہ ہوا اور دیر تک یہ
کیفیت رہنے لگی کبھی ایک پہر دن تک یہی کیفیت
رہتی اور کبھی دو پہر دن تک اور بعض اوقات تمام
رات یہی حالت رہتی جب میں نے حضرت والا سے
اپنا حال عرض کیا تو حضرت نے فرمایا کہ تم کو ایک
قسم کی فنا حاصل ہوئی ہے اور ذکر سے منع فرمایا اور
اس آگاہی کی نگاہ داشت کا حکم دیا دو روز کے بعد
فنائے اصطلاحی حاصل ہوئی جب میں نے حضرت
والا سے عرض کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اپنے کام میں لگے رہو۔

یہ خط سولہ صفحہ کا ہے آگے چل کر معارف سلوک بیان فرماتے ہیں اس کے بعد لکھتے ہیں۔

اے برادر چوں حضرت خواجہ مرا کامل
دانستہ اجازت تعلیم طریقہ فرمودند و جمعے از
طالبان را حوالہ من نمودند مرا دراں وقت
در کمال و تکمیل خود تردد بود فرمودند جائے

اے برادر جب حضرت خواجہ نے مجھکو کامل و
مکمل سمجھکر تعلیم طریقہ کی اجازت دی اور طالبان
راہ کی ایک جماعت میرے سپرد فرمائی تو اس وقت
مجھکو اپنے کمال و تکمیل میں تردد تھا۔ حضرت والا

تردد نیست مشائخ عظام ایں مقامات را مقام
کمال و تکمیل فرمودہ اند اگر ترددے دریں
مقام پیدا شود ترددے در کمالیت آں
مشائخ لازم آید حسب الامر شروع در تعلیم
طریقت نمودم و توجہات در کار طالبان
مرعی ساختم در مسترشدان اثر ہائے عظام
محسوس شد حتی کہ کار سنین بہ ساعات قرار
یافت۔ (پھر بفاصلہ چند سطور) بداں کہ حاصل
طریقہ حضرات خواجگان قدس اللہ تعالے
اسرارہم عقائد اہل سنت و جماعت ست
و اتباع سنت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام
والتحیۃ و اجتناب است از بدعت و
ہوای نفسانیہ و عمل بہ عزیمت اور مہما امکن
و احتراز از عمل بہ رخصت و استہلاک و اضمحلال است
اولا در جہت جذبہ و ایں استہلاک را بہ عدم تعبیر کردہ
اند و بقائے کہ دریں جہت پیدا شود بعد از تحقق
ایں استہلاک معبر بوجود عدم است الخ

نے فرمایا کہ تردد کی بات نہیں ہے کیونکہ مشائخ
عظام نے ان مقامات کو کمال و تکمیل کا مقام فرمایا
ہے اگر اس مقام کے مقام کمال و تکمیل ہونے میں
تردد کیا جائے تو ان مشائخ کے کمال میں تردد لازم
آتا ہے۔ حضرت کے حکم کے مطابق طریقہ کی تعلیم شروع
کی اور طالبان راہ کو توجہ دینے لگا۔ پھر ان طالبانِ راہ
میں بڑے اثرات محسوس ہوئے حتّٰی کہ سالوں کا کام
ساعتوں میں پورا ہوا (چند سطروں کے بعد) حضرات
خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے طریقہ کا
حاصل یہ ہے کہ عقائد اہل سنت و جماعت کا معتقد ہو
اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا متبع
اور بدعت و ہوائے نفسانی سے مجتنب تا حد امکان
عزیمت پر کاربند اور رخصت سے محترز، نیستی
اور فنا کی کیفیت پیدا کرے۔ اولاً جذبات کی
فنا پھر فنائے کامل (اس نیستی اور فنا کو حضرات
نقشبندیہ عدم کہتے ہیں اور اس فنا کے بعد جو بقا
حاصل ہوتی ہے اس کو یہ حضرات وجود عدم کہتے ہیں۔

حضرت امام ربانی جب تیسری بار حضرت خواجہ سے رخصت ہونے لگے تو حضرت خواجہ
نے فرمایا کہ جب میں نے ہندوستان آنیکا ارادہ کیا تو استخارہ کیا۔ استخارہ کے بعد معلوم ہوا
کہ ایک خوبصورت طوطی جو بہت میٹھی باتیں کرتا ہے میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا اور میں اپنا
لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال رہا ہوں اور وہ اپنے منقار سے شکر میرے منہ میں دے رہا ہے۔

میں نے اپنے پیر مرشد حضرت خواجہ امکنگی[1] سے یہ واقعہ بیان کیا تو حضرت پیر مرشد نے فرمایا کہ طوطی ہندوستان کا جانور ہے۔ ہندوستان میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا شخص ظاہر ہوگا جس سے ایک عالم منور ہو جائے گا اور تم کو بھی اس سے حصہ ملیگا۔ حضرت خواجہ نے اس تعبیر کا مصداق امام ربانی کو فرمایا۔ نیز حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جب میں ہندوستان آتے ہوئے شہر سرہند پہونچا تو واقعہ[2] میں یہ معلوم ہوا کہ میں ایک قطب کے پڑوس میں اترا ہوں اور اس قطب کا حلیہ بھی مجھے بتایا گیا صبح کو جس قدر درویش اور گوشہ نشین لوگ سرہند میں تھے میں سب سے ملا لیکن نہ وہ حلیہ کسی کا تھا نہ قطبیت کی کوئی صفت کسی میں پائی خیال ہوا کہ شاید اس شہر کے لوگوں میں آئندہ کوئی ایسا شخص ظاہر ہو جب تم کو دیکھا تو تمہارا حلیہ بھی وہی پایا اور تم میں اس منصب کی قابلیت بھی محسوس ہوئی۔ نیز حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے (واقعہ میں) دیکھا کہ ایک بڑی مشعل آفتاب کے شکل میں نے سرہند میں روشن کی ہے اور یہ محسوس ہوا کہ اس کی روشنی لحظہ بلحظہ ترقی کر رہی ہے اور لوگ اس سے چراغ روشن کر رہے ہیں۔ یہ اشارہ بھی تمہاری ہی معاملہ کی طرف ہے۔

مرید تو اپنے پیر کی تعریف کیا ہی کرتے ہیں حتیٰ کہ بطور ضرب المثل کے یہ مقولہ دنیا میں رائج ہے کہ :-

"پیران نے پرند مریدان مے پرانند"

مگر ایسا کم ہوا ہے کہ پیر اپنے مرید کی تعریف کرے اور تعریف بھی ایسی جیسی کہ حضرت امام ربانی کی ان کے پیر نے کی جو آئندہ صفحات میں انشاء اللہ تعالیٰ منقول ہوگی۔ بلا شبہہ یہ چیز

---

[1] حضرت خواجہ امکنگی اپنے والد حضرت مولانا درویش محمد کے خلیفہ ہیں اور وہ امام الائمہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے خلیفہ کے خلیفہ ہیں حضرت خواجہ امکنگی حضرت شاہ نقشبند کے قدم بقدم چلنے میں ضرب المثل تھے اور اس زمانہ میں جو بعض بدعات طریقہ میں رائج تھیں مثل ذکر با جہر اور جماعت تہجد کے ان بدعات سے کامل پرہیز رکھتے تھے ولادت آپ کی ۹۱۸ھ میں اور وفات ۱۰۰۸ھ میں ہوئی [2] یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے - ۱۲۰

حضرت امام کے خصائص میں سے ہے۔

حضرت کے بعض ظاہری کمالات | حضرت امام ربانی کو حق تعالٰے نے ظاہری وباطنی صوری ومعنوی ہر قسم کے کمالات کا مجموعہ بنایا تھا چند باتیں بطور مثال کے زیب رقم کی جاتی ہیں۔

(۱) احسن الخالقین نے آپ کی ظاہری شکل وصورت بھی ایسی محبوب بنائی تھی کہ جو دیکھ لیتا بے اختیار اس کا دل کہتا کہ تبارك الله احسن الخالقين

راقم الحروف نے مقام بہرائچ میں سلسلۂ مجددیہ کے ایک بزرگ کے یہاں حضرت امام کی مستعمل جوتیوں کی زیارت کی تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قد مبارک متوسط تھا۔ چہرۂ انور کا رنگ گندم گوں مائل بسفیدی بیان کیا گیا ہے۔ پیشانی کشادہ تھی داڑھی گھنی تھی آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ صورتِ اقدس پر انوار ولایت نمایاں تھے ملاحت کے ساتھ ساتھ رعب ودبدبہ بہت تھا۔

(۲) طلب معاش کی فکر کبھی آپ کے قریب نہیں آئی۔ باوجودیکہ بادشاہِ ہندوستان جو اس وقت دنیا میں عظیم الشان بادشاہ تھا۔ آخر میں آپ کا غلام بن چکا تھا مگر کوئی مستقل ذریعہ آمدنی کا اخیر تک آپ کے یہاں نہیں رہا۔ اپنے مخصوص خدام میں کسی کو فکر معاش میں پریشان دیکھتے تو اس کو نصیحت فرماتے چنانچہ مکتوب ۶۵ دفتر دوم حصہ ہفتم میں مولنا محمد ہاشم کو لکھا کہ:۔

امور دنیا امور لاطائل ست، دنیا وما فیہا	امور دنیا، امور بے فائدہ ہیں، دنیا وما فیہا اس لائق
گرامی آن نے کند کہ تذکر احوال آخرت	نہیں ہے کہ انسان احوالِ آخرت کی یاد ترک کر کے ان
را گذاشتہ کسے بہ حشویات اشتغال	فضول باتوں میں مشغول ہو اگرچہ تمہاری نیت بخیر ہوگی
نماید، ہر چند نیت شما بخیر خواہد بود اما	لیکن تم نے حسنات الابرار سیئات المقربین کا مقولہ سنا
حسنات الابرار سیئات المقربین	ہوگا بہر حال احوال باطن میں متوجہ رہیں طفیلی (دنیا)

شنیدہ باشند۔ بہر حال متوجہ احوال باطن باشند و طفیلی را ضروری دانند والضرورۃ تقدر بقدرہا۔ للہ سبحانہ الحمد والمنۃ کہ فقرای این جای ہر چند رزق معلوم نہ دارند اما بے سعی و بے کوشش بفراغت و وسعت میگزرانند زیادہ از قدر کفاف میرسد روز نو و روزی نو نقد وقت ماست۔

کو بس ایک امر ضروری سمجھیں اور قاعدہ ہے کہ ضرورت بقدر ضرورت ہوتی ہے (اس سے زیادہ نہیں) اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ یہاں کے فقراء باوجودیکہ رزق معین نہیں رکھتے ہیں لیکن پھر بھی بغیر سعی و کوشش کے فراغت و وسعت سے زندگی گذارتے ہیں کافی سے زیادہ ان کو روزی پہونچتی ہے، نیا روز نئی روزی کی دولت ہم کو ہر وقت حاصل ہے۔

(۳) آپ کے علم و عمل دونوں کی تعریف آپ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ نے جن بلند کلمات میں فرمائی ہے وہ انشاء اللہ آئندہ منقول ہوں گے۔ باوجود اس علم کامل کے آپ مقلد تھے حنفی تھے تقلید کو اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے اور امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم و اجتہاد کی رفعت اور ان کے ورع اور عبادت کی عظمت جا بجا اپنے مکتوبات میں زیب رقم فرماتے ہیں مکتوب ۲۸۲ دفتر اول حصہ پنجم میں فرماتے ہیں۔

قیاس و اجتہاد اصلی ست از اصول شرعیہ کہ ما بتقلید آن ماموریم بخلاف کشف و الہام کہ ما را بہ تقلید آن امر نہ فرمودند الہام بر غیر حجت نیست و اجتہاد بر مقلد حجت ست پس تقلید علمای مجتہدین باید کرد۔

قیاس شرعی اور اجتہاد، اصول شرعیہ میں سے ایک اصل ہے جس کی تقلید کا ہم کو حکم دیا گیا ہے برخلاف کشف و الہام کہ ان کی تقلید کا ہم کو حکم نہیں دیا گیا، ایک کا الہام دوسرے پر حجت نہیں لیکن مجتہد کا اجتہاد مقلد کے لئے حجت ہے لہذا علمائے مجتہدین کی تقلید کرنا چاہئے۔ (نہ کہ کشف و الہام کی)

مکتوب ۲۶۶ دفتر اول حصہ چہارم ص۱۶۳ میں ہے:۔

عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس نیست کہ ما ایشان را معذور داریم و

کسی شے کی حلت و حرمت میں صوفیہ کا عمل سند نہیں ہے، کیا یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور

ملامت نکنیم و امر ایشان را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم ، اینجا قول امام ابی حنیفہ و امام ابو یوسف و امام محمد معتبر است نہ عمل ابی بکر شبلی و ابی حسن نوری ۔

سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ ان باتوں میں (حلت وحرمت میں) امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوحسن نوری کا عمل

مکتوب ۵۵ دفتر دوم حصہ ہفتم ص ۱۲۴ میں ہے :-

مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوفی ست رحمۃ اللہ علیہ کہ ببرکت ورع و تقویٰ و بدولت متابعت سنت درجہ علیا در اجتہاد و استنباط یافتہ است کہ دیگران در فہم آن عاجز و قاصر اند (پھر بفاصلہ چند سطور) و فراست امام شافعی بہ کرشمہ از دقت فقاہت او علیہ الرضوان دریافت کہ گفت "الفقہاء کلہم عیال ابی حنیفہ" (پھر بفاصلہ چند سطور) بے شائبہ تکلف و تعصب گفتہ مے شود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی بنظر کشفی در رنگ دریائے عظیم مے نماید و سائر مذاہب در رنگ حیاض و جداول بنظر مے آیند (پھر بفاصلہ چند سطور) عجب معاملہ ست امام ابوحنیفہ در تقلید سنت از ہمہ پیش قدم ست و احادیث مرسل را در رنگ احادیث مسند شایان متابعت مے داند و بر رائے خود مقدم مے دا(ند)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جیسی ہے کہ اُن کو ورع و تقویٰ کی برکت اور اتباع سنت کی دولت سے اجتہاد و استنباط میں وہ درجہ علیا حاصل ہوا کہ دوسرے اس کے سمجھنے سے عاجز و قاصر ہیں (چند سطروں کے بعد) امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فراست نے اُن کی دقتِ فقاہت کو سمجھا اس لئے فرمایا کہ تمام فقہا ابوحنیفہ کے عیال ہیں (چند سطروں کے بعد) بغیر کسی تکلف و تعصب کے عرض کیا جاتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت نظر کشف میں دریائے عظیم کے مانند نظر آتی ہے اور دوسرے مذاہب حوضوں اور نالوں کے مانند نظر آتے ہیں (چند سطروں کے بعد) عجب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ تقلید سنت میں سب سے آگے ہیں احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح لائق اتباع سمجھتے ہیں۔ اور اُن کو اپنے اجتہاد پر مقدم کرتے ہیں، اسی طرح

ذہجنیں قول صحابی را بواسطہ شرف صحبت	قولِ صحابی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف
خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات	صحبت کی وجہ سے اپنے اجتہاد پر مقدم رکھتے ہیں
بر رائے خود مقدم میدارد و دیگران نہ چنیں	دوسرے مجتہدین کا معاملہ ایسا نہیں ہے (چند سطروں
اند (پھر بفاصلہ چند سطور) بانی فقہ ابو حنیفہ	کے بعد) فقہ کے بانی ابو حنیفہ ہیں فقہ کے تین حصے
ست وسہ حصہ از فقہ او را مسلم داشتہ اندو	انہی کے لئے تسلیم کئے گئے ہیں باقی چوتھائی میں
در ربع باقی ہمہ شرکت دارند وے صاحب	سب شریک ہیں، وہ صاحبِ خانہ ہیں دوسرے
خانہ اوست و دیگران ہمہ عیال وے اند۔	اُن کے عیال ہیں باوجود مذہب حنفی کے التزام کے
باوجود التزام این مذہب مرا با امام شافعی	امام شافعی سے گویا مجھکو محبت ذاتی ہے میں ان کو بزرگ
گویا محبت ذاتی ست و بزرگ میدانم لہذا در	جانتا ہوں اس لئے بعض اعمال نافلہ میں ان کے
بعضے اعمال نافلہ تقلید مذہب اوے نمایم	مذہب کی تقلید کرتا ہوں لیکن کیا کروں کہ دوسروں
اما چہ کنم کہ دیگراں را با وجود وفور علم و	کو باوجود فراوانی علم اور کمال تقویٰ کے
کمال تقویٰ در جنب امام ابی حنیفہ در رنگ	امام ابو حنیفہ کے مقابلہ میں بچوں کے مانند
طفلاں مے یابم والامر الی اللہ سبحانہ۔	پاتا ہوں۔

(۴) پابندی شریعت کا بے نہایت اہتمام، پیروی سنت کا بے اندازہ حرص بدعات سے بیحد نفرت اور بے انتہا احتراز آپ کے خصائص حمیدہ میں سے تھا۔ ہمیشہ عزیمت پر عمل کرنا رخصت کے قریب نہ جانا آپ کا شایاں شعار تھا اور بموافق آیہ کریمہ وجعلها کلمۃ باقیۃ فی عقبہ یہ چیزیں آپ نے اپنے خلفاء و متوسلین کے لئے میراث چھوڑیں۔

عادات میں اور ذرا ذرا سی باتوں میں اتباع سنت کا اس قدر اہتمام فرماتے کہ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے غرض کسی چیز میں کوئی فعل انکا خلاف سنت کسی منکر اور معاند نے بھی نقل نہیں کیا۔

ایک مرتبہ کسی خادم سے فرمایا کہ فلاں مقام پر لونگیں رکھی ہیں کچھ دانے لے آؤ وہ چھ

دانے لے آیا اتنی ذراسی بات میں ترک سنت آپ کو ناگوار ہوا اور ناخوشی کے لہجہ میں فرمایا کہ ہمارے صوفی کو اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ عدد طاق کی رعایت سنت ہے اللہ وتر و یحب الوتر، فرمایا کہ میں تو وضو میں منہ دھوتے وقت یہ خیال رکھتا ہوں کہ پہلے داہنے رخسارے پر پانی پڑے کیونکہ تیامن بھی سنت ہے۔

مکتوب ۲۴۳ دفتر اول حصہ پنجم صـ۱۲۲ مولانا محمد ہاشم کو اس سوال کے جواب میں کہ کرتے کا چاک گریبان سامنے سینہ پر ہونا مسنون ہے یا شانوں پر لکھتے ہیں:۔

بدانند کہ ما ہم دریں باب تردد داریم اہل عرب پیراہن پیش چاک مے پوشند و آنرا سنت مے دانند و از بعضے کتب حنفیہ مفہوم مے شود کہ پیراہن پیش چاک مرداں را نباید پوشید کہ لباس زناں ست۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم کو بھی اس باب میں تردد ہے اہل عرب سامنے کے چاک گریباں کا کرتا پہنتے ہیں اور اس کو سنت سمجھتے ہیں اور بعض کتب حنفیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سامنے کے چاک گریباں کا کرتا مردوں کو نہ پہننا چاہئے کیونکہ یہ عورتوں کا لباس ہے۔

اس کے بعد کتب فقہیہ کی عبارتیں نقل کی ہیں اور اپنی تحقیق یہ بیان فرمائی ہے کہ چاک گریبان کے لئے کوئی خاص ہیات مسنون نہیں ہے اور احادیث صحیحہ میں عورتوں کے مشابہ لباس پہننے سے منع فرمایا گیا ہے لہذا جن مقامات میں عورتوں کے کرتے میں چاک گریبان سامنے رہتا ہو وہاں مردوں کو شانوں پر چاک رکھنا چاہئے جیسا کہ علمائے ماوراء النہر اور علمائے ہند کی وضع ہے چنانچہ حضرت کے کرتے کا چاک بھی دونوں شانوں پر رہتا تھا۔

عمامہ بھی بطریق مسنون باندھتے تھے اور جمعہ کے دن نیز عیدین میں عمدہ لباس استعمال فرماتے تھے۔

مکتوب ۵۴ دفتر دوم حصہ ہفتم صـ۵ میں اتباع سنت کے سات درجے بیان فرمائے ہیں حضرت سے پہلے شاید اس قدر غور و خوض اس مسئلے میں کسی نے نہ کیا ہو، اس مکتوب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اتباع سنت کی کیسی عظیم الشان اہمیت آپ کی نظر میں تھی اور نظر

آپ کی کس قدر عمیق تھی۔

مکتوب مذکور میں اتباع کے تیسرے درجہ کو بیان کر کے لکھتے ہیں کہ یہ درجہ بغیر اس کے نہیں حاصل ہو سکتا کہ بدعت کے نام سے بھی پرہیز کریں حتیٰ کہ جن چیزوں کو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے اُن سے بھی دور رہیں، پھر ساتوں درجے بیان کر کے خاتمہ مکتوب میں لکھتے ہیں۔

بالجملہ ہر دولتے کہ آمدہ است از برای انبیاء آمدہ است علیہم الصلوٰۃ والتحیات سعادت امتان است کہ بہ طفیل انبیا علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات انہاں دولت بہرہ یابند واز الش ایشاں تناول نمایند ؎

حاصل کلام یہ کہ جو دولت بھی آئی ہے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے آئی ہے یہ اُمتوں کی سعادت ہے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں اس دولت سے بہرہ ور ہوں ؎

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
این بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

میں جانتا ہوں کہ جس قافلہ میں وہ ہیں میں اُس تک نہیں پہونچ سکتا میرے لئے یہی کافی ہے کہ دور سے ان کے جرس کی آواز مجھ تک پہونچتی رہے۔

تابع کامل کسے است کہ بایں ہفت درجہ متابعت متحلی شود و آنکہ بعضے از درجات متابعت دارد و بعضے ندارد و تابع فی الجملہ است علیٰ تفاوت الدرجات علمای ظواہر بدرجۂ اولیٰ خرسند نہ کاش آں درجہ را ہم سرانجام بدہند متابعت را مقصور بر صورت شریعت داشتہ اند وورای آں امرے دیگر نہ انگاشتہ طریقۂ صوفیہ را کہ وسیلۂ حصول درجات متابعت است بکار تصور نمودہ اند واکثر شان پیر و مقتدای خود را غیر از ہدایہ د

متبع کامل وہ ہے جو اتباع سنت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو اور جو شخص ان میں سے بعض میں متابعت رکھتا ہو اور بعض میں متابعت نہ رکھتا ہو وہ فرق مراتب کے ساتھ فی الجملہ تابع ہے۔ علمائے ظواہر پہلے ہی درجہ کی متابعت میں خوش ہیں کاش وہ اسی کو پوری طرح انجام دیتے۔ انھوں نے تو تابع داری و پیروی کو صورت شریعت کی پیروی تک محدود کر دیا ہے اس سے آگے اُن کے خیال میں کچھ نہیں ہے۔ صوفیہ کے طریقہ کو، جو تمام درجات متابعت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو، بیکار سمجھتے ہیں۔ ان میں اکثر

دبزدوی نه دانسته اندسه — اپنا پیرو تمغہ سوائے پاپیہ اور بزدی کے کسی کو نہیں جانتے

چو آن کرمے که در سنگے نہاں ست — اس کیڑے کے مانند جو کسی پتھر میں پوشیدہ

زمین و آسمان او ہماں ست — ہو کہ بس وہی اس کا زمین و آسمان ہے۔

(۵) آپ کی کثرت عبادت بھی ایک غیر معمولی شان رکھتی تھی جس کی تعریف آپ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ فرمایا کرتے تھے جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ معلوم ہو گا

نماز پنجگانہ کے علاوہ تہجد اشراق چاشت فیئی الزوال نوافل بعد مغرب جن کو عام طور پر لوگ اوابین کہتے ہیں ان سب نمازوں کی پابندی فرماتے تھے۔ شروع شروع میں ان نفل نمازوں میں سورۂ یٰسین پڑھتے تھے جس کی تعداد اسّی تک پہونچتی تھی مگر آخر میں ختم قرآن کا معمول ہو گیا تھا۔

سنت عصر اور سنت قبل عشا بہت کم ترک فرماتے تھے۔ جو دعائیں خاص اوقات کے لئے احادیث میں وارد ہوئی ہیں مثلاً صبح شام کے وقت سونے اور بیدار ہونے کے وقت وغیرہ وغیرہ ان دعاؤں کا ایسا التزام تھا جیسے کسی سے طبعی فعل بے قصد و بے ارادہ صادر ہو جائے۔

تہجد کے لئے نصف شب سے اُٹھنے کا معمول تھا اور ہر دو رکعت کے بعد توبہ و استغفار اور درود شریف اور دعاؤں کے بعد مراقبہ فرماتے تھے۔ یہ سلسلہ فجر تک قائم رہتا تھا فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کے بعد اشراق تک اپنے اصحاب کے ساتھ مراقبہ میں بیٹھتے تھے۔

قرآن مجید کی تلاوت خارج نماز میں خود بھی کرتے تھے اور حلقہ کے وقت کسی حافظ سے بھی سننے کا معمول تھا اور یوں جب کوئی قاری اچھا پڑھنے والا آجاتا تو اس سے بھی پڑھواتے تھے۔ قرآن مجید کے ساتھ آپ کے شغف کا حال پڑھ کر مولانا جامیؒ کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

مصلحت[1] نیست مرا سیری از آں آب حیات

ضاعف اللہ به کل زمان عطشی

---

[1] اس آبحیات سے میرا سیر ہونا مناسب نہیں اللہ تعالیٰ ہر آن میری اس پیاس میں اضافہ کرے۔

نماز چاشت کے بعد جو فقراء حاضر خانقاہ ہوتے ان کو کھانا تقسیم ہوتا اور خود بھی اسی وقت قلیل مقدار میں کچھ کھا کر قیلولہ فرماتے۔

ہر روز تقریباً ایک سو علماء و صلحاء و حفاظ کو آپ کے باورچی خانہ سے کھانا ملتا تھا، رمضان مبارک کے روزے کا بڑا اہتمام فرماتے تھے اور پورے مہینہ میں تراویح پڑھتے تھے اور کم از کم ایک ختم قرآن تراویح میں مزید ہوتا تھا بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ کبھی رمضان کا مہینہ حالت سفر میں آجاتا تو بھی معمولات میں فرق نہ ہوتی۔ ادائے زکوٰۃ میں سال گذرنے کا انتظار نہ فرماتے جس وقت آپ کے ہاتھ میں کچھ روپیہ آجاتا اس کا چالیسواں حصہ نکال کر رکھ لیتے اور مستحقین زکوٰۃ کو وقتاً فوقتاً دیتے رہتے۔

حج کا ارادہ ہر وقت آپ کے دل میں رہتا تھا مگر کبھی تو روپیہ نہ ہوتا تھا اور کبھی دوسرے موانع و مہمات پیش آجاتے تھے۔

حقوق عباد کے ادا کرنے میں بھی ذرہ برابر کوتاہی نہ فرماتے۔ بیماروں کی عیادت کو تشریف لے جاتے جنازوں میں شرکت فرماتے۔

اہل و عیال کی خبر گیری صاحبزادوں کی اور مریدوں کی تعلیم و تربیت علوم شرعیہ کا زبانی اور کتابی درس پھر اپنے نفس مبارک کے حقوق ان سب کاموں کو روزانہ باحسن وجوہ انجام دیتے۔

ف:- اولیاء اللہ کے اوقات میں اللہ تعالیٰ ایسی برکت عطا فرماتا ہے کہ ان کے روزانہ کے مشاغل سن کر عقل حیران ہو جاتی ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ دن رات کے چوبیس گھنٹے ان تمام کاموں کے لئے کس طرح کفایت کر سکتے ہیں، خصوصاً وہ لوگ جن کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا یعلمون ظاهرا من الحیٰوۃ الدنیا ذلک مبلغهم من العلم ان بیانات کو مبالغہ پر محمول کرتے ہیں، نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

بلا شبہ اوقات کی برکت عظیم الشان خرق عادت اور عظیم الشان کرامت ہے۔ جن لوگوں

نے ایسا کوئی مقدس نمونہ دیکھا ہے ان کو تو کوئی تردد نہیں ہو سکتا، اور جنھوں نے نہیں دیکھا ان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کو اپنے اوپر قیاس نہ کریں ؎

بلدے ار نیست ترا و جدانے — معتقد باش و بیار ایمانے

(۶) امر معروف و نہی منکر میں آپ ایک مامور من اللہ کی سی شان رکھتے تھے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ڈر، کسی ایذا کا خوف، کوئی بڑے سے بڑا خطرہ آپ کو اس فریضہ کے ادا کرنے سے روک نہیں سکا۔

حضرت امام کے زمانے میں ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت تھی اور سلطنت اپنے پورے جاہ و جلال پر تھی۔ آپ کی عمر کا ابتدائی حصہ جلال الدین اکبر کے عہد سلطنت میں گذرا اس کے بعد نورالدین جہانگیر کا زمانہ آپ نے پایا۔ پہلی سلطنت گو لامذہبیت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی مگر ہندو مذہب کے ساتھ صلح و آشتی رکھتی تھی جو کچھ عناد یا مخالفت تھی وہ دین اسلام کے ساتھ تھی، آج بھی مسلمانوں میں جو لوگ لامذہب ہیں وہ اور مذاہب کے ساتھ تو بڑی رواداری برتتے ہیں مگر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اچھی خاصی دشمنی کا برتاؤ کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو آزاد خیال اور غیر متعصب سمجھیں۔ دوسری سلطنت کو نفس اسلام کے ساتھ کوئی عناد نہ تھا مگر سلطنت و بادشاہت کا نشہ بہت بڑھ گیا تھا اور نئے بادشاہ پر الشباب شعبة من الجنون کا جن بھی سوار تھا حتیٰ کہ شاہی دربار کی تعظیم یہ تھی کہ لوگ بادشاہ کو سجدہ کریں، سجدۂ تعظیمی کے جواز کا فتویٰ بھی بزور سلطنت حاصل کر لیا گیا تھا۔

ان سب باتوں پر طرہ یہ تھا کہ بادشاہ کی محبوبہ ملکہ نورجہاں بیگم جس کے ہاتھ میں بادشاہ نے سلطنت کی باگ دے رکھی تھی نہایت غالی شیعہ تھی جس کا ادنیٰ کرشمہ یہ تھا کہ نور اللہ شوستری جیسا دریدہ دہن سلطنت کا قاضی القضاۃ بنایا گیا تھا، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں سلطنتوں کے اثر سے عام مسلمانوں کی کیا حالت ہوگی عوام تو عوام پیشہ ور علماء اور دوکاندار صوفیہ جن کی کثرت خیر القرون کے بعد یوماً فیوماً ترقی پر ہے کہاں سے کہاں پہونچ گئے

ہوں گے الناس علیٰ دین ملوکھم

حالت یہ تھی کہ ایک طرف شرک اور بت پرستی کی رسمیں مسلمانوں میں رائج ہو رہی تھیں اور دوسری طرف بدعتوں کے بادل سروں پر منڈلا رہے تھے اور تیسری طرف سے یہ آوازیں آرہی تھیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز ہے

مذہب عشق از ہمہ مذہب جداست عاشقاں را مذہب و ملت خدا است

اور چوتھی طرف رفض کی گرم بازاری ترقی کر رہی تھی تفضیلیت تو برملا شائع تھی اور ..... خفیہ خفیہ صحابہ کرام کی بدگوئی بھی ہوتی تھی خصوصاً ان صحابہ کرام کی جن سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے محاربات و مشاجرات واقع ہوئے تھے بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بدگوئی تک نوبت ہو چکی تھی۔ غرضکہ ہندوستان کے مسلمان خصوصاً اور ساری دنیا کے مسلمان عموماً بڑے عظیم الشان مصائب میں مبتلا تھے چاروں طرف سے ابلیس کی فوجوں نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ دو چار حقانی علما یا کوئی ربانی درویش اگر تھے بھی تو ان کو ہمت نہ ہوتی تھی کہ ایسے پرفتن وقت میں لب کشائی کریں اور حق بات زبان یا قلم سے نکال کر اپنے کو ظلم اور ملامت کا نشانہ بنائیں۔ دنیا میں جب کبھی اس قدر ظلمت طاری ہوئی تو حق تعالیٰ کی رحمت نے کسی نبی کو بھیجا لہٰذا اس وقت بھی کسی نبی کو مبعوث ہونا چاہیے تھا مگر نبوت حضرت سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی تھی اس لئے آپ کی امت میں ایک شخص الف ثانی کا مجدد بنایا گیا اور اس نے وہی کام کیا جو ایک مامور من اللہ نبی کرتے اور اسی ہمت و استقلال سے کیا، اور حق تعالیٰ نے نتیجہ آپ کی مساعی جمیلہ کا ایسا ظاہر فرمایا کہ باید و شاید۔ علما کی بھی اصلاح ہوئی اور صوفیہ کی بھی بادشاہ اور اراکین سلطنت بھی خواب غفلت سے بیدار ہو گئے۔

آج ہندوستان میں خدمات دینیہ کی جو صورتیں بھی نظر آرہی ہیں یہ سب حضرت ہی کی سعی مشکور کا نتیجہ ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام واھلہ خیر الجزاء۔

مکتوبات قدسیہ کے مطالعہ سے اس زمانے کی حالت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور

آپ کی ساعی مشکورہ کا بھی۔ مکتوب ۳۳ دفتر اول حصہ اول ص۹۳ میں لکھتے ہیں۔

عزیزے شیطان لعین را دید کہ فارغ نشستہ است و از تضلیل و اغوا خاطر جمع ساختہ آن عزیز سر آں را پرسید لعین گفت کہ علمائے سوء ایں وقت دریں وقت با من خود مدد عظیم کردند و مرا ازیں مہم فارغ ساختند و الحق دریں زمان ہر سستی و مداہنتے کہ در امور شرعیہ واقع شدہ است و ہر فتورے کہ در ترویج ملت و دین ظاہر گشتہ است ہمہ از شومی علمائے سوء است و فساد نیات ایشان۔

ایک عزیز نے شیطانِ لعین کو دیکھا کہ فارغ بیٹھا ہے اور لوگوں کو بہکانے اور بے راہ بنانے کے کام سے مطمئن ہے، اُس عزیز نے شیطان سے پوچھا کہ اس میں کیا راز ہے؟ شیطان نے جواب دیا کہ اس زمانہ کے علماء سوء نے اس وقت میری بڑی مدد کی اور مجھکو اس مہم سے سبکدوش کر دیا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں امور شرعیہ میں جو سستی و مداہنت دیکھنے میں آرہی ہے اور جو نقصان دین و ملت کی اشاعت میں پیدا ہو گیا ہے وہ سب انہی علمائے سوء کی بدبختی اور انکی فساد نیت کا نتیجہ ہے۔

مکتوب ۴۷ دفتر اول حصہ دوم ص۱۸ میں شیخ فرید کو جو بادشاہ کے بڑے مقرب و مصاحب خاص تھے لکھتے ہیں۔

صلاح بادشاہ صلاح عالم است و فساد او فساد عالم۔ پیدا نند کہ در قرن ماضی (یعنی عہد اکبری) بر سر اہل اسلام چہا نگذشتہ است زبونی اہل اسلام با وجود کمال غربت در قرون سابقہ ازیں نگذشتہ بود کہ مسلمانان بر دین خود باشند و کفار بر کیش خود کریمہ لکم دینکم ولی دین بیان ایں معنی است و در قرن ماضی کفار برملا بطریق استیلا اجرائے احکام کفر در دار اسلام

بادشاہ کی درستگی سے عالم کی درستگی ہے اور بادشاہ کے فساد سے عالم کا فساد آپ جانتے ہیں کہ زمانہ ماضی (یعنی اکبر کے عہد) میں اہل اسلام پر کیا کچھ نہیں گذرا زمانہ ماسبق میں جبکہ اسلام کی غربت حد کو پہونچی ہوئی تھی اہل اسلام کی بدحالی اس سے آگے نہیں بڑھی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور کافر اپنے طریقہ پر جیسا کہ آیت کریمہ لکم دینکم ولی دین سے ظاہر ہے لیکن زمانۂ ماضی (یعنی عہد اکبری) میں تو یہ حال ہوا کہ کفار تو برملا پورے غلبہ کے ساتھ دار الاسلام میں احکام کفر

مے کردند و مسلمانان از اظہار احکام اسلام
عاجز بودند و اگر میکردند بقتل مے رسیدند
(پھر بفاصلہ چند سطور) علمای دنیا کہ ہمت
ایشاں دنیای دنیہ ست صحبت ایشاں
زہر قاتل ست و فساد ایشاں فساد متعدی ست
عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم ست کرا رہبری کند
در قرن ماضی ہر بلائے کہ بر سر آمد از شومی
ایں جماعہ بود بادشاہان را ایشاں از راہ
مے بردند، ہفتاد و دو ملت کہ راہ ضلالت
اختیار کردہ اند مقتدایان اینہا علمائے سوٴ
بودند۔ غیر از علما ہر کہ بضلالت رفت کم ست
کہ ضلالت او بدیگرے تعدی کند و اکثر
جہلائی صوفی نمائے ایں زمانہ حکم علمای سوء
دارند فساد اینہا نیز فساد متعدی
ست۔

جاری کرتے تھے اور مسلمان احکامِ اسلام ظاہر کرنے
سے بھی عاجز و قاصر تھے اور اگر ظاہر کرتے تھے تو قتل
کیے جاتے تھے (چند سطروں کے بعد) دنیادار علماء جن کا
مطمحِ نظر صرف یہ حقیر و ذلیل دنیا ہو ان کی صحبت زہرِ قاتل
اور اُن کا فساد، فساد متعدی ہے۔ جو عالم صرف اپنی
دنیوی کامیابی و تن پروری میں مشغول رہتا ہو وہ خود
گمراہ ہے دوسرے کی رہبری کیا کریگا۔ اس زمانہ میں
(یعنی عہد اکبری میں) جو مصیبت بھی مسلمانوں پر آئی وہ
اسی جماعت کی بدبختی کا نتیجہ تھی یہی لوگ بادشاہ کو
راہ راست سے ہٹاتے ہیں وہ بہتر فرقے جو گمراہ
ہوئے ان کے پیشوا یہی علمائے سُوء تھے۔ جب کوئی
غیر عالم گمراہ ہوتا ہے تو بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اس کی
گمراہی سے دوسرے بھی گمراہ ہوں (لیکن ایک عالم کی
گمراہی بہتوں کو گمراہ کرتی ہے)۔ اس زمانہ کے صوفی نما
جاہلوں کا حال بھی علمائے سوء جیسا ہے۔ ان کا
فساد بھی متعدی ہے۔

مکتوب ۵۳ دفتر اول حصہ دوم میں انھیں شیخ فرید کو (یہ سنکر کہ بادشاہ اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ علماء ان کی صحبت میں رہیں اور انھیں شیخ فرید کو حکم شاہی ملا ہے کہ چار عالم منتخب کرو) لکھتے ہیں:

علمای دین دار خود اقل قلیل اند کہ از حب
جاہ و ریاست گذشتہ باشند و مطلبے غیر

ایسے دیندار علماء بہت ہی کم ہیں جو حُبِّ جاہ و
طلب ریاست سے بالا تر ہوں اور سوائے ترویج

از ترویج شریعت وتائید ملت نداشته
باشد بر تقدیر حب جاه هر کدام ازیں علماء
طرفے خواہد گرفت واظہار فضیلت خود خواہد نمود
وسخنان اختلافی درمیان خواہد آورد وآن
را توسل قرب بادشاہ خواہد ساخت ناچار
مہم دین ابتر خواہد شد در قرن سابق اختلافات
علماء عالم را در بلا انداخت وہمان صحبت درپیش
ست ترویج چہ گنجائش دارد کہ باعث
تخریب دین خواہد شد، والعیاذ باللہ سبحانہ
من ذلک ومن فتنة العلماء السوء۔ اگر
یک عالم را از برائی ایں غرض انتخاب
نمایند بہتر مے نماید اگر از علمائی آخرت
پیدا شود چہ سعادت کہ صحبت او کبریت احمر
ست واگر پیدا نہ شود بعد از تامل صحیح
بہترین ایں جنس را اختیار کنند۔

شریعت اور تائید ملت کے اور کوئی غرض نہ رکھتے
ہوں اگر ان میں حُبِّ جاہ ہے تو ان میں سے جس عالم
کو بھی ان میں سے کچھ حصہ ملیگا اور وہ دوسروں پر اپنی
فضیلت ظاہر کریگا اور اختلافی باتیں زیر بحث لائیگا
اور انہی کو بادشاہ سے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بنائیگا
لامحالہ ترویج دین کا کام ابتر ہوگا گذشتہ دور میں
(بادشاہوں سے تقرب حاصل کرنے کے لئے) علماء کے
اختلاف نے ایک عالم کو مصیبت میں ڈال دیا تھا
وہی بادشاہوں کی صحبت اس وقت بھی درپیش ہے
ایسی حالت میں ترویج دین کی کہاں گنجائش ہوگی
بلکہ یہ صحبت تو دین کی بربادی کا باعث ہوگی اللہ
تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھے اور علمائے سوء کے فتنہ
سے بچائے۔ لہذا اگر کسی ایک عالم کو اس مقصد کے
لئے منتخب کیا جائے تو بہتر ہوگا اگر کوئی عالم طالب
آخرت مل جائے تو بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کیونکہ
اس کی صحبت تو کبریتِ احمر ہے اور اگر ایسا عالم
دستیاب نہ ہو تو خوب غور وفکر کے بعد ان میں سے جو
بہتر معلوم ہو اس کو منتخب کرلیں۔

مکتوب ۶۵ دفتر اول حصہ دوم ص۱۶ میں خان اعظم کو جو رکن سلطنت تھے اور بادشاہ
ان کی بات بہت مانتے تھے لکھتے ہیں:۔

غربتِ اسلام تا بحدے رسیدہ ست کہ

اب اسلام کی غربت اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار

کفار بر ملا طعن اسلام و ذم مسلمانان مے
نمایند و بے تحاشی اجرای احکام کفر و
مداحی اہل آن در کوچہ و بازار مے کنند و
مسلمانان از اجرای احکام اسلام ممنوع
و در اتیان شرائع مذموم و مطعون (پھر بفاصلہ
چند سطور) امروز آن روز ست کہ عمل
قلیل را با جر جزیل باعتنائے تمام قبول
مے فرمایند از اصحاب کہف غیر از ہجرت
عملے دیگر نمایاں نیست کہ این ہمہ اعتبار
پیدا کردہ ست سپاہیاں در وقت غلبہ
اعدار اگر اندک تردد مے کنند اعتبار بسیار
پیدا مے کنند بخلاف در وقت امن وتسکین
اعدار و این جہاد قولی کہ امروز شمار را
میسر شدہ ست جہاد اکبر ست مغتنم
دانید و ہل من مزید بگوئید و این جہاد
گفتن را بہ از جہاد کشتن دانید (پھر بعد
دو سطر) حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ
میفرمودند کہ اگر من شیخی کنم ہیچ شیخے در
عالم مرید نیابد اما مرا کارِ دیگر فرمودہ اند
و آن ترویج شریعت و تائید ملت ست
لاجرم بصحبت سلاطین مے رفتند و بتصرف

برملا اسلام اور اہل اسلام پر طعنہ زنی کرتے ہیں
اور بغیر کسی جھجک کے کوچہ و بازار میں احکام کفر
جاری کرتے ہیں اور اُن کے ماننے والوں کی مداحی
کرتے ہیں اور مسلمانوں کا یہ حال کہ احکام اسلام
جاری کرنے سے روکے جاتے ہیں اور اُن کی بجا آوری
پر مطعون و بدنام کئے جاتے ہیں (چند سطروں کے بعد)
آج کا دن وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ تھوڑا سا عمل
بھی بڑے اجر و ثواب کے ساتھ پوری عنایت و
مہربانی سے قبول فرماتا ہے دیکھئے اصحاب کہف سے
سوائے ہجرت کے اور کوئی عمل خاص ظاہر نہیں ہوا لیکن
اس نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں اتنا بڑا درجہ حاصل کیا
سپاہی دشمنوں کے غلبہ کے وقت اگر تھوڑی سی
کوشش کرتے ہیں تو اُن کا بہت لحاظ کیا جاتا ہے لیکن
امن و سکون کے زمانہ میں یہ بات نہیں ہوتی۔ جہاد
قولی کی دولت جو آج آپ کو حاصل ہے یہ جہاد اکبر ہے
اس کو غنیمت سمجھیں۔ اور ھل من مزید کہیں اس
جہاد زبانی کو جہاد سنانی سے بہتر خیال کریں (دو سطروں
کے بعد) حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ فرماتے تھے
کہ اگر میں شیخ بن کر بیٹھوں تو دنیا میں کسی شیخ کو مرید
نہ ملے لیکن مجھکو دوسرا کام سپرد کیا گیا ہے وہ ہے
شریعت کو رائج کرنا اور ملت کو مضبوط کرنا اس صورت

خود ایشاں را منقاد مے ساختند و بتوسل
ایشان ترویج شریعت مے فرمودند ملتمس
آن ست کہ چون حق سبحانہ ببرکت محبت شما
با اکابر ایں خانوادۂ بزرگ قدس اللہ تعالےٰ
اسرارہم سخن شمارا تاثیرے بخشیدہ ست
وعظمت مسلمانی شما در نظر اقران ظاہر گشتہ
سعی فرمایند کہ لا اقل احکام کبیرہ اہل کفر
کہ در اہل اسلام شیوعے پیدا کردہ اند منہدم
ومندرس گردند واہل اسلام ازاں منکرات
محفوظ مانند جزاکم اللہ سبحانہ عنا وعن
جمیع المسلمین خیر الجزاء۔ در سلطنت پیشین
عنادے بدین مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام
مفہوم مے شد و دریں سلطنت ظاہراً آن
عناد نیست اگر ہست از عدم علم ست۔
ترس آن ست کہ مبادا ایں جا ہم کار
بعناد انجامد و بر مسلمانان معاملہ تنگ
تر افتد ع

سے بادشاہوں کی صحبت میں جاتے تھے اور اپنے
تصرف سے ان کو مطیع بناتے تھے پھر ان کے ذریعہ
سے ترویج شریعت کرتے تھے۔ لہذا آپ سے درخواست
ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس بزرگ خاندان نقشبندیہ
کے اکابر کے ساتھ محبت رکھنے کی برکت سے آپ کے
کلام میں تاثیر بخشی ہے اور آپ کی دینی عظمت آپکے
ہم جنسوں کی نگاہ میں ظاہر ہو گئی ہے تو آپ کوشش
کریں کہ کم سے کم کافروں کے خاص شعائر و مراسم
جو مسلمانوں میں شائع ہو گئے ہیں مفقود و معدوم
ہو جائیں اور مسلمان ان منکرات سے محفوظ رہیں۔
اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی
طرف سے اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ پہلی سلطنت
کو دین مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک قسم
کا عناد معلوم ہوتا تھا لیکن اس سلطنت کو بظاہر وہ
عناد نہیں ہے اگر ہے تو عدم علم کی بنا پر ہے۔ خوف اسکا
ہے کہ کہیں انجام کار یہاں بھی وہی عناد نہ پیدا ہو جائے
اور معاملہ مسلمانوں کے لئے زیادہ تنگ ہو جائے۔

چو بید بر سر ایمان خویش مے لرزم

ع میں اپنے ایمان کے لئے بید کی طرح لرزتا ہوں۔

مکتوب ۵۴ دفتر دوم حصہ ہفتم میں لکھتے ہیں۔

تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیئہ
احتراز ننماید بوئے ازیں دولت بمشام جان

جبتک انسان بدعت حسنہ سے بدعت سیئہ
کی طرح پرہیز نہ کرے گا دولت ایمان کی بو اس کے مشام جان

او نرسد ایں معنی امروز متعسرست کہ عالم
در دریای بدعت غرق گشتہ ست و بظلمات
بدعت آرام گرفتہ کرا مجال است کہ دم از
رفع بدعت زند و باحیای سنت لب
کشاید اکثر علمای این وقت رواج دہندہای
بدعت اند و محو کنندہای سنت بدعتہاے
پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ
باستحسان آن فتوی مے دہند و مردم را ببدعت
دلالت مے نمایند. چہ میگویند اگر ضلالت
شیوع پیدا کند و باطل متعارف شود و
تعامل گردد. مگر نمے دانند کہ تعامل دلیل
استحسان نیست تعاملے کہ معتبرست ہمان
ست کہ از صدر اول آمدہ ست یا باجماع
جمیع مردم حاصل گشتہ۔

تک نہ پہونچے گی اور یہ بات اس زمانہ میں بہت
دشوار ہے کیونکہ دنیا بدعت میں غرق ہے اور بدعات
کی تاریکیوں میں آرام کر رہی ہے کس کی مجال ہے جو
بدعت کے مٹانے کا دم مارے اور احیائے سنت میں
لب کشائی کرے اس زمانہ کے اکثر علماء بدعتوں کو
رواج دینے والے اور سنتوں کو مٹانے والے ہیں جن
بدعتوں کا دائرہ وسیع ہے اُن کو لوگوں کا تعامل سمجھ کر
اُن کے جواز بلکہ استحسان کا فتوی دیتے ہیں اس طرح
بدعت کی رہنمائی کرتے ہیں یہ وہ کیا کہتے ہیں؟ اگر
گمراہی عام ہو جائے اور باطل متعارف ہو جائے تو
وہ تعامل ہو جاتا ہے شاید ان کو یہ نہیں معلوم کہ محض
تعامل مستحسن ہونے کی دلیل نہیں، جو تعامل شرعاً معتبر
ہے وہی تعامل ہے جو صدر اول سے ہو یا اس پر تمام
مسلمانوں کا اجماع ہو۔

مکتوب ۲۹ دفتر اول حصہ اول ص۵۵ میں حضرت شیخ نظام تھانیسری[1] کو جو اس وقت

---

[1] حضرت شیخ نظام تھانیسری طریقہ چشتیہ صابریہ کے ائمہ میں سے ہیں جیسا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب
مہاجر مکیؒ کے شجرہ کے دیکھنے سے ظاہر ہے۔ حضرت امام ربانی کے متعدد مکتوبات ان کے نام ہیں اور لکھنے کا طرز وہی
ہے جو شیخ اپنے مریدوں کے لئے اختیار کرتا ہے چنانچہ یہاں بھی ایک مکتوب منقول ہے اور ان سب سے قطع نظر کر کے
جب زمانہ ایک ہے تو ممکن نہیں کہ انھوں نے حضرت امام ربانیؒ سے فیض نہ لیا ہو کیونکہ اب سلسلے میں حضرت امام
ربانی ہی کی ذات اقدس واسطہ فیوض الیہ ہے اور غالباً یہی سبب ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ کے
سچے متوسلین کو حضرت امام ربانیؒ سے اور ان کے خاندان سے ایک خاص تعلق ہے اور سب پر مجددی رنگ غالب ہے۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ونحن لہ عابدون

اکابر صوفیہ میں سے کچھ کہتے ہیں:۔

مقربات اعمال یا فرائض اند یا نوافل،
نوافل را در جنب فرائض ہیچ اعتبار نیست
ادای فرضے از فرائض در وقتے از اوقات
بہ از ادای نوافل ہزار سالہ ست اگر چہ
بہ نیت خالص ادا شود۔ ہر نفلے کہ باشد
از صلوٰۃ و زکوٰۃ و صوم و ذکر و فکر و امثال
آنہا (الی ان قال) پس رعایت ادبے
و اجتناب از مکروہے اگر چہ تنزیہی باشد
فکیف کہ تحریمی بمراتب از ذکر و فکر و مراقبہ
و توجہ بہتر باشد (الی ان قال) پس نماز
خفتن را در نصف اخیر از شب گزاردن
و آں تاخیر را وسیلہ تاکید قیام لیل ساختن
بسیار مستنکر باشد چہ نزد حنفیہ رضی اللہ تعالے
عنہم ادائی نماز خفتن دراں وقت مکروہ ست
ظاہراً ازیں کراہت کراہت تحریمیہ ارادہ
دارند زیرا کہ ادائی نماز خفتن را تا نصف
لیل مباح داشتہ اند و از نصف آن
طرف مکروہ گفتہ اند پس مکروہے کہ مقابل
مباح ست مکروہ تحریمی ست، و نزد شافعیہ
ادائی نماز خفتن دراں وقت جائز نیست

خدا سے قریب کرنے والے اعمال یا فرائض ہیں یا نوافل
فرائض کے مقابلہ میں نوافل کا کوئی اعتبار نہیں ہے
اپنے وقت پر کسی فرض کا بجا لانا ہزار سال نوافل ادا کرنے
سے بہتر ہے اگر چہ وہ خلوص نیت سے ادا کئے جائیں۔
خواہ وہ کوئی نفل ہو نماز و زکوٰۃ و روزہ ہو یا ذکر و
فکر وغیرہ ہوں (آگے فرماتے ہیں) لہذا (فرائض میں)
کسی ادب کی رعایت کرنا اور مکروہ سے اجتناب
اگر چہ مکروہ تنزیہی ہو چہ جائیکہ تحریمی از ذکر و فکر
مراقبہ و توجہ سے بدرجہا بہتر ہوگا (پھر آگے تحریر
فرماتے ہیں) پس نماز عشا نصف شب کے بعد ادا
کرنا اور اس کو قیام لیل کی تاکید کا وسیلہ بنانا بہت
برا ہوگا اس لئے کہ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے
نزدیک نصف شب کے بعد نماز عشا ادا کرنا مکروہ ہے
اور ظاہر یہ ہے کہ اس کراہت سے ان کی مراد مکروہ تحریمی
ہے کیونکہ نصف شب تک تو وہ نماز عشا ادا کرنے کو
مباح کہتے ہیں اور نصف شب کے بعد مکروہ کہتے ہیں لہذا
جو مکروہ مباح کے مقابل ہے وہ مکروہ تحریمی ہے شافعیہ
کے نزدیک تو نصف شب کے بعد نماز عشا (ادا کرنا)
جائز نہیں ہے (پھر آگے چل کر فرماتے ہیں) لہذا یہ
عمل کرنا چاہئے اور گذشتہ نمازوں کی قضا پڑھنا

(الی ان قال) پس ایں عمل باید نمود و صلوٰت
گزشتہ را قضا باید کرد (الی ان قال) و ایضاً
آب مستعمل کہ ازالۂ حدث نمودہ باشد یا بہ نیت
قربت استعمالش کردہ باشند در وضو تجویز نکنند
کہ مردم آن آب را بخورند کہ آن آب نزد
امام اعظم نجس مغلظ ست و فقہا منع خوردن
آں آب کردہ اند و خوردن آں را مکروہ داشتہ
اند (پھر بفاصلہ چند سطور مت) و ایضاً مردم
معتمد نقل کردہ اند کہ بعضے از خلفائے شما را
مریدان ایشاں سجدہ مے کنند بہ زمین بوس
ہم کفایت نمے کنند شناعت این فعل اظہر
من الشمس ست منع شان بکنید و تاکید در
منع نمائید اجتناب ایں قسم افعال از ہمہ کس
مطلوب ست علی الخصوص شخصے کہ باقتدائے
خلق خود را برآوردہ باشد اجتناب ایں
قسم افعال او را از اشد ضروریات ست کہ
مقلدان باعمال او اقتدا خواہند کرد و در
بلا خواہند افتاد (پھر بفاصلہ چند سطور) پس
باید ہمچنان کہ در مجلس شریف از کتب تصوف
مذکور مے شود از کتب فقہیہ نیز مذکور شود و
کتب فقہیہ بہ عبارات فارسی بسیار اند مثل

چاہئے (اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں) اسی طرح جس
پانی سے ازالۂ حدث کیا گیا ہو یا اس کو وضو
میں بنیت قربت استعمال کیا گیا ہو لوگوں کو اس کے
پینے کی اجازت نہ دیں کیونکہ یہ پانی امام اعظم
کے نزدیک نجس ہے اور فقہا نے اس کے پینے سے
منع کیا ہے اور اس کا پینا مکروہ بتایا ہے (چند
سطروں کے بعد) اور یہ بات بھی معتمد لوگوں کی
زبانی معلوم ہوئی ہے کہ آپ کے بعض خلفا کو اُن کے
مریدین سجدہ کرتے ہیں زمیں بوسی پر بھی اکتفا
نہیں کرتے۔ اس فعل کی بُرائی تو آفتاب سے بھی
زیادہ روشن ہے لہذا ان کو منع کیجے اور تاکید سے
منع کیجئے اس قسم کی باتوں سے بچنا تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے
مگر اس شخص کے لئے تو خصوصیت سے نہایت ضروری
ہے جو مقتدائے خلق بنے۔ کیونکہ اس کے مقلد ان
اعمال میں اس کی پیروی کریں گے اور مصیبت
میں پڑیں گے (چند سطروں کے بعد) اس لئے
چاہئے کہ جس طرح آپ کی مجلس شریف میں کتب
تصوف پڑھی جاتی ہیں کتب فقہیہ بھی
پڑھی جائیں۔ کتب فقہیہ فارسی زبان میں
بھی بہت ہیں مثلاً مجموعہ، خانی، عمدۃ الاسلام۔
کنز فارسی۔ بلکہ اگر کتب تصوف نہ پڑھی

مجددخانی وعمدۃ الاسلام وکنز فارسی بلکہ از کتب
جائیں تو کوئی نقصان نہیں کیونکہ تصوف کا تعلق

تصوف اگر مذکور نہ شود باک نیست کہ آن باحوال
احوال سے ہے زبان سے بیان کرنے کی چیز

تعلق دارد و در قال در نمے آید واز کتب فقہی
نہیں ہے لیکن کتب فقہیہ نہ پڑھے جانے میں

مذکور ناشدن احتمال ضرر دارد. زیادہ چہ
نقصان کا احتمال ہے۔ زیادہ کیا طول دیا جائے۔

اطناب نماید القلیل یدل علی الکثیر ؎
یہ تھوڑی باتیں بہت سی باتوں کی رہنمائی کرتی ہیں۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
میں نے اپنا تھوڑا سا غم دل آپ کے سامنے بیان کیا

کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است
اور اس سے ڈرا کہ آپ دل آزردہ ہوں گے ورنہ کہنے کی
باتیں بہت ہیں۔

پھر انھیں حضرت شیخ نظام تھانیسری کو مکتوب ۱۳ دفتر اول حصہ اول میں معارف وحقائق الٰہیہ بیان فرمانے کے بعد صاف یوں لکھتے ہیں:۔

علامت درستی علوم لدنیہ مطابقت است
علوم لدنیہ کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ

با صریح علوم شرعیہ۔ اگر سرمو تجاوز است
صریح علوم شرعیہ کے مطابق ہوں اگر بال برابر بھی

از سکر است والحق ما حققہ العلماء من اہل السنۃ
اس سے تجاوز ہے تو یہ سکر ہے حق وہ ہے جس کو

والجماعۃ وما سوی ذلک اما زندقۃ والحاد
علمائے اہل سنت وجماعت نے حق سمجھا ہے، اس کے

او سکر وقت وغلبہ حال۔ واین تمام مطابقت
ماسوا جو باتیں ہیں وہ یا تو زندقہ والحاد ہیں یا سکر

درمقام عبدیت میسر است ورای این
وقت اور غلبہ حال۔ یہ مطابقت مقام عبدیت میں

نحوے از سکر متحقق است ؎
نصیب ہوتی ہے اس کے ورا میں کچھ نہ کچھ سکر ضرور ہوتا ہے

گر بگویم شرح این بے حد شود
اگر اس کی شرح کروں تو وہ بے حد ہو۔ کسی شخص نے

شخصے از خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ
حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ الاقدس سے سوال کیا

سرہ الاقدس سوال کرد کہ مقصود از سلوک
کہ سلوک کا مقصد کیا ہے انھوں نے فرمایا تاکہ جن

چیست فرمودند تا معرفت اجمالی تفصیلی گردد
چیزوں کو اجمالاً جانتا ہو ان کو تفصیلاً جان لے

واستدلال کشفی شود. نه فرمودند تا معرفت
زائد بر معارف شرعیه حاصل کند اگرچه درراه
امور زائده پیدا می شوند اما اگر به نهایت
کار رسانند آن زوائد هبا منثورا میگردند
وهمان معارف شرعیه بروجه تفصیل
معلوم می گردند و از ضیق استدلال
بفضای اطلاق کشف می آیند۔

اور جن باتوں کو نظر و استدلال سے سمجھتا ہے انکو
کشف سے سمجھ لے حضرت خواجہ نے جواب میں یہ
نہیں فرمایا کہ سلوک کی غرض یہ ہے کہ معارف شرعیہ سے
زائد معرفت حاصل ہو۔ اگرچہ اس راہ میں زائد باتیں
بھی ظاہر ہوتی ہیں لیکن جب انتہاء کو پہونچتا ہے
تو یہ زوائد ہباءً منثورا ہو جاتے ہیں اور وہی معارف
شرعیہ تفصیلی طریقہ پر معلوم ہوتے ہیں اور سالک استدلال
کی تنگی سے نکل کر کشف کی کشادگی میں پہونچ جاتا ہے۔

ابتدا ابتدا میں آپ کو بڑے بڑے مصائب اٹھانا پڑے اور آپ نے آیۂ
کریمہ یابنی اقم الصلوٰۃ وامر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی ما اصابک
پر بڑی اولوالعزمی سے عمل کرکے ایک بہترین نمونہ دنیا کے لئے چھوڑا۔

حالت یہ ہوئی کہ جاہل متصوفین اور دنیا دار علماء کو اپنی کساد بازاری کے خطرہ نے
مخالفت پر آمادہ کیا اور روافض کو نورجہاں بیگم کی وجہ سے جو امیدیں اپنے مذہب کی
اشاعت اور دین اسلام کے فنا کرنے کی قائم ہوگئی تھیں اور یہاں تک وہ کامیاب
ہو چکے تھے کہ صوفی اور تفضیلی دو مترادف لفظیں سمجھی جانے لگی تھیں حضرت امام ربانی
کی ذات اقدس اُن کو سدراہ نظر آئی۔ ان سب نے مل کر ایک ایسی منظم اور مکمل سازش کی
اور حضرت امام ربانی کے خلاف ایسا زبردست پروپیگنڈا کیا جو کامل مصداق وان کان
مکرھم لتزول منه الجبال کا تھا۔

اس پروپیگنڈے کے اثر سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسا متبحر اور دیندار
عالم نہ بچ سکا تو پھر بادشاہ اور شاہی دربار کے اراکین کا متاثر ہو جانا کیا بڑی بات تھی۔
بادشاہ کا متاثر ہونا تھا کہ تمام ہندوستان میں آگ لگ گئی۔

بادشاہ (جہانگیر) کو چند مکتوبات قدسیہ کے حوالے قطع و برید کے ساتھ سنائے گئے اور اُن کا غلط مطلب سمجھا کر سخت برہم کیا گیا۔ ازانجملہ ایک بات یہ سمجھائی گئی کہ شیخ احمد اپنے کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے افضل کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام ربانی کو ان کے متوسلین وقتاً فوقتاً ان ناپاک سازشوں کی اطلاع دیتے تھے تو آپ ان کو لکھ بھیجتے تھے کہ ان باتوں کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہئے تم لوگ اپنے کام میں یعنی یاد الٰہی میں مشغول رہو جو جیسا کریگا اس کا نتیجہ پائیگا۔ کبھی کبھی اپنے مخلصین کو ان بیجا الزامات کا جواب لکھ بھیجتے تھے جو آپ پر لگائے جاتے تھے

یہ معاملہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ بادشاہ نے آپ کو طلب کیا آپ تشریف لے گئے اور بادشاہ کو اصل حقیقت سمجھا کر کامل طور پر مطمئن کر دیا مفسدوں نے جب دیکھا کہ ہمارا کیا دھرا سب خاک میں ملا جاتا ہے تو فوراً ایک دوسرا کرتب کیا، بادشاہ کو سمجھایا کہ حضور یہ شخص بڑا خطرناک ہے سلطنت کا باغی ہے دیکھئے تمام علمائے کرام سجدۂ تعظیمی کے جواز کا فتویٰ دے چکے ہیں مگر یہ شخص اپنے مکتوبات میں اس شرعی فتوے کی برابر مخالفت کرتا رہا۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ اس شخص کو حکم دیا جائے کہ حضور کو سجدہ کرے یہ کبھی اس حکم پر عمل نہ کرے گا۔ یہ بات بادشاہ کے دل میں اتر گئی اور بادشاہ نے اپنے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا حضرت امام ربانی نے اس حکم پر عمل کرنے سے قطعی انکار کر دیا اور فرمایا کہ سجدہ ازروی نص قرآنی خالق کے لئے مخصوص ہے۔ اس سے بڑھ کر حماقت اور بطالت کیا ہوگی کہ ایک مخلوق اپنی ہی جیسی عاجز و محتاج مخلوق کو سجدہ کرے یہ سُنکر جہانگیر کی وہی حالت ہوئی جو بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان سُن کر خسرو پرویز بادشاہ ایران کی ہوئی تھی ؎

زتیزی گشت ہر مویش سنانے ‌‌ ‌‌ ‌‌ ‌‌ زگرمی ہر رگش آتش فشانے

اسی غیظ و غضب کی حالت میں حضرت امام ربانی کے قتل کا حکم صادر ہوا مگر پھر کچھ سوچ سمجھ کر قتل کی بجائے غیر محدود وقت کے لئے قید کا حکم سنایا گیا اور اجین ریاست

گوالیار کا قید خانہ آپ کے قدوم سے رشک جنت بنا ؎

بلے ہر جا رسد حورا سرشتے ! اگر دوزخ بود گردد بہشتے !

قید سے رہائی کا واقعہ بھی آپ کی روشن کرامت ہے۔ بادشاہ جہانگیر نے خواب دیکھا خواب کیا قسمت جاگ اُٹھی دیکھا کہ سید الخلق اشرف الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم بطور تاسف کے اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر! "تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا"

اس خواب کے بعد فوراً آپ کی رہائی عمل میں آئی۔ مگر دشمنوں نے پھر کچھ کہہ سنکر بادشاہ سے یہ حکم دلوا دیا کہ چند روز آپ ہمارے ساتھ لشکر میں رہیں۔ گو یہ چیز حضرت کے لئے قید سے کم تکلیف دہ نہ تھی لیکن کام جو بنا وہ اسی سے بنا۔ بادشاہ کو آپ کی صحبت نصیب ہوئی اور اس صحبت نے اُس کے باطن کو مزکیٰ کر دیا۔ پھر تو وہ آپ کا غلام تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی۔ شراب وکباب اور دوسرے منہیات سے ایسی کامل بے تعلقی اختیار کی کہ باید و شاید۔

وہی بادشاہ جس کے غرور اور بدمستی کی یہ حالت تھی کہ اپنے لئے سجدہ کراتا تھا۔ سجدہ تعظیمی کے جواز کے فتوے علما سے لئے تھے وہی بادشاہ آخر عمر میں کہتا ہے کہ" میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو البتہ میرے پاس ایک دستاویز ہے اس کو اللہ تعالےٰ کے سامنے پیش کروں گا وہ دستاویز یہ ہے کہ ایک روز مجھ سے شیخ احمد سرہندی نے فرمایا تھا کہ" اگر اللہ تعالےٰ ہم کو جنت میں لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے"

حضرت امام ربانی ہی کی برکت تھی کہ جہانگیر کے صلب سے شاہجہاں جیسا دیندار بادشاہ اور شاہجہاں کے بعد اورنگ زیب[1] جیسا جامع کمالات صوری ومعنوی پیدا ہوا۔

[1] اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے علوم شرعیہ کی فراغت کے بعد باقاعدہ سلوک طے کیا تھا (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

جہانگیر کے اقبال نے یہاں تک ترقی کی کہ سرہند میں حضرت امام ربانی کا مہمان بننے اور آپ کے باورچی خانہ کا کھانا کھانے کا شرف حاصل کیا۔ کھانا اگرچہ بالکل سادہ تھا مگر بادشاہ نے کہا کہ میں نے ایسا لذیذ کھانا کبھی نہیں کھایا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مخالفت ایک لحاظ سے بادشاہ کی مخالفت سے زیادہ اذیت رساں تھی۔ انھوں نے ایک رسالہ بھی حضرت امام ربانی کے خلاف تصنیف فرمایا نا واقفوں اور غیروں کے پتھر کی وہ چوٹ نہیں لگتی جو اپنوں کے پھول کی لگتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرت امام ربانی کے خاندان عالی شان سے محبت تو میراث تھی علم شریعت نے اس موروثی محبت کو اور راسخ کر دیا حتی کہ حضرت عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم فرزند و خلیفہ امام ربانی سے درخواست کی کہ میری تعلیم باطنی کیلئے اپنے کسی خلیفہ کو بھیجد یجئے آپ نے اپنے فرزند حضرت شیخ سیف الدین کو دہلی بھیجا انہیں کی صحبت اور توجہ سے اورنگ زیب کو نسبت باطنی کا لازوال شرف حاصل ہوا جس کی گواہ کتاب رقعات عالمگیری ہے شیخ نے دہلی پہنچکر امر معروف و نہی منکر کا فریضہ بڑی سختی سے ادا فرمایا بادشاہ نے ایسی سختی قبل از بادشاہی بھی کسی کی برداشت نہ کی ہوگی قلعہ کے دروازہ پر دو ہاتھیوں کی تصویریں مع فیلبان کے تھیں حیات بخش باغ کے حوض میں سونے کی مچھلیاں پڑی ہوئی تھیں جن میں قیمتی جواہر جڑے ہوئے تھے حضرت شیخ نے یہ سب چیزیں تڑوا دیں اورنگ زیب نے حضرت شیخ کی تشریف آوری کا شکریہ حضرت عروۃ الوثقی کو لکھکر بھیجا جس کا جواب مکتوبات معصومیہ میں یہ ہے

"چہ نعمتے ست کہ باایں ہمہ طمطراق بادشاہی و دبدبہ سلطانی کلمہ حق بسمع قبول افتد و گفتہ نامرادے موثر شود"

یہ کیسی بڑی نعمت ہے کہ شاہانہ شان و شوکت اور بادشاہی دبدبہ کے باوجود کلمہ حق قبول کیا جائے اور ایک نامراد کا کہنا موثر ہو۔

حضرت شیخ نے پھر اپنے والد بزرگوار کو بادشاہ کے حالات باطنی کی اطلاع دی جس کا جواب مکتوبات معصومیہ کے ذیل کی ان عبارت ہو

"آنچہ از احوال بادشاہ دین پناہ مرقوم نمودہ بودند از سرایت ذکر در لطائف و حصول سلطان ذکر و رابطہ و قلت خطرات و قبول کلمہ حق و رفع بعضے مشکلات و ظہور لوازم طلب ہمہ موجب مزید شکر

بادشاہ دین پناہ کے جو احوال تم نے تحریر کئے مثلاً لطائف میں ذکر کا سرایت کرنا، اور سلطان ذکر و رابطہ کا حاصل ہونا خطرات کی قلت کلمہ حق قبول کرنا بعض مشکلات کا رفع ہونا اور لوازم طلب کا

شیخ ممدوح حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصین و مستفیدین میں سے تھے۔
حضرت امام ربانی نے مکتوبات قدسیہ میں کئی جگہ حضرت شیخ کا تذکرہ فرمایا ہے اور دو ایک مکتوب
بھی ان کے نام ہیں حضرت شیخ کی مخالفت چونکہ بدنیتی کے ساتھ نہ تھی لہذا حق تعالےٰ نے
ان کو بہت جلد تنبہ عطا فرمایا اور مخالفت سے رجوع کی توفیق[1] دی بالآخر وہ بھی حضرت امام ربانی
کے غایت درجہ معتقد ہو گئے[2] جس کا ذکر انھوں نے اپنے مکاتیب میں کیا ہے۔

---

[1] حضرت مولانا شاہ غلام علی صاحب کے مکاتیب شریفہ مطبوعہ مدراس کے ص ۱۰ میں ہے

بدانکہ جناب شیخ حضرت عبدالحق بعد استفادہ از اکابر قادریہ
و چشتیہ از حضرت خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہ استفاضہ نمودہ
اند و بہ برکت صحبت حضرت خواجہ حضور نسبت نقشبندیہ حاصل
نمودند و این مطلب در رسالۂ بیان سلاسل مشائخ خود
نوشتہ اند و در رسالۂ توصیل المرید الی المراد نوشتہ اند کہ
نزد انصاف طریقۂ نقشبندیہ اقرب طرق ہست و برائے حصول
فنا و بقا بہتر ازین طریقہ نیست. و در رسالۂ انکار حضرت
مجدد نوشتہ اند محبتے کہ مرا با شماست کسے را با شما
نخواہد بود شما عزیزید و طریقۂ شما عزیز. حضرت خواجہ
اثبات شما بسیار میکردند و نیز نوشتہ اند کہ یکبار در
بارہ شما بجناب الٰہی سبحانہ متوجہ بودم کہ این مقامات
کہ ایشان میگویند حق ست یا اصلی ندارد آیت شریفہ
کہ در رفع اشتباہ حقیقت موسیٰ علیہ السلام نازل شدہ
در حق حضرت مجدد بر دل حضرت شیخ عبدالحق نازل شد
پس تأمل ضرور است و در مکتوب مرسل بحضرت

جاننا چاہئے کہ جناب شیخ حضرت عبدالحق نے اکابر قادریہ
و چشتیہ سے مستفید ہونے کے بعد حضرت خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ
علیہ سے استفاضہ کیا اور حضرت خواجہ کی صحبت کی برکت سے
نسبت نقشبندیہ حاصل کی. حضرت شیخ نے یہ بات اپنے
اس رسالہ میں تحریر کی ہے جو انھوں نے اپنے مشائخ کے
سلسلہ کے بیان میں لکھا ہے اور اپنے رسالہ توصیل المرید الی
المراد میں لکھا ہے کہ بنظر انصاف دیکھا جائے تو طریقۂ
نقشبندیہ سب طریقوں سے زیادہ قریب ہے اور حصول فنا و
بقا کے لئے اس طریقہ سے بہتر طریقہ نہیں ہے۔ نیز حضرت
شیخ نے انکار حضرت مجدد والے رسالہ میں لکھا ہے کہ "مجھکو
آپ سے جو محبت ہے وہ کسی دوسرے کو آپ سے نہ ہوگی.
آپ بھی عزیز ہیں اور آپ کا طریقہ بھی عزیز ہے حضرت
خواجہ محمد باقی آپ کا اثبات بہت کرتے تھے" نیز حضرت
شیخ نے تحریر فرمایا ہے کہ "ایک مرتبہ آپ کے بارہ میں بارگاہ
الٰہی میں متوجہ تھا کہ جو مقامات وہ (حضرت مجدد) بیان

(باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

المختصر یہ مصائب اس طرح ختم ہو گئے اور آخری نتیجہ یہ رہا کہ حق کی فتح ہوئی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

میرزا حسام الدین خلیفہ حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہما نوشتہ اند کہ غبارے کہ فقیر را بخدمت حضرت شیخ احمد بود رفع شدہ وغشاوۂ بشریت نماند بذوق ووجدان در دل چیزے افتادہ کہ با چنیں عزیزان بد نباید بود"

کرتے ہیں حق ہیں یا ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے وہ آیت شریف جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کے بارہ میں شبہ دور کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے حضرت شیخ کے دل پر نازل ہوئی لہذا اس پر غور کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح حضرت شیخ عبدالحق نے جو خط حضرت مرزا حسام الدین خلیفۂ حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہما کو بھیجا ہے اس میں لکھا ہے کہ فقیر کے دل میں حضرت شیخ احمد کی طرف سے جو غبار تھا وہ دور ہو گیا اور مقتضائے بشریت جو پردہ حائل تھا اب نہیں رہا میرے ذوق و وجدان سے دل میں یہ بات آئی کہ ایسے بزرگوں سے بدگمان نہ ہونا چاہئے۔

نیز انہیں مکاتیب شریفہ کے ص۲۲ میں ہے:۔

این کمترین درویشاں بلکہ ننگ وعار ایشاں خانہ زاد قادریہ است وبزرگان من قادری بودند بیدم ولایت قادریہ مشرف گشتند مزار ایشاں دلیلے ست برآں۔ انکار شائع برین خاندان یعنی خاندان مجددی درین نافہم اثرے داشت ارادۂ الٰہی سبحانہ وتقدیر باین خاندان مستسعد ساخت لیکن در دل گرفتگی بود دریں بمطالعہ کلام ومقامات حضرت مجدد شرفے یافت ومناسبتے بہ فیوض ایشاں رسید

یہ کمترین درویشاں بلکہ ان کے لئے باعث ننگ وعار سلسلہ قادریہ کا خانہ زاد ہے میرے بزرگ قادری تھے اور میرے والد ولایت قادریہ سے مشرف تھے ان کا مزار اس کی دلیل ہے اس خاندان مجددی کا انکار جو مشہور ہے اس نافہم پر بھی تھا لہٰذا تعالیٰ ارادۂ الٰہی وتقدیر خداوندی سے اس خاندان کی سعادت نصیب ہوئی لیکن دل میں ایک قسم کی کھٹک تھی لہذا حضرت مجددؒ کے کلام ومقامات کا مطالعہ کیا ان کے فیوض وبرکات سے ایک مناسبت پیدا ہوئی اور وہ سب اوہام

دشمن ذلیل و خوار ہوئے اور حضرت امام کے اثرات طیبات روز افزوں ترقی کرتے گئے حضرت ممدوح نے جو خطوط اپنے مخلصین کو ان مصائب میں مبتلا ہونے کی حالت میں لکھے ہیں ان کو دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔

مکتوب ۲۰۴ دفتر اول حصہ سوم ص۹۶ میں اپنے مرید خاص حضرت میر محمد نعمان بدخشی کو ان کی اس خبر دہی کے جواب میں کہ حضرت والا کے لئے یہ یہ سازشیں ہو رہی ہیں لکھتے ہیں:-

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

آں اوہام زائل شد بلکہ رسالہ در جواب حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کہ بے تحقیق محض باستماع سخنان بے سرو پا گویان در انکار و اعتراضات بر کلام حضرت مجدد نوشتہ زبان طاعنان دراز ساختہ تحریر کردہ ام سبحان اللہ من جاہل کجا و مقابلہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کجا از یں جا احوال اعتراضات دریافت میشود کہ جاہلے آن اعتراضات بر دارد پس آن اعتراضات قدرے ندارد حکیم ذکاء اللہ خاں صاحب بعد مطالعہ آں رسالہ فرمودند کہ ایں رسالہ در رد اعتراضات کافی ست ۱۲

زائل ہو گئے بلکہ میں نے حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے اس رسالہ کے جواب میں جو انہوں نے بغیر تحقیق محض بے سرو پا باتیں کرنے والے لوگوں کی باتیں سن کر حضرت مجدد پر انکار اور ان کے کلام پر اعتراضات کرنے کیلئے تحریر کرکے لوگوں کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع دیا، ایک رسالہ بھی تحریر کیا ہے سبحان اللہ کہاں میں جاہل اور کہاں حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ اسی سے ان اعتراضات کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ ایک جاہل ان اعتراضات کو دفع کر دیتا ہے لہذا ان اعتراضات کی کوئی وقعت نہیں ہے حکیم ذکاء اللہ خاں صاحب نے اس رسالہ کا مطالعہ کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ رسالہ رد اعتراضات میں کافی ہے

۲؎ بلکہ حضرت امام ربانی کے دریائے فیض سے مستفیض بھی ہوئے جیسا کہ مکتوبات قدسیہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے ۱۲

خدمت میر محمد نعمان از سخناں پریشان
ارباب خسراں محنت نکشند کل لعل علی
شاکلته لائق آنکه بمکافات و مجازات
متعرض نشوند دروغ را فروغ نیست
باعث کسادت بازار آنہا کلمات متناقضہ
آنہا خواہد بود من لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ
من نور، شغلیکہ در پیش دارند در ہماں
کوشند و از غیر آن چشم بپوشند
قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم
یلعبون ۔

بسر محمد نعمان! آپ خسارہ میں رہنے والے لوگوں کی
پریشان باتوں سے رنجیدہ و غمزدہ نہ ہوں ہر شخص اپنے
طریقے کے موافق عمل کرتا ہے مناسب یہ ہے کہ انتقام
اور بدلے کے درپے نہ ہوں۔ جھوٹ کو فروغ نہیں ہے
ان کی متضاد باتیں ہی ان کی کساد بازاری کا باعث
ہوں گی جس کے لئے خدا کی طرف سے روشنی نہیں ہے
اس کے لئے پھر کوئی روشنی نہیں جس کام میں آپ مشغول
ہیں (یعنی یاد الٰہی) اسی میں کوشش کرتے رہیں۔ دوسری
باتوں سے آنکھ بند کرلیں۔ آپ فرما دیجئے کہ (یہ کتاب)
اللہ نے اتاری پھر ان کو چھوڑ دیجئے کہ وہ اپنی بکواس
میں کھیلتے رہیں ۔

مکتوب ۱۸۱ دفتر اول حصہ دوم ۱۲۱ میں اپنے متعلق معاندین کی ریشہ دوانی سنکر لکھتے ہیں :-

کتابتے کہ محبت آثاری مولانا قاسم علی
فرستادہ بودند رسید مضمون بوضوح
پیوست قال اللہ تعالیٰ من عمل
صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیھا
خواجہ عبداللہ انصاری مے فرماید الٰہی سر کرا
خواہی برانداز بما درانداز ی، بیت
ترسم آن قوم کہ بردُرد کشاں مے خندند
بر سر کار خرابات کنند ایمان را

جو مکتوب محبت آثار مولانا قاسم علی نے بھیجا تھا، پہنچا،
مضمون مکتوب واضح ہوا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو اچھا
کام کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے اور جو برائی کرے گا اس کا
وبال بھی اسی پر ہے۔ خواجہ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں
کہ خداوندا جس کو تو گرانا چاہتا ہے اس کو ہم سے بھڑادے۔
میں ان لوگوں کے بارے میں جو شراب محبت کا تلچھٹ پینے والوں
پر خندہ زنی کرتے ہیں یہ اندیشہ کرتا ہوں کہ وہ شراب خانہ
ہی میں اپنا ایمان ضائع کردیں گے ۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کافہ اہل اسلام را از انکار فقرا و طعن
درایشان نگاہ دارد بحرمۃ سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ
الصلوات والتسلیمات۔ والسلام

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو فقراء کے انکار اور ان پر
طعنہ زنی کرنے سے محفوظ رکھے بطفیل حضرت سید البشر
علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات والسلام

مکتوب ۱۵ دفتر سوم حصہ ہشتم ملا میں قید خانہ سے حضرت میر محمد نعمان کو لکھتے ہیں:۔

مخفی نماند کہ تا زمانے کہ بعنایت اللہ سبحانہ کہ
آن عنایت بصورت جلال وغضب او تعالے
تجلی فرمودہ بود محبوس قفس زندان نگشتم از تنگنای
ایمان شہودی بالکلیہ نرستم وازپس کوچہای ظلال خیال
ومثال تمام نہ برآمدم و در شاہراہ ایمان بغیب مطلق
المنان بتحزم ننمودم و از حضور بہ غیب و از
عین بہ علم و از شہود باستدلال بوجہ کمال نہ پیوستم
و ہنر دیگران را عیب و عیب دیگران را ہنر ذوق
کامل و وجدان بالغ نیافتم و شربتہائے خوشگوار بے ننگی
و بے ناموسی و مربا ہائی مزہ دار خواری و
رسوائی را نہ چشیدم و از جمال طعن وملامت
خلق حظ نگرفتم و از حسن بلا و جفای مردم
محظوظ نشدم و کالمیت بین یدی الغسال
گشتہ بالکلیہ ترک ارادہ و اختیار نکردم
و رشتہ ہائی تعلق آفاق و انفس را بہ تمام
و کمال نگسستم و حقیقت تضرع و التجا و انابت
و استغفار و ذل و انکسار را بدست نیاوردم

مخفی نہ رہے کہ جبتک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت سے
جو اس کے جلال وغضب کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے
قفس زنداں میں محبوس نہیں ہوا تھا ایمان شہودی کی
راہ تنگ سے بالکلیہ آزاد نہیں ہوا تھا اور سایہ ہائے
خیال ومثال کے کوچوں سے پوری طرح باہر نہیں نکلا
تھا اور قادر مطلق کے غیب پر ایمان رکھنے کی شاہراہ پر
چلنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی اور حضور سے غیب میں
عین سے علم میں اور شہود سے استدلال میں پوری طرح داخل
نہیں ہوا تھا دوسروں کے ہنر کو عیب اور اُن کے عیب کو ہنر
کمال ذوق اور وجدان صحیح کے ساتھ نہ سمجھ پایا تھا
اور بے ننگی وبے ناموسی کا خوشگوار شربت اور خواری
ورسوائی کا خوش ذائقہ مربہ نہ چکھا تھا، اور خلق خدا
کی ملامت وطعنہ زنی کے جمال سے لطف اندوز اور لوگوں
کی جفا و بلا کے حسن سے محظوظ نہ ہوا تھا اور مردہ بدست زندہ
بنکر اپنے ارادہ و اختیار سے بالکلیہ دستبردار نہ ہوا تھا اور
آفاق و انفس سے تعلق کے رشتے تمام وکمال نہ ٹوٹے تھے
اور تضرع والتجا و انابت و استغفار، ذلت و انکسار کی

وقسطاس رفیع المنزلت استغنائی حق سبحانہ
راکہ محفوف بہ سرادقات عظمت و کبریائی
ست شاہدہ نمودم وخود را بندۂ خوار
وزار و ذلیل وبے اعتبار و بے ہنر و
وبے اقتدار و باکمال احتیاج و
افتقار معلوم ساختم "وما ابرئ نفسی ان
النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ان
ربی لغفور رحیم" اگر محض فضل توا تر فیوض
وواردات الٰہی جل سلطانہ وتوالی عطیات
وانعامات نامتناہی او سبحانہ دریں
محنت کدہ شامل حال ایں شکستہ بال نے
شد نزدیک بود کہ معاملہ بہ یاس رسد
ورشتہ امید گسستہ گردد والحمد للہ
الذی عافانی فی عین البلاء واکرمنی
فی نفس الجفاء واحسن بی فی حالۃ العناء
ووفقنی علی الشکر فی السراء والضراء
وجعلنی من متابعی الانبیاء ومن مقتفی
آثار الاولیاء ومن محبی العلماء والصلحاء
صلوات اللہ سبحانہ وتسلیماتہ علی الانبیاء
اولاو علی متابعیہم ثانیاً۔

حقیقت معلوم نہ ہوئی تھی استغنائے حق سبحانہ وتعالیٰ کی
میزان بلند رتبہ جو عظمت و کبریائی کی قناتوں سے گھری
ہوئی ہے مشاہدہ میں لائی تھی اور اپنے کو ایک بندۂ
خوار وزار و ذلیل و بے اعتبار و بے ہنر و بے اقتدار
اور سراپا احتیاج و افتقار معلوم نہ کرسکا تھا "وما ابرئ
نفسی الخ" میں اپنے نفس کی براءت نہیں کرتا یقیناً نفس
برائی پر بہت آمادہ کرنے والا ہے سوائے اس کے کہ میرا
رب مجھ پر رحم کرے اس میں شبہ نہیں کہ میرا رب بہت
مغفرت کرنے والا مہربان ہے، اگر محض فضل خداوندی سے
فیوض وواردات الٰہی کا تسلسل اور اس کے غیر متناہی
انعامات وعطیات کا پے در پے ظہور اس محنت کدے میں
مجھ جیسے شکستہ پر کے شامل حال نہ ہوتا تو قریب تھا کہ معاملہ
یاس وناامیدی کی حد کو پہونچ جاتا اور رشتۂ امید شکستہ
ہوجاتا، حمد ہے اس خداوند کی جس نے مجھکو عین بلا میں
عافیت عطا فرمائی اور ظلم وجفا میں عزت بخشی اور مشقت
وتکلیف میں مجھ پر احسان کیا اور راحت و مصیبت میں شکر کی
توفیق دی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی
کرنے والوں، اولیاء کرام کے نقش قدم پر چلنے والوں
علماء وصلحاء سے محبت رکھنے والوں میں داخل فرمایا اللہ سبحانہ
وتعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں انبیاء کرام پر
اولاً اور ان کے متبعین پر ثانیاً۔

مکتوب ۳۸ دفتر سوم حصہ ہشتم ص۱ اپنے مخلص حق گزین شیخ بدیع الدین کو قید خانہ سے لکھتے ہیں ا۔

الحمد لله و سلام علی عباده الذین اصطفیٰ
صحیفہ شریفہ کہ مصحوب شیخ فتح اللہ ارسال
داشتہ بودند رسید از جفا و ملامت
خلق نوشتہ بودند آں خود جمال این
طائفہ است وصیقل زنگار ایشان ست
باعث قبض وکدورت چرا باشد در
اوائل حال کہ فقیر بایں قلعہ رسید محسوس مے
شد کہ انوار ملامت خلق از بلاد وقریٰ در
رنگ سحابہای نورانی پے درپے میرسند
وکار را از حضیض باوج مے برند سالہا بہ
تربیت جمالی قطع مراحل مے نمودند الحال بہ
تربیت جلالی قطع مسافت نمایند و در مقام صبر
بلکہ در مقام رضا باشند وجمال وجلال را مساوی
دانند۔ نوشتہ بودند کہ از وقت ظہور فتنہ نہ ذوق
ماندہ است و نہ حال، باید کہ ذوق و حال
مضاعف باشد کہ جفای محبوب از وفائی
او بیشتر لذت بخش ست چہ بلا شد کہ در رنگ
عوام سخن کردہ اید و در از محبت ذاتیہ رفتہ
اید۔ برخلاف گذشتہ جلال را بیش و ایلام را

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ آپ کا صحیفہ
شریفہ جو شیخ فتح اللہ کے ہمراہ بھیجا تھا پہونچا آپ نے
جفا و ملامت خلق کے بارے میں تحریر فرمایا تھا یہ تو اس
گروہ سالکین کا حسن اور ان کے زنگ کے لئے صیقل ہے لہذا
باعث دل تنگی وکدورت کیوں ہو جب یہ فقیر اس قلعہ
میں پہونچا تو اوائل حال ہی میں محسوس ہوتا تھا کہ ملامت
خلق کے انوار شہروں اور دیہاتوں سے نورانی بادلوں
کی طرح پے درپے پہونچ رہے ہیں اور میرے معاملہ
کو پستی سے بلندی کی طرف لئے جا رہے ہیں، برسوں
تربیت جمالی سے میری منزلیں طے کرائی گئیں اب تربیت
جلالی سے قطع مسافت کرائی جا رہی ہے لہذا آپ مقام
صبر بلکہ مقام رضا میں رہیں اور جمال وجلال کو مساوی
جانیں۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ جس وقت سے اس
فتنہ کا ظہور ہوا ہے نہ ذوق باقی رہا ہے نہ حال حالانکہ
ذوق وحال مضاعف ہونا چاہئے اس لئے کہ محبوب کی
جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت بخش ہو یہ کیا مصیبت
آئی کہ آپ نے عوام کے رنگ میں کلام کیا ہے اور محبت
ذاتیہ سے دور چلے گئے ہیں لہذا اب گذشتہ بات کے
برخلاف جلال وایلام کو انعام سے زیادہ اور برتر

زیادہ از انعام تصور نماید زیرا کہ در جمال و انعام
مراد محبوب مشوب است بمراد خود و در جلال و ایلام
خالص مراد محبوب ست و خلاف مراد خود ست
اینجا وقت و حال ورای وقت و حال سابق ست
شان ما بنہا از زیارت حرمین شریفین
نوشتہ بودند چہ مانع ست، حسبنا اللہ
و نعم الوکیل۔

تصور کریں اس لئے کہ جمال و انعام میں مراد محبوب
کے ساتھ اپنی مراد کا بھی شائبہ ہوتا ہے اور
جلال و ایلام (تکلیف) میں اپنی مراد کے برخلاف
صرف مراد محبوب ہوتی ہے۔ اس وقت جو کیف و حال
ہے وہ پہلے کیف و حال سے اوراء ہے۔ آپ نے
زیارتِ حرمین شریفین کے بارے میں لکھا تھا تو
اس میں کیا مانع ہے حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

مکتوب ۵۴ دفتر دوم حصہ ہفتم ص۱۲ میں اپنے خادم رفیع المکان میرزا مظفر خاں
کو لکھتے ہیں

ورود محن و بلیات دنیویہ مر دوستان ما
کفارات ست مر زلات ایشان را، بہ
تضرع و زاری و بالتجا و انکسار عفو و
عافیت از جناب قدس او تعالیٰ باید طلبید
تا زمانے کہ اثر اجابت مفہوم شود و تسکین فتن
معلوم گردد۔ ہر چند دوستان و خیر اندیشان
در ہمیں کار اند اما صاحب معاملہ احق باین
کار ست، دارو خوردن و پرہیز نمودن کار صاحب
مرض ست و دیگران بیش از اعوان او نیستند
در ازالہ مرض حقیقت معاملہ آن ست کہ ہر چہ
از محبوب حقیقی برسد با کشادگی جبین و با فراخی
سینہ او را منت قبول باید کرد، بلکہ بآن متلذذ

ورود محن اور مصائب دنیویہ دوستوں کے لئے
اُن کی لغزشوں کا کفارہ ہیں تضرع و زاری اور التجا
انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں عفو و
عافیت طلب کرنا چاہئے یہانتک کہ قبولیت کے
آثار پیدا ہوں اور فتنوں کی تسکین معلوم ہو اگرچہ
میرے دوست اور خیر اندیش اسی کام میں مشغول ہیں
لیکن صاحب معاملہ پر اس کام کا حق زیادہ ہے۔ دوا پینا
اور پرہیز کرنا بیمار کا کام ہے دوسرے لوگ ازالۂ مرض
میں اس کے مددگار ہونے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔
حقیقت معاملہ یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی طرف سے جو (تکلیف)
بھی پہونچے اس کو کشادہ روئی اور فراخ دلی کے ساتھ
احسان مند ہوکر قبول کرنا چاہئے بلکہ اُس سے لطف اندوز

بایدگشت رسوائی و بے ناموسی کہ مراد محبوب ست
نزد محب بہتر از ناموس و ننگ و نام ست کہ مراد نفس
اوست۔ اگر این معنی در محب حاصل نگردد در محبت
ناقص ست بلکہ کاذب ؎

گر طمع خواہد ز من سلطان دین!
خاک بر فرق قناعت بعد ازین

ہونا چاہیئے۔ جو رسوائی و بے ناموسی محبوب کو
مطلوب ہو وہ محب کے نزدیک اس ناموس اور ننگ
و نام سے بہتر ہے جو اس کے نفس کو مطلوب ہو اگر محب
میں یہ بات پیدا نہ ہو تو وہ محبت میں ناقص بلکہ کاذب
ہے۔ اگر سلطانِ دین مجھ سے طمع کا طالب ہو تو پھر
قناعت کے سر پر خاک ہے۔

مکتوب ۱۵۱ دفتر سوم حصہ ہشتم صفحہ ۲۴ حضرت میر محمد نعمان کو قید خانہ سے لکھتے ہیں۔

سیادت پناہا اخوی میر محمد نعمان را معلوم بودہ
باشد کہ مفہوم شد کہ ہر چند یاران خیر اندیش
در تشبث اسباب خلاصی کوشیدند سود مند نیامد
الخیر فیما صنع اللہ سبحانہ بارہ ازین امر بمقتضای
بشریت حزنی پیدا شد و در سینہ تنگی ظاہر گشت
بعد از زمانے بفضل حق جل سلطانہ آن ہمہ حزن
و تنگی سینہ بہ فرح و شرح صدر مبدل گشت و بہ یقین
خاص دانست کہ اگر مراد این جماعت کہ در صدد
آزار اند موافق مراد حق ست جل سلطانہ پس کرہ
و تنگی سینہ بے معنی ست و منافی دعوے محبت
ست چہ ایلام محبوب در رنگ انعام او نیز محبوب
و مرغوب محب ست چنانکہ از انعام محبوب
لذت میگیرد از ایلام او نیز ملتذ مے گردد
بلکہ در ایلام او لذت بیشترے باید کہ از

سیادت پناہ اخوی میر محمد نعمان کو معلوم ہوا ہوگا کہ میرے
خیر اندیش دوستوں نے ہر چند میری رہائی کے اسباب
پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا جو کچھ
خدا نے کیا وہی بہتر ہے بتقاضائے
بشریت مجھکو بھی اس سے کچھ رنج ہوا اور دل میں
کچھ تنگی ظاہر ہوئی لیکن تھوڑے ہی زمانہ میں اللہ تعالیٰ
کے فضل سے وہ رنج اور دل تنگی فرحت و شرح صدر
سے بدل گئی اور یقین خاص سے معلوم ہوا کہ اگر اس
جماعت کی مراد جو میرے درپے آزار ہیں اللہ جل سلطانہ
کی مراد کے موافق ہے تو پھر اس پر ناپسندیدگی اور دل تنگی
بے معنے اور دعویٰ محبت کے منافی ہے کیونکہ ایلام
محبوب اس کے انعام ہی کی طرح محب کو محبوب و مرغوب
ہوتا ہے محب جس طرح محبوب کے انعام میں لذت پاتا
ہے اس کے ایلام میں بھی مزہ پاتا ہے بلکہ اس کے

شائبہ حظ نفس و مراد او مبراست و چون
حضرت حق سبحانہ وتعالی کہ جمیل مطلق ست
آزار این کس خواستہ باشد ہر آئینہ این
ارادہ او تعالی نیز در نظر این کس بعنایت او
سبحانہ وتعالی جمیل ست بلکہ سبب التذاذ ست
وچون مراد این جماعت موافق مراد حق ست
سبحانہ واین مراد دریچہ ظہور آن مراد ست ہر
آئینہ مراد اینہا نیز بنظر مستحسن وموجب التذاذ
ست فعل شخصے کہ مظہر فعل محبوب بود فعل آن
شخص نیز در رنگ فعل محبوب محبوب ست وآن
شخص فاعل بعلاقہ این نظر نیز در نظر محب
محبوب مے نماید عجب معاملہ است ہر چند جفا
ازین شخص بیشتر مقصود بود در نظر محب زیباتر مے
آید کہ نمایندگی صورت غضب محبوب بیشتر دارد
کار دیوانگان این راہ وراء گونہ است۔ پس
بدی آن شخص خواستن ودلی بد بودن منافی محبت
محبوب بود کہ آن شخص بیش از مرآت فعل محبوب
ہیچ نیست۔ جمعے کہ مقصدی آزارند در نظر محبوب
مے نمایند نسبت بسائر خلائق۔ بیاران بگویند
کہ تنگیہائے سینہ را دور سازند وبہ جماعتے کہ
مقصد آزارند بد نباشند بلکہ از فعل آنہا

ایلام میں زیادہ لذت پاتا ہے کیونکہ یہ صورت حظ نفس
کے شائبہ سے خالی اور مراد نفس سے پاک ہوتی ہے
اور جب حضرت حق سبحانہ وتعالی جو جمیل مطلق ہے۔ اس
شخص کو تکلیف ہی میں رکھنا چاہتا ہے تو اللہ تعالی کا یہ
ارادہ بھی بعنایت الہی اس شخص کی نظر میں جمیل ہے بلکہ
مطلقاً لذت ہونے کا سبب ہے۔ اور چونکہ اس جماعت
کی مراد حق سبحانہ کی مراد کے موافق ہے بلکہ اُن کی مراد
اللہ تعالی کی مراد ظاہر ہونے کا دروازہ ہے اس لئے اس
جماعت کی مراد بھی یقیناً اس کی نظر میں مستحسن اور باعث
لذت ہے جس شخص کا فعل محبوب کے فعل کا مظہر ہو تو اس
شخص کا فعل بھی محبوب ہی کے فعل کی طرح محبوب ہوتا ہے
اور اس فعل کا کرنے والا بھی اس علاقہ کی وجہ سے محب کی
نظر میں محبوب ہوتا ہے اس شخص سے جس قدر جفا زیادہ ہوتی
ہے اسی قدر محب کی نظر میں حسین معلوم ہوتا ہے کیونکہ غضب
محبوب کی صورت کی نمایندگی اس میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس
راہ کے دیوانوں کا معاملہ ہی جداگانہ ہے۔ لہذا اس شخص
کی برائی چاہنا اور اس سے بد دل ہونا محبت محبوب کے
منافی ہے کیونکہ یہ شخص صرف محبوب کے فعل کا آئینہ ہے اور بس
اس لئے جو لوگ در پے آزار ہیں وہ دوسروں سے
زیادہ محبوب نظر آنا چاہئیں۔ آپ دوستوں سے کہدیا
کہ وہ دل کی تنگی دور کریں اور جو لوگ در پے آزار ہیں

لذت گیرند۔ آرے چون بہ دعا مامور یم و حضرت
حق سبحانہ را دعا و التجا و تضرع و زاری خویش
مے آید دعائی دفع بلیہ نمایند و سوال عفو
و عافیت کنند و آن کہ مرآت صورت غضب
گفتہ شدہ زیرا کہ حقیقت غضب نصیب اعدا ست
با دوستان بصورت غضب ست و بحقیقت عین
رحمت ست و درین صورت غضب چنان منافع عجب
ودیعت نہادہ اند کہ چہ شرح دہد۔ و نیز در
صورت غضب کہ بدوستان عطاے فرمایند خرابی
جاعت منکران ست و باعث ابتلاے ایشان۔
و معنی عبارات شیخ محی الدین عربی قدس سرہ
معلوم نمودہ باشند کہ گفتہ ست عارف را ہمت نیست
یعنی ہمتے کہ قصد دفع بلیہ شود از عارف مسلوب ست
زیرا کہ چون بلیہ را عارف از محبوب داند و مراد
محبوب تصور نماید بدفع آن چہ نوع ہمت بندد
و رفع آن چگونہ خواہد اگرچہ بصورت دعاے دفع
برزبان آرد از جہت امتثال امر دعا فی الحقیقت
ہیچ نے خواہد و با آنچہ میرسد خرسند ست والسلام
علی من اتبع الہدی۔

ان کی طرف سے بددل نہ ہوں بلکہ اُن کے فعل سے
لذت حاصل کریں۔ ہاں چونکہ ہم کو دعا کرنے کا حکم ہے
اور حضرت حق سبحانہ کو دعا و التجا اور تضرع و زاری پسند
ہے اس لئے دفع مصائب کی دعا کریں اور عفو و عافیت کی
درخواست کریں۔ اور جو میں نے (جور و جفا کو) صورت غضب
کا آئینہ کہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت غضب دشمنوں
کا حصہ ہے دوستوں کے لئے صورتاً غضب ہے اور حقیقتاً
عین رحمت اس صورت غضب میں عجیب کے لئے اتنے منافع
ودیعت رکھے گئے ہیں کہ اس کی شرح کیا بیان کی جائے نیز
صورت غضب میں جو دوستوں کو عطا ہوتی ہے منکروں کی
بربادی ہے اور معاندوں کی ابتلا کا باعث ہے۔ اور شیخ محی الدین
عربی قدس سرہ کی عبارت کا مطلب آپکو معلوم ہوگا کہ عارف
میں ہمت نہیں ہوتی یعنی وہ ہمت جو مصیبت دفع کرنے
کا قصد کرے عارف میں مسلوب ہے کیونکہ جب عارف مصیبت
کو محبوب کی طرف سے سمجھے گا اور مراد محبوب تصور کرے گا
تو اس کو دفع کرنے کی کس طرح ہمت باندھے گا اور اس کو
دور کرنے کی کس طرح خواہش کریگا اگرچہ صورتاً اس کے
دور ہونے کی دعا زبان سے کریگا محض حکم دعا کی تعمیل
کے لئے لیکن حقیقتاً وہ کچھ نہیں چاہتا جو مصیبت اس کو
پہونچتی ہے اس سے لذت حاصل کرتا ہے والسلام
علی من اتبع الہدیٰ

ان مکتوبات قدسیہ کو دیکھو حق تعالیٰ کے ساتھ کیسا صحیح تعلق تھا اور کیسی بے مثال محبت تھی کہ ایسی تکالیف میں بھی اس کی طرف سے نظر نہ ہٹی اور چونکہ وہ تکالیف محبوب کی طرف سے تھیں لہٰذا ان میں کیسی لذت مل رہی ہے کیوں نہ ہو نص قرآنی ہے والذین امنوا اشدُّ حبًّا للہ۔

اس آخری خط میں جواب ہے ان جذبات کا جو حضرت میر محمد نعمان اور دوسرے خدام عالی مقام کے دل میں پیدا ہو رہے تھے کہ ہمت باطنی کے ساتھ بددعا کر کے موذیوں کو برباد کر دیا جائے اور یہ چیز ان حضرات کے لئے کچھ مشکل نہ تھی جن کے حق میں ارشاد نبوی ہے کہ لواقسم علی اللہ لابرّہ وہ چاہتے تو سلطنت تہ و بالا ہو جاتی ولنعم ما قال العارف الشیرازی فی امثالھم۔

گروہے عملدار عزلت نشین! قدمہائی خاکی دم آتشین

بیک نالہ کوہے بہم برکنند بیک نعرہ کوہے زجا برکنند

قوی بازوانند کوتاہ دست خرد مند دیوانہ ہشیار مست

حضرت امام ربانی نے ان جذبات کو ٹھنڈا کر دیا اور بجائے ان انتقامی جذبات کے ان موذیوں کے لئے دعائے خیر کے جذبات دلوں میں بھر دیئے۔

آن کشتہ تیغ حق محبت او نکرد کز بہر دست دیا ئے قاتل دعا نکرد

مکتوب ۱۰۷ دفتر دوم حصہ ششم ۵۲۶ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو قیدخانہ سے لکھتے ہیں:۔

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔	الحمد للہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ تمام
محمد دا کر اور ورود مصائب ہر چند تحمل	تعریفیں ہیں اللہ کے لئے اور صلوٰۃ و سلام ہے خدا کے
اذی است اما امید کرامتہا است بہترین	برگزیدہ بندوں پر۔ بخدا گرانبار تکلیف و مصیبت میں
امتعہ این نشاۃ حزن واندوہ ست وگوارا	اگرچہ مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں لیکن خدا کی

ترین نعم ایں ماندہ الم و مصیبت ایں شکر
یارہا را بدار وی تلخ غلاف رقیق فرمودہ اند
و بایں حیلہ راہ ابتلا و آمودہ۔ سعادتمندان
نظر بر حلاوت آنہا انداختہ آن تلخی را در رنگ
شکرے خایند و مرارت را برعکس صفرائی شیریں
مے یابند۔ چرا شیریں نیابند کہ افعال محبوب
ہمہ شیریں اند علتی مگر آں را تلخ یابد کہ بماسوی
گرفتار است۔ دولتمندان در ایلام محبوب
آں قدر حلاوت و لذت مے یابند کہ در انعام
او متصور نباشد ہر چند کہ ہر دو از محبوب اند
لیکن در ایلام نفس محب را مدخلے نیست و در
انعام تمام مراد نفس ست ع

هنيئاً لارباب النعيم نعيمها

اللهم لا تحرمنا اجرهم ولا تفتنا بعدهم

وجود شریف ایشان دریں غربت اسلام اہل
اسلام را مغتنم ست۔ سلمکم اللہ سبحانہ و ابقاکم۔
والسلام

عنایتوں اور مہربانیوں کی امید ہوتی ہے۔ اس دنیا کا
بہترین ساز و سامان رنج و غم ہے اور اس دسترخوان کی
بہترین نعمت تکلیف و مصیبت ہے ان شکر پاروں پر تلخ
دوا کا رقیق غلاف لپیٹ دیا گیا ہے اور اس تدبیر سے
امتحان و آزمائش کا راستہ کھولا گیا ہے۔ جو لوگ سعادتمند
ہیں وہ اس کی شیرینی پر نظر رکھتے ہیں اور اس تلخی
کو شیرینی کی طرح تناول کرتے ہیں اور ان کو صفراوی
کے برعکس یہ تلخ شیریں معلوم ہوتا ہے اور شیریں کیوں
نہ معلوم ہو جبکہ محبوب کا ہر فعل شیریں ہوتا ہے ہاں
بیمار کو وہ تلخ معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ ماسوا اللہ کی محبت
میں گرفتار رہتا ہے قسمت والوں کو ایلام میں جو حلاوت
و لذت ملتی ہے انعام میں اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا
اگرچہ دونوں ہی محبوب کی جانب سے ہیں لیکن ایلام میں
محب کی خواہش نفس کا کچھ دخل نہیں ہوتا مگر انعام میں
خواہش نفس کا بھی دخل ہے اس لئے نعمتیں اصحاب
نعمت ہی کو مبارک ہوں۔ اے اللہ تو ہم کو اپنے
چاہنے والوں کے اجر سے محروم نہ کرنا اور ان کے بعد ہم کو
آزمائش میں نہ ڈالنا جناب کا وجود مبارک اس غربت
اسلام کے زمانہ میں مسلمانوں کے لئے مغتنمات میں
سے ہے اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت و باقی رکھے

والسلام۔

غالباً شیخ نے اس مصیبت میں ہمدردی کا خط بھیجا ہوگا یہ اسی کا جواب ہے۔
مکتوب ۲۱؎ دفتر سوم حصہ ہشتم۔ صاحبزادگان عالی شان حضرت خواجہ محمد سعید اور
حضرت خواجہ محمد معصوم کو قید خانہ سے لکھتے ہیں:۔

الحمد للہ رب العالمین فی السراء والضراء
وفی الیسر والعسر وفی النعمۃ والنقمۃ
وفی الرحمۃ والزحمۃ وفی الشدۃ والرخاء
وفی العطیۃ والبلاء والصلوٰۃ
والسلام علی من مااوذی نبی مثل ایذائہ
وما ابتلی رسول نحو ابتلائہ لھذا
صار رحمۃ للعالمین وسید الاولین
والآخرین۔ فرزندان گرامی وقت ابتلاء
ہرچند تلخ و بے مزہ ست اما اگر فرصت دہند
مغتنم ست۔ درین وقت چون شمارا فرصت
دادہ اند حمد خدا جل شانہ بجا آوردہ متوجہ کار
خود باشند و یک لمحہ و لحظہ فراغت بر خود تجویز
نکنند و یکے از سہ چیز باید کہ خالی ازاں نباشند
تلاوت قرآن مجید و ادائے نماز بطول قراءت
و تکرار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ باید کہ بکلمہ لا
نفی الہہ ہوائے نفس خود نمایند و دفع مقاصد
و مرادات خویش کنند۔ مراد خود طلبیدن
دعویٰ الوہیت خود کردن ست باید کہ ہیچ

حمد ہے اللہ تعالیٰ کی جو سارے جہانوں کا پروردگار
ہے، راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی، فراخی میں بھی
اور تنگی میں بھی، آرام میں بھی اور تکلیف میں بھی رحمت میں
بھی اور زحمت میں بھی سختی میں بھی اور نرمی میں بھی،
عافیت میں بھی اور آزمائش میں بھی، اور صلوٰۃ و سلام
ہو اس ذات مقدس پر جس کے برابر کسی نبی کو ایذا نہیں
پہونچائی گئی، اور جس کے مثل کسی رسول کی آزمائش
نہیں ہوئی اس لئے وہ ذات مبارک رحمۃ للعالمین
اور سید الاولین والآخرین ہوئی۔ فرزندانِ گرامی!
ابتلاء آزمائش اگرچہ تلخ و بےمزہ ہے لیکن اگر خدا کی
طرف سے اس کا موقع ملے تو بہت غنیمت ہے اس وقت
چونکہ خدا نے تم کو فرصت دی ہے اس لئے اس کا شکر
بجالاؤ اور اپنے کام میں متوجہ رہو اور ایک لمحہ و لحظہ
اپنے لئے فراغت جائز نہ سمجھو اور تین باتوں سے خالی
نہ رہو قرآن مجید کی تلاوت طول قرأت کے ساتھ
نماز اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی تکرار۔ حرف لا
سے ہوائے نفس کے معبودوں کی نفی کرنا چاہئے اور اپنے
مقاصد و مطالب کو دفع کرنا چاہئے۔ اپنی مراد کا طلب

مرادے ما در ساخت سینہ گنجائش نبود و
ہیچ ہوسے در تخیلہ نماند تا حقیقت بندگی
متحقق شود مراد خود خواستن مستلزم دفع
مراد مولائی خود است و معارضہ کردن ست
بصاحب خود این معنی مستلزم نفی مولائی
خداست و اثبات مولویت خود۔ قبح این امر
ما نیک دریافتہ نفی دعوی الوہیت خود نمائید
تا زمانے کہ از ہواہا و ہوسہا بتمام پاک نگردند
وجز مراد مولی مرادے نداشتہ باشند
این معنی بعنایۃ اللہ سبحانہ امید ست کہ در
ایام بلا و در اوقات ابتلا بسہولت میسر گردد
و در غیر این ایام این ہواہا و ہوسہا سدہای
سکندریہ ست در گوشہ ا خزیدہ باین امر مشتغل
باشند کہ فرصت مغتنم ست و در دان فتن
اندک را بہ بسیار قبول می نمایند و در غیر زمان
فتن ریاضات و مجاہدات شاقہ در کار ست
خبر شرط ست ملاقات واقع شود یا نہ۔ نصیحت
ہمیں ست کہ مرادے و ہوسے نماند۔ والدہ
خود را نیز باین معنی مطلع سازند و دلالت
نمایند۔ باقی احوال این نشاۃ چون گذرندہ
ست چہ در معرض بیان آرد۔ برخوردان

کرنا اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے، سینے میں اپنی کسی
مراد کی گنجائش نہ رہنا چاہئے اور قوت خیالیہ میں کوئی
ہوس باقی نہ رہنا چاہئے تاکہ بندگی کی حقیقت حاصل ہو
اپنی مراد طلب کرنا اپنے مولا کی مراد دفع کرنا ہے اور اپنے
مالک سے معارضہ و مقابلہ کرنا جس کا مطلب خدا کی آقائی
کی نفی اور اپنے آقا و مولا ہونے کا اثبات ہے اس بات
کی قباحت کو اچھی طرح سمجھ کر اپنے دعوئے الوہیت
کی نفی کرو اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھو جب تک
ہر قسم کی ہوا و ہوس سے بالکل پاک نہ ہو جاؤ اور سوائے
مراد مولا کے کوئی مراد باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت
سے امید ہے کہ یہ بات ایام مصائب اور اوقات آزمائش
میں آسانی حاصل ہوگی۔ دوسرے زمانہ میں یہ ہوا و ہوس
سد سکندری ہے (جس کو عبور کرنا دشوار ہے) لہذا
گوشہ نشین ہو کر اس کام میں مشغول ہو جاؤ کیونکہ یہ فرصت
کا موقع غنیمت ہے اللہ تعالیٰ فتنہ کے وقت زیادہ عمل
کی جگہ تھوڑا عمل قبول فرماتا ہے فتنہ کا زمانہ نہ ہو تو
سخت ریاضتوں اور مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے۔
حقیقت سے باخبر ہونا ضروری ہے ملاقات ہو یا نہ ہو۔
نصیحت یہی ہے کہ کوئی مراد اور کوئی خواہش باقی نہ رہے
اپنی والدہ کو بھی اس بات سے آگاہ و باخبر کردیں۔
باقی اس زندگانی کے احوال چونکہ گذر جانے والے ہیں

شفقت داریدو کو اندن ترغیب نمائید و
اہل حقوق را تا توانید از ما راضی سازید و
بدعائی سلامتی ایمان مدد و معاون باشید
مکرر و موکد نوشتہ مے شود این وقت را با مور
لاطائل صرف نکنند و بغیر ذکر الہی جل شانہ
باید کہ بہ ہیچ چیز نہ پردازند اگرچہ مطالعہ کتب
و تکرار طلبہ بود۔ وقت ذکر است۔ ہوا ای
نفسانی را کہ آلہہ باطلہ اند در تحت لا آرند تا تمام
منتفی شوند و ہیچ مرادے و مقصودے در
سینہ نماند حتی کہ خلاصی من کہ بالفعل از اہم
مقاصد شما است نیز باید کہ مراد شما نباشد
و بہ تقدیر و فعل و ارادہ او تعالیٰ راضی باشند
و در جانب اثبات کلمہ طیبہ غیر از غیب
ہویت کہ ورای وورای معلومات و تخیلات
ست ہیچ نباشد، غم حویلی و سرا و چاہ و باغ
و کتب و اشیای دیگر خود سہل است باید کہ
ہیچ چیز مزاحم وقت شما نشود و غیر از
مرضیات حق جل و علا مراد و مرضی شما نباشد
اگر لمے مردیم این ہمہ اشیا میرفت گو در
حیات از دست رفتہ باشد ہیچ فکر نکنند۔ اولیا این
امور را باختیار خود گذاشتہ اند باختیار راہ

اس لئے کیا بیان کئے جائیں۔ چھوٹوں پر شفقت رکھنا
اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دیتے رہنا۔ جن لوگوں کے
حقوق مجھ پر ہیں جہاں تک ہو سکے ان کو میری جانب سے
راضی رکھنا اور سلامتی ایمان کی دعا میں میرے مددگار و
معاون رہنا۔ بتاکید مکرر تحریر کیا جاتا ہے کہ یہ وقت
لاحاصل باتوں میں ضائع نہ کرنا اور سوائے ذکر الہی کے
اور کسی بات میں مشغول نہ ہونا چاہیے وہ کتابوں کا مطالعہ
اور طلبہ سے مذاکرہ ہی کیوں نہ ہو یہ وقت ذکر کا ہے۔ خواہشات
نفسانی کو جو معبودان باطل ہیں لا کے تحت لاؤ تاکہ
سب منتفی ہو جائیں اور دل میں کوئی مقصود اور کوئی
مراد باقی نہ رہے حتی کہ میری رہائی جو اس وقت تمہارا
مقصد اہم ہے وہ بھی تمہاری مراد نہ رہے اور اللہ کی تقدیر
اور اس کے فعل و ارادہ پر راضی رہو۔ اور کلمہ طیبہ کے
جز اثباتی میں سوائے ذات غیب الغیب کے جو تمام
معلومات و خیالات سے وراء الوراء ہے تمہارا کچھ مقصود
نہ ہو۔ حویلی اور سرائے، چاہ اور باغ، کتابوں اور اشیائے
دیگر کی فکر تو سہل ہے۔ ان میں سے کوئی چیز تمہارے وقت
عزیز میں مزاحم نہ ہو اور بجز مرضیات حق کے تمہاری
کوئی مراد و مرضی نہ ہو اگر ہم مر جاتے تو یہ چیزیں بھی نہ
رہتیں اس لئے اگر ہماری زندگی ہی میں نہ رہیں تو تم فکر
نہ کرو اولیاء اللہ نے ان چیزوں کو اپنے اختیار و ارادہ

تعالی این امور را بگزاریم و شکر بجا آریم
امید است کہ از مخلصان باشیم بفتح لام جائیکہ
نشستہ اند ہمان را وطن انگارند حیات چند
روزہ ہر جا کہ گذرد باید کہ بیاد حق جل شانہٗ
گذرد معاملہ دنیا سہل است متوجہ آخرت
باشند والدۂ خود را تسلی بدہند و ترغیب
آخرت نمایند۔ ماند ملاقات یکدیگر اگر حق
سبحانہ وتعالی خواستہ باشد میسر خواہد شد و الا بتقدیر
او تعالی راضی باشند و دعا کنند کہ در دار السلام جمع
گردیم و تلافی ملاقاتِ دنیا را بکرم او تعالی در آخرت
حوالہ نمائیم الحمد للہ علی کل حال۔

سے ترک کیا ہے ہم اللہ تعالی کے ارادے اور اختیار
سے ترک کریں امید ہے کہ پھر ہم مخلصین میں سے
ہوں گے۔ جس جگہ بیٹھے ہو اسی کو اپنا وطن سمجھو چند روزہ
زندگی جہاں گذرے یادِ حق میں گذرے، دنیا کا
معاملہ آسان ہے آخرت کی طرف متوجہ رہو۔ اپنی والدہ
کو تسلی دیتے رہو اور اُن کو بھی آخرت کی طرف متوجہ
رکھو باقی رہی ملاقات تو اگر خدا کو منظور ہے تو ایک دوسرے
کی ملاقات ہو گی۔ ورنہ تقدیرِ الٰہی پر راضی رہو اور دعا
کرو کہ دار السلام (جنت) میں اکٹھا ہوں۔ ملاقات دنیا
کی تلافی اللہ تعالی کے کرم سے ملاقاتِ آخرت کے
حوالے کرتے ہیں۔ الحمد للہ علی کل حال۔

مکتوب ۴۳ دفتر سوم حصہ نہم ص۲۲ میں صاحبزادگان عالی شان کو لشکر شاہی سے
بحالت نظر بندی لکھتے ہیں:۔

فرزندان گرامی بجمعیت باشند مردم ہمہ
وقت بتنہائی ما را در نظرے دارند و مخلصے
از ین مضیق مے طلبند۔ نمیدانند کہ در نامرادی
و بے اختیاری و ناکامی چہ بلا حسن و جمال است
و کدام نعمت برابر آن ست کہ این کس را بے
اختیار از اختیار او بر آرند و باختیار خود او را
زندگانی دہند و امور اختیاری او را ہمیشہ
تابع آن بے اختیاری او ساختہ او را از دائرۂ

فرزندانِ گرامی! خاطر جمع رہو۔ لوگ ہر وقت ہماری
تکلیفوں پر نظر رکھتے ہیں اور اس تنگی سے خلاصی چاہتے
ہیں۔ اِن کو معلوم نہیں کہ نامرادی اور بے اختیاری اور
ناکامی میں کس غضب کا حسن و جمال ہے اس کے برابر
کون سی نعمت ہو گی کہ اللہ تعالی اس شخص کو بے اختیار
کر کے خود اُس کے ارادے اور اختیار سے باہر نکال لے
اور اپنے ارادے کے مطابق زندگی بخشے حتی کہ اس کے
امور اختیاریہ کو بھی اس بے اختیاری کے تابع بنا کر

اختیار او بر آرندو کالمیت بین یدی الغسال سازند درا یام حبس گاہے کہ مطالعۂ ناکامی وبے اختیاری خودمے نمودم عجب حظ سکر نتم وطرفہ ذوق مے یافتم۔ بلے ارباب فراغت ذوق ارباب بلا را چہ دریابند واز جمال بلاے او چہ درک نمایند۔ طفلان را حظ منحصر در شیرینی ست وآنکہ از تلخی حظ فرا گرفتہ ست شیرینی را بجوے نخرد ع

مرغ آتش خوارہ کے لذت شناسد دانہ را

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

اس کو اپنے ارادے اور اختیار سے بالکل دستبردار کر دیا جائے اور اس کو مردہ بدست زندہ بنا دیا جائے قید کے زمانہ میں جب اپنی ناکامی وبے اختیاری کو دیکھتا تھا تو عجیب لطف اٹھاتا تھا اور انوکھا مزہ پاتا تھا لیکن فراغت والے مصیبت والوں کی لذت کیا جانیں اور اس کی مصیبتوں کے حسن کا کیا اندازہ کریں۔ بچوں کو تو صرف شیرینی میں مزہ ملتا ہے لیکن جس کو تلخی میں لذت ملی وہ شیرینی کو ایک جَو میں بھی نہیں خریدتا۔ مرغ آتش خور دانہ کی لذت کیا جانیں۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ

یہ تو حضرت امام کے ظاہری حالات وکمالات کا ناتمام بیان تھا اب آپ کے باطنی اور اصلی کمالات کے متعلق چند کلمات عرض کئے جاتے ہیں اگرچہ اس چیز کو کماحقہ ارباب بصر بھی بیان نہیں کر سکتے چہ جائیکہ ایک بے بصر وبے بصیرت سے

سرّ یا ظاہرش نور ست وجان است[1] میرس از باطنش کان بے نشان ست

حضرت کے کچھ باطنی کمالات

بہت دیر تک قلم ہاتھ سے رکھ کر سوچتا رہا کہ اس عنوان کے تحت میں کیا لکھوں مگر سمجھ میں نہ آیا۔ اگر حضرت کے مکاشفات (کونیہ نہیں بلکہ مکاشفات الٰہیہ) بیان کئے جائیں یا آپ کے خوارق عادات یعنی کرامات[2] کا ذکر کیا جائے تو گوان چیزوں

[1] جس کا سرا پا ظاہر نور وجان ہو اس کے باطن کا حال نہ پوچھو کیونکہ وہ بے نشان ہے [2] مجموعہ کنز البرکات احوال امام ربانی ص۱۱ میں ہے"۔

آوازہ ارشاد ایشاں بہ جہان وجہانیاں رسید وغلغلۂ بانگ ہدایت بلند بہ عالم وعالمیاں گردید کوس

ان کے ارشاد کا شہرہ سارے جہاں میں پھیلا اور ان کی ہدایت کی آواز تمام عالم میں پہونچی تعلیت اور

(ایضاً)

کی کمی نہیں مگر حضرت امام ان چیزوں کو کمالات اصلیہ میں نہیں سمجھتے۔ اگر آپ کے تصرفات اور کثرت ارشاد کو لکھا جائے تو بھی حضرت امام کے نزدیک وہ اصلی کمال سے بہت نیچے کی چیز ہے۔

مکتوب ۱۳ دفتر دوم حصہ ششم ص۲۲ میں اپنے فرزند رشید اور خلیفۂ راشد عروۃ الوثقیٰ مجدالدین خواجہ محمد معصوم کو لکھتے ہیں۔

انگارم کہ مقصود از آفرینش من آن ست کہ ولایت محمدی بولایت ابراہیمی علیہما الصلوٰۃ والتحیات منصبغ گردد وحسن ملاحت این ولایت با جمال صباحت آن ولایت ممتزج شود ورد فی الحدیث "اخی یوسف اصبح وانا املح" باین انصباغ و امتزاج مقام محبوبیت محمدیہ بدرجہ علیا رسد تا کہ مقصود از امر باتباع ملت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام حصول این دولت عظمیٰ بودہ ست وطلب صلوٰت و برکات مماثل

میں خیال کرتا ہوں کہ میری پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ولایت محمدی ولایت ابراہیمی کے رنگ میں رنگین ہو اور ولایت محمدی کا حسن ملاحت ولایت ابراہیمی کے حسن صباحت سے آمیز ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ "میرے بھائی یوسف میں صباحت زیادہ ہے اور مجھ میں ملاحت زیادہ ہے" اس رنگینی و آمیختگی سے محبوبیت محمدیہ کا مقام اپنے درجۂ علیا تک پہونچ جائے۔ شاید ملتِ ابراہیمی کی اتباع کا حکم اسی نعمت عظمیٰ کو حاصل کرنے کے لئے دیا گیا ہو اور (درود شریف میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اُن

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) قطبیت بنام ایشان زدند ونقارہ غوثیت باسم آن جناب نواختند انوار ولایت و برکات وظہور کرامات وخرق عادات از ایشان آنقدر ظاہر گردید کہ از تحریر و تقریر بیرون ست وکشف مقامات قرب الٰہی برانجناب بمرتبہ رسید کہ از بیان وتبیان افزون ست (سیر ص۱۱ میں ہے) خوارق وکرامات

غوثیت کا نقارہ انہی کے اسم مبارک سے بجا، ان کی ولایت و برکات کے انوار اور کرامات وخرق عادت کا ظہور اس قدر ہوا کہ احاطۂ تحریر وتقریر سے باہر ہے آپ پر قرب الٰہی کے مقامات اس قدر منکشف ہوئے کہ حد بیان سے زیادہ ہیں (سیر ص۱۱ میں ہے) لوگوں نے ان کے خوارق عادات و کرامات کی تعداد سات سو لکھی ہے

صلوات و برکات حضرت ابراہیم علی نبینا و
علیہ الصلوٰۃ والسلام از برائے ایں غرض بودہ
(بعد از چند سطور) و آنچہ مقصود در آفرینش خود
می دانستم معلوم شد کہ حصول پیوست و سؤل
ہزار سالہ اجابت قرین گشت الحمد للہ
الذی جعلنی صلۃ[۲] بین البحرین ومصلحا
بین الفئتین اکمل الحمد علی کل حال
والصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام و علی
اخوانہ الکرام من الانبیاء والملائکۃ
العظام (بعد از چند سطور) اے فرزند باوجود
این معاملہ کہ خلقت من مربوط بودہ ست
کارخانہ دیگر عظیم بمن فرمودہ اند۔ برائے
پیری و مریدی مرا نیاوردہ اند و مقصود از
خلقت من تکمیل و ارشاد خلق نیست معاملہ

صلوات و برکات کی درخواست جو حضرت ابراہیم
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوات و برکات کے مانند ہوں[۱]
اسی غرض سے ہوا (چند سطروں کے بعد) میں اپنی پیدائش
کا جو مقصد سمجھتا تھا معلوم ہوا کہ وہ حاصل ہوگیا اور ہزار
سالہ درخواست قبول ہوگئی کامل ترین تعریفیں ہیں
اللہ کے لئے ہر حال میں جس نے مجھکو دو سمندروں کا ملانے
والا بنایا اور دو جماعتوں میں صلح کرانے والا۔ اور
صلوٰۃ و سلام بہترین خلائق پر اور اُن کے اخوان
کرام یعنی انبیاء و ملائکۂ عظام پر (چند سطروں کے بعد)
فرزند من! باوجود اس بات کے جو میری پیدائش
سے مربوط ہے ایک دوسرا عظیم الشان کارخانہ میرے
حوالے کیا گیا ہے مجھ کو پیری و مریدی کے لئے نہیں پیدا
کیا گیا ہے۔ میری پیدائش کا مقصد تکمیل و ارشاد خلق
نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا معاملہ اور دوسرا کارخانہ ہے۔

---

[۱] اشارہ ہے اس درود شریف کی طرف جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اس درود میں دعا ہے کہ یا اللہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر جیسی صلوات و برکات نازل ہوئیں ویسی صلوات و برکات محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر نازل کر۔ [۲] علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں ایک پیشنگوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کی ہے

یکون فی امتی رجل یقال لہ صلۃ یدخل الجنۃ بشفاعتہ کذا و کذا۔

میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو صلہ کہا جائیگا اس کی شفاعت سے اس قدر لوگ جنت میں جائیں گے

خدا کی قدرت کہ یہی لفظ حضرت امام ربانی کے قلم سے اپنے لئے نکل گیا اس امت میں آپ سے پہلے کسی نے یہ لفظ اپنے لئے نہیں استعمال کیا۔ ان فی ذلک لآیات ۱۲

دیگر ست وکارخانہ دیگر درین ضمن ہر کہ مناسبت
دارد فیض خواہد گرفت والالا۔ معاملہ تکمیل
وارشاد نسبت بآن کارخانہ امرے ست
ہمچوں مطروح فی الطریق۔ دعوت انبیاء
علیہم الصلوات والتسلیمات نسبت بمعاملات
باطنیہ ایشان ہمیں حکم دارد۔ ہر چند منصب
نبوت ختم یافتہ ست اما از کمالات نبوت
وخصائص آن بطریق تبعیت ووراثت
کمل تابعان انبیاء را نصیب ست۔

اس ضمن میں جس شخص کو مناسبت ہوگی فیض حاصل ہوگا
ورنہ نہیں۔ اس کارخانۂ عظیم کے مقابلہ میں تکمیل و
ارشاد کا معاملہ راہ کی گری پڑی چیزوں کے مانند
ہے۔ انبیاء علیہم الصلوات والسلام کی دعوت
اُن کے معاملات باطنی کے مقابلہ میں یہی حکم رکھتی
ہے۔ ہر چند کہ منصب نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن انبیاء
کے متبعین کاملین کو بطور تبعیت و وراثت کمالات
وخصائص نبوت سے حصہ ملتا ہے۔

ان حالات کے ہوتے ہوئے کس کی ہمت ہو کہ لب کشائی کی جرأت کرے۔
لہذا سوا اس کے کوئی چارۂ کار نہیں کہ حضرت امام ربانی کے مرشد کامل حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ نے اور اُن کے بعد دوسرے اکابر نے جو کچھ آپ کے شان میں فرمایا ہے اس کے نقل کر دینے پر قناعت کی جائے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کتاب "کلمات طیبات" مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی میں درج ہیں جس زمانے میں حضرت امام ربانی اُن کی خدمت میں داخل سلسلہ ہوئے اپنے ایک مخلص کو لکھتے ہیں:۔

شیخ احمد نام مردے ست از سرہند کثیر العلم
قوی العمل روزے چند با فقیر نشست و
برخاست کردہ بسیار عجائب از روزگار اوقات
او مشاہدہ نمود بآن ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا
ازان روشن گردد الحمدللہ۔ احوال کاملہ او مرا

شیخ احمد نام کے ایک شخص ہیں جو سرہند کے رہنے
والے ہیں کثیر العلم وقوی العمل چند روز اس فقیر کی صحبت
میں رہے اور ان میں عجیب حالات وکمالات مشاہدہ
ہوئے جیسے ایک چراغ ہے جس سے سارا عالم روشن
ہو گیا الحمدللہ ان کے حالات کاملہ پر مجھکو یقین ہو۔ شخص

بیقین پیوستہ وایں شیخ شارٌ الیہ برادران
واقربا دارد ہمہ مردم صالح وازطبقۂ علماء
اند چندے را دعا گو ملازمت کردہ از جواہر
علویہ دانستہ استعداد ہائی عجیب دارند
فرزندان آن شیخ کہ اطفال اند اسرار الہی
اند بالجملہ شجرہ طیبہ اند انبتہا اللہ نباتاً حسنا
ونقرائی باب اشلاند ۔

مذکور کے کئی بھائی اور رشتہ دار ہیں سب مردان
صالح اور طبقۂ علماء سے ہیں ان لوگوں میں سے کچھ
لوگوں کو میں نے اپنی صحبت میں رکھا تو ان کو جواہرات
علویہ پایا یہ لوگ عجیب استعداد رکھتے ہیں شیخ مذکور کے
صاحبزادے جو ابھی کمسن بچے ہیں اسرار خداوندی ہیں
خلاصہ یہ کہ شجرہ طیبہ ہیں جس کو اللہ نے پیدا کیا اور
بہترین روئیدگی عطا فرمائی یہ لوگ خدا کے در کے فقرا ہیں ۔

نیز حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے ۔

شیخ احمد آفتابے ست کہ مثل ما ہزاران ستارہا
در سایۂ او گم اند مثل ایشاں دریں وقت
زیر فلک نیست و مثل ایشاں چند کس دریں
امت گذشتہ اند و ایشان دریں وقت
از کمل محبوبان اند ۔

شیخ احمد وہ آفتاب ہیں جس کی روشنی میں ہم جیسے
ہزاروں ستارے گم ہیں اس وقت ان جیسا اس
آسمان کے نیچے کوئی نہیں اور اس امت میں ان جیسے
لوگ بہت کم گذرے ہیں وہ اس زمانہ میں کاملین
محبوب الہی میں سے ہیں ۔

مجدد مائۃ ثالث عشر حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے مکاتیب شریفہ مطبوعہ مدراس
کے ص۱۰ میں ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی صاحب الطریقۃ
حضرت شیخ احمد فاروقی رضی اللہ عنہ طریقۂ
چشتیہ از پدر بزرگوار خود گرفتہ اند واز ارواح
طیبہ ایں سلسلہ علیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم
فیضہا واجازت وخلافت یافتہ ودر خوردی
بازنظر عنایت حضرت شاہ کمال قادری

صاحب الطریقہ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت
شیخ احمد فاروقی رضی اللہ عنہ نے طریقۂ چشتیہ اپنے
والد بزرگوار سے حاصل کیا اور اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں
کی ارواح طیبہ سے فیوض حاصل کئے اور اجازت و خلافت
پائی بچپن ہی میں حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہ
کی ان پر نظر عنایت تھی چنانچہ انھوں نے حضرت شاہ

قدس سرہ بودند و خرقۂ متبرک حضرت شاہ
کمال از دست شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہما
حضرت شاہ کمال بالباس آن ایشان را تاکیدات
فرمودہ پوشیدند واز ارواح مقدسۂ اکابر خاندان
قادریہ و روح پر فتوح حضرت غوث الثقلین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بہ فیوض و برکات و اجازت
و خلافت فائز شدہ و اجازت طریقۂ کبرویہ
از مولنٰا یعقوب صرفی کہ در خطۂ کشمیر کمالات
ایشان مشہور است دارند۔ اما نسبت حضرات
خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم
کہ از خواجۂ آفاق حضرت خواجہ باقی باللہ
یافتہ اند بحضرت ایشان غالب است و ذکر و
شغل و وضع و آداب ہمیں طریقہ معمول دارند
پس تحریر چہار شجرہ ضرورت برائے تبرک و
تیمن تا موجب برکت متوسلان این سلسلہ شود
و با وجود اخذ و کسب فیوض ہر چہار خاندان عالی
شان از جناب الٰہی بمواہب جلیلہ و عطایائے
جلیلہ سرفراز شدہ اند کہ عقل در ادراک آن
کمالات و حالات حیران است۔ حضرت خواجہ
رضی اللہ تعالےٰ عنہ در بارۂ حضرت ایشان فرمودہ
اند کہ ہم چول ایشان زیر فلک نیست و درین امت

۱۰۱ قادری کا خرقۂ تبرک حضرت شاہ سکندر رحمۃ اللہ
علیہ کے دست مبارک سے پہنا جس کے پہنانے کی تاکید
حضرت شاہ کمال نے شاہ سکندر کو فرمائی تھی حضرت
امام ربانی کو اکابر خاندان قادریہ کی ارواح طیبہ اور
حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح مبارک
سے فیوض و برکات اور اجازت و خلافت حاصل ہوئی۔
اور طریقہ کبرویہ کی اجازت مولنٰا یعقوب چلی صرفی سے
حاصل ہوئی جن کے کمالات خطۂ کشمیر میں مشہور ہیں لیکن
حضرت امام ربانی پر خواجگان نقشبندیہ کی نسبت، جو
اُن کو خواجۂ آفاق حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے حاصل
ہوئی تھی تمام نسبتوں سے زیادہ غالب ہے۔ اور اسی
طریقہ کے مطابق ذکر و شغل، آداب و وضع آپ کا
معمول تھا اس لئے آپ کے سلسلہ میں تبرک اور تیمن
کے لئے چاروں شجروں کا تحریر کرنا ضروری ہے تاکہ
اس سلسلہ (مجددیہ) کے متوسلین کے لئے باعث برکت
ہو۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے باوجودیکہ چاروں سلاسل
سے کسب فیض کیا ہے لیکن بارگاہ الٰہی سے (بلا واسطہ)
عظیم الشان نعمتیں اور جلیل القدر برکتیں عطا ہوئیں کہ
عقل ان کمالات و حالات کے ادراک میں متحیر ہے۔
حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے اُن کے بارے میں فرمایا ہے
کہ اُن جیسا بزرگ (اس زمانہ میں) زیرِ آسمان نہیں ہے

خل ایشان چند کس معلوم مے شود و معلومات	اور اس امت میں ان کے جیسے لوگ کم معلوم ہوتے
و مکشوفات ایشان ہمہ صحیح و قابل آن ست	ہیں۔ان کے معلومات و مکشوفات سب صحیح ہیں اور
کہ بنظر انبیا علیہم الصلوات و التسلیمات در اید	انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ حق بین کے لائق
واز مکاتیب شریفہ حضرت خواجہ قدس اللہ	ہیں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کا
سرہ العزیز کمال حضرت ایشان معلوم مے شود	حال حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ العزیز
ملا بدرالدین در حضرات القدس و محمد ہاشم	کے مکاتیب شریفہ سے معلوم ہوتا ہے۔حضرت کے
کشمی در برکات احمدیہ و محمد احسان در	مقامات، طاعات اور عبادات کو ملا بدرالدین نے
روضۃ القیومیہ و دیگر عزیزان مقامات و	حضرات القدس میں، محمد ہاشم کشمی نے برکات احمدیہ میں
طاعات و عبادات حضرت ایشاں مفصل	محمد احسان نے روضۃ القیومیہ میں نیز دوسرے لوگوں نے
تحریر نمودہ اند و حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ	مفصل تحریر کیا ہے۔اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ
علیہ بعد تحریر مناقب حضرت ایشان نوشتہ	علیہ نے اُن کے مناقب تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ
اند لا یحبّہ الا مومن تقی ولا یبغضہ	اُن سے وہی محبت رکھیگا جو مومن تقی ہو اور وہی
الا منافق شقی۔	بغض رکھے گا جو منافق شقی ہو۔

حضرت کی مجددیت حضرت کا مجدد الف ہونا بھی ایک بڑی چیز ہے آپ سے پہلے صدی کے مجددؒ ہوا کرتے تھے الف کا مجدد کوئی نہیں ہوا الف ثانی کا آغاز ہی نہ ہوا تھا۔ اور الف اول میں خود ذات اقدس و اطہر سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود تھی۔

لہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کسی کو نبوت ملنے والی نہیں لہذا آپ کی شریعت کے قیامت تک محفوظ رہنے کے انتظامات بھی قدرت کاملہ کی طرف سے پیش از پیش کئے گئے اور امت کو ان انتظامات سے بطور پیشینگوئی کے آگاہ کر کے مطمئن کر دیا گیا بعض اہم انتظامات کی خبر قرآن مجید میں ہو اور بعض کی احادیث صحیحہ میں چنانچہ ہر صدی میں مجدد کا ہونا بھی انھیں انتظامات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کا تذکرہ احادیث صحیحہ میں ہے سنن ابی داؤد میں اس حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں (باقی صفحہ آئندہ پر دیکھئے)

آپ سے پہلے جس قدر مجدد صدیوں کے گذرے ہیں کوئی مجدد دین کے تمام شعبوں کا مجدد نہیں ہوا بلکہ خاص خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک ایک وقت میں متعدد[1] مجدد نظر آتے ہیں، کوئی علم حدیث کا کوئی فقہ کا پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجدد ہے کوئی فقہ شافعی کا۔ کوئی علم کلام کا مجدد ہے اور کوئی سلوک و احسان[2] کا، لیکن یہ چیز اللہ تعالےٰ نے آپ ہی کے لئے مخصوص رکھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجدد ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ سے پہلے کے مجددین کو سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت خاص خاص چیزوں میں حاصل تھی اور آپ کو تمام چیزوں میں نیابت تامہ حاصل ہے وشتان ما بینہما۔

آپ سے پہلے کے مجددین کی خدمات کا اثر صرف ایک صدی کے لئے ہوتا تھا اور آپ کی مجددیت ایک ہزار سال کے لیے ہے۔

آپ کے سوا دوسرے مجددین کی مجددیت نہ معلوم امت کے کتنے لوگوں کے علم میں نہ آئی اور نہ معلوم کتنوں کی مختلف فیہ رہی، جو اختلاف کہ معاندانہ یا معاصرانہ ہو وہ تو قطعًا قابل لحاظ نہیں مگر جو اختلاف کہ شرائط مجددیت کے پائے جانے یا نہ پائے جانے کی وجہ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا اس حدیث کی شرح میں علمائے کرام نے مستقل تصانیف کی ہیں از انجملہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الفوائد الجمۃ فیمن یبعثہ اللہ لھذہ الامۃ قابل مطالعہ ہے ۱۲

[1] بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ایک صدی میں ایک ہی مجدد ہونا چاہئے مگر یہ بات صحیح نہیں جیساکہ تاریخی واقعات کے تتبع اور مولٰنا شاہ ولی اللہؒ جیسے محققین کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲۔ [2] آجکل جس چیز کو تصوف کہتے ہیں احادیث نبویہ میں اس کو احسان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ۱۲

ہو وہ بیشک قابل لحاظ[1] ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت امام ربانی کی مجددیت کو ان چیزوں سے بھی محفوظ رکھا آپ کی مجددیت کا تمام امت کو دنیا کے ہر گوشہ میں علم ہوا۔ اور جو لوگ اس معاملہ میں اہل حل وعقد ہو سکتے ہیں اُن سب نے آپ کی مجددیت کو تسلیم کر لیا۔ بلکہ جو لوگ بدعات کی محبت یا اپنے سرو بازاری کے خیال سے آپ سے دل میں عناد رکھتے تھے وہ بھی مجبور[2] ہوئے کہ زبان سے آپ کے مجدد ہونے کا اقرار کریں۔ جس طرح مذہب شیعہ کی بنیاد قرآن مجید کی عداوت پر ہے کوئی شیعہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کے دل میں قرآن مجید سے دشمنی اور نفرت نہ ہو مگر قرآن مجید کا رعب ہے کہ اپنے کو مسلمان کہنے کے بعد قرآن مجید سے دشمنی کا اظہار کرنے کی جرأت نہیں ہوتی بلکہ ضمیر کے خلاف زبان سے اقرار کئے بغیر مفر نہیں قریب قریب بفضلہ تعالےٰ وانعامہ یہی حالت حضرت امام ربانی کی ہے

آپ کی مجددیت کے بیان میں ایک مستقل اور بے نظیر کتاب تالیف ہو چکی ہے جس کا نام شواہد التجدیدیہ ہے جس کا ایک قلمی نسخہ بھوپال کی خانقاہ عالی جاہ مجددیہ میں موجود ہے۔

---

[1] مثلاً حضرت مولٰنا اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی اور ان کے مرشد حضرت سید احمد بریلوی کی مجددیت کہ حضرت مولٰنا عبدالحیؒ صاحب نے اس بنا پر اختلاف کیا کہ ان دونوں بزرگوں نے صدی کا آخر نہیں پایا اور مجدد کے لئے ضروری ہے کہ پہلی صدی کے آخر میں موجود ہو۔ حضرت ممدوح "تذکرۃ الراشد ص۱۲۱" میں لکھتے ہیں کہ ومن ھھنا حصحص ان ما اشتہر بین العوام بل الخواص کالعوام ان مولٰنا اسمٰعیل الشہید الدھلوی ومرشدہ السید البریلوی الذی کانت ولادتہ سنۃ احدی من المائۃ الثالثۃ عشر من مجددی المائۃ خال عن التحصیل لا یقولہ صاحب التکمیل ۱۲

[2] بعض منکرین کو غیب سے سزائیں بھی ملیں جیسا کہ سید برزنجی مدنی کے متعلق حضرت مولٰنا شاہ غلام علی صاحب نے حالات حضرت شہیدؒ کے ص۵۸ میں نقل فرمایا ہے کہ اس نے ایک رسالہ حضرت امام ربانیؒ کے رد میں لکھا تھا حضرت شیخ محمد فرخ نبیرہ حضرت امام ربانیؒ کی بددعا سے دریا میں ڈوب گیا سید برزنجی مذکور کے رسالہ مذکورہ کا رد حضرت مولٰنا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی نے لکھا ہے جس کا نام الکلام المنجی ہے جو مولوی وکیل احمد سکندرپوری کے نام سے طبع ہو گیا

مجدد کے لئے یہ کچھ ضروری نہیں کہ اس کو اپنے مجدد ہونے کا علم ہو مگر حضرت امام ربانیؒ کو اپنے مجدد ہونے کا علم علی وجہ الکمال تھا۔

مکتوب ۲۳۴ دفتر دوم حصہ ششم ص۲۳ میں کچھ معارف خاصہ بیان فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:۔

این معارف از حیطۂ ولایت خارج است ارباب ولایت در رنگ علمائی ظواہر در ادراک آں عاجز اند و در درک آن قاصر این علوم مقتبس از مشکوۃ انوار نبوت اند علی اربابہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کہ بعد از تجدید الف ثانی بہ تبعیت وراثت تازہ گشتہ اند و بطراوت ظہور یافتہ وصاحب این علوم و معارف مجدد این الف ست کما لا یخفیٰ علی الناظرین فی علومہ و معارفہ التی تتعلق بالذات والصفات والانعال و تتلبس بالاحوال والمواجید والتجلیات و الظہورات فیعلمون ان ہولاء والمعارف وراء علوم العلماء و وراء معارف الاولیاء بل علوم ہولاء بالنسبۃ الی تلک العلوم قشر و تلک المعارف لب ذلک القشر واللہ سبحانہ الہادی و بدانند کہ بر سر ہر مائۃ مجددے گذشتہ است اما مجدد مائۃ دیگر ست و مجدد الف دیگر چنانچہ

یہ معارف دائرۂ ولایت سے بالاتر ہیں، ان کے ادراک سے اصحاب ولایت بھی علمائے ظاہر کی طرح عاجز و قاصر ہیں۔ یہ علوم درحقیقت انوار نبوت کے مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں جن کی اس الف ثانی کے آغاز میں نیابۃً و وراثۃً تجدید ہوئی ہے اور اُن کو نئی تازگی ملی ہے جس شخص پر اللہ تعالیٰ نے یہ علوم و معارف ظاہر فرمائے وہ اس الف (دوسرے ہزارہ) کا مجدد ہے جیسا کہ اُن لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے جنھوں نے اس کے اُن علوم و معارف کا مطالعہ کیا ہے جو ذات و صفات اور افعال باری تعالیٰ سے تعلق ہیں یا جو احوال و جذبات اور تجلیات و ظہورات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ معارف علماء کے علوم اور اولیاء اللہ کے معارف سے ماوراء ہیں بلکہ علماء و اولیاء کے علوم ان علوم و معارف کے مقابلہ میں پوست کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا مغز یہی معارف مذکورہ ہیں۔ اللہ سبحانہ کی ذات ہی ہدایت کرنے والی ہے۔ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ہر

درمیان مائۃ والف فرق ست درمیان مجددین اینہا نیز ہماں قدر فرق ست بلکہ زیادہ ازاں ومجدد آن ست کہ ہرچہ دراں مدت از فیوض بامتان برسد بتوسط او برسد اگرچہ اقطاب واوتاد آن وقت بوند وبدلا ونجباء باشند خاص کند بندہ مصلحت عام را

صدی کے شروع میں ایک مجدد گذرا ہے لیکن صدی کا مجدد اور ہے، اور الف کا مجدد کچھ اور جو فرق سو اور ہزار میں ہے وہی فرق ان کے مجددوں میں بھی ہے بلکہ اس سے زیادہ، مجدد وہ شخص ہے کہ اس کے زمانہ میں امتوں کو جو فیض پہونچے اسی کے واسطے پہونچے اگرچہ وہ اس زمانہ کے اَقطاب واَوتاد اور ابدال ونُجَبا ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ بعض وقت اپنے کسی بندہ کو مصلحت عامہ کے لئے مخصوص کرلیتا ہے (اور اُسی کے ذریعہ سے فائدہ پہونچاتا ہے)

مجدد کی سب سے بڑی پہچان اُس کے کارنامے ہیں۔ حمایت دین اور اقامت سنت اور ازالہ بدعت میں اس کی خاص شان ہوتی ہے غیرمعمولی کوشش اس سے ظہور میں آتی ہے اور اس کی کوشش کا غیرمعمولی نتیجہ یعنی توقع سے بہت زائد نکلتا ہے۔

حضرت امام ربانی نے کیسی کیسی کوششیں مذکورۂ بالا دینی خدمات کے لئے کیں اور کیسا انہماک اور کیسا شغف آپ کو اس میں تھا مکتوبات قدسیہ کے دیکھنے سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے پھر ان کوششوں پر کیسے غیرمعمولی ثمرات توقعات سے بدرجہا زائد مرتب ہوئے اس پر عالم اسلامی کی تاریخ ماضی وحال شاہد عادل ہے۔

حضرت کی وفات حسرت آیات ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ ایک ہزار چونتیس میں بعمر ۶۳ سال مطابق عمر شریف نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اپنے وطن مبارک سرہند میں آپ نے وفات پائی قبر شریف آپ کی زیارت گاہ عالم ہے۔

وفات سے چند ماہ پہلے آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی عمر تریسٹھ برس کی معلوم ہوتی ہے اتباع سنت میں جس کو اتنا شغف ہو بے اختیاری چیزوں میں سنجانب

اللہ سنت کی مطابقت اس کو عطا ہوتی ہے۔

اپنی عمر کے آخری شعبان میں حسب معمول پندرھویں شب کو عبادت کے لئے خلوت خانہ میں تشریف لے گئے صبح کو جب گھر میں تشریف لے گئے تو بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ معلوم نہیں آج کس کس کا نام دفتر ہستی سے کاٹا گیا یہ سُن کر حضرت امام نے فرمایا کہ تم تو بطور شک کے کہہ رہی ہو کیا حال ہو گا اس شخص کا جس نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہو کہ اس کا نام دفتر ہستی سے محو کیا گیا۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد و ہدایت کا سب کام صاحبزادوں کے سپرد کر دیا اور اپنا تمام وقت قرآن مجید کی تلاوت اور اذکار و اشغال طریقت میں صرف فرمانے لگے۔ سوا نماز کے خلوت سے باہر تشریف نہ لاتے تھے نفل روزوں کی اور صدقات و خیرات کی بھی اس زمانہ میں بہت کثرت فرمائی۔

وسط ذی الحجہ میں حضرت کو ضیق النفس کی بیماری لاحق ہوئی اور تب محرقہ شروع ہوئی جو یومًا فیومًا ترقی کرتی گئی انھیں ایام میں ایک روز فرمایا کہ حضرت پیران پیر کو میں نے دیکھا بڑی مہربانی مجھ پر فرمائی۔

۱۲ محرم کو فرمایا کہ بس اب چالیس پچاس دن کے اندر اندر مجھکو اس عالم فانی سے سفر کرنا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بتاریخ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ ہجری تریسٹھ برس کی عمر میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

جس رات کی صبح کو آپ دنیا سے جانے والے تھے حسب معمول تہجد کی نماز کے لئے اُٹھے اور بڑے اطمینان سے وضو کر کے نماز پڑھی اور خدام سے فرمایا کہ تم لوگوں نے تیمارداری کی بہت تکلیف اُٹھائی اب آج یہ تکلیف ختم ہے۔ اخیر وقت میں ذکر اسم ذات کا بہت غلبہ تھا۔ ذکر کرتے کرتے روح مبارک رفیق اعلیٰ سے مل گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

نمازِ جنازہ حضرت کے فرزند ثانی حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور آپ اپنے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد صادق رحمہ اللہ کی قبر مبارک کے سامنے خاص شہر سرہند میں مدفون ہوئے ہیں، وہ جگہ ہے جس کے متعلق آپ نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے کہ میرے قلب کے انوار وہاں چمکتے ہیں۔

روضہ مبارک کی تعریف میں حضرت مولانا شاہ عبد الغنی مجددی محدث دہلوی مہاجر مدنی نے چند اشعار نظم فرمائے ہیں جو تبرکاً درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

ائے[1] خاک پاک روضۂ عبیری و عنبری	کاہل جہاں زبوئی تو مدہوش گشتہ اند
ساقی[2] نشاند بر تو خوش آبے کہ اہل دہر	عاقل بہ نشیت آمدہ مخمور رفتہ اند
سرے[3] ز خاک خلد تو داری کہ اہل ارض	یک نفحہ از تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند
نے[4] نے ترا ز تربت یثرب سرشتہ اند	پنہاں ز روم و شام بہ سرہند ہشتہ اند
این[5] خاک احمدی ست بنمات احد نگر	نے یک کہ صد ہزار ازیں خاک جستہ اند
اہلاً[6] و مرحبا بے زوار تو بسے	اقفال بعد بر رخ اعدات بستہ اند
یارب[7] مکن خلاص ازیں خاک درمرا	بدحال آن کساں کہ ازین خاک رستہ اند

---

[1] اے روضۂ مبارک کی خاک پاک تو وہ عبیر و عنبر ہے جس کی خوشبو سے سارا عالم مدہوش ہوگیا ہے۔ [2] تجھ پر ساقی نے ایسا نفیس پانی چھڑکا کہ جب دنیا والے آئے تھے تو باہوش و خرد تھے لیکن جب تیری زیارت کرکے واپس چلے تو مست و مدہوش تھے۔ [3] تجھ میں سرزمین جنت کا وہ راز پوشیدہ ہے کہ زمین والے تیری ایک ہلکی سی خوشبو پاکر آسمان پر ہو گئے۔ [4] نہیں، نہیں بلکہ تو خاک یثرب سے گوندھی گئی ہے اور شام و روم سے چھپاکر تجھکو سرہند میں رکھا گیا ہے۔ [5] یہ خاکِ احمدی ہے خدا کی قدرت دیکھو کہ ایک کو نہیں لاکھوں کو اس خاکِ در سے زندگی ملی۔ [6] تیری زیارت کو آنے والوں کے لئے ہر طرح خوش آمدید ہے لیکن تیرے دشمنوں کے سامنے قید و دوری کے قفل لگا دیئے گئے ہیں (تاکہ وہ نہ آسکیں)۔ [7] خداوندا تو مجھکو اس خاکِ در سے رہائی نہ دے۔ کیونکہ وہ لوگ بدنصیب ہیں جن کو اس خاکِ در کی غلامی سے رہائی مل گئی۔

شیرے[1] بخواب ناز بہ پہلوی دو شبل　　یارب چہ رازہاست کہ اینجا نہفتہ اند

تنہا غنی نہ نغمۂ مدح تو ساز کرد

کروبیان عرش ہمیں گونہ گفتہ اند

حضرت کے باقیات صالحات حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ تو دنیا سے تشریف لے گئے مگر باقیات صالحات کا ایک ایسا سلسلہ چھوڑ گئے جو انشاء اللہ تعالے قیامت تک قائم رہنے والا ہے اور جس قدر فیوض و برکات اس سلسلہ سے امت مرحومہ کو پہونچے اور پہونچ رہے ہیں سب کا ثواب آپ ہی کے اعمالنامہ میں ہے۔

باقیات صالحات کے سلسلہ میں صرف دو چیزوں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے وہ بھی بالاختصار۔

اوّل آپ کے ذریات طیبات اور آپ کے خلفا۔ دوم آپ کے مکتوبات قدسیہ ان دونوں چیزوں کے متعلق اگر مفصل حالات درج کئے جائیں تو ایک بڑا دفتر تیار ہو جائے۔

آپ کی ذریات طیبات کا یہ حال ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی ہی نظر میں ان کو پہچان لیا تھا اور اُن کو جواہر علویہ فرمایا تھا اور لکھا تھا کہ استعدادہائے عجیب دارند، اسرار الٰہی اند، شجرۂ طیبہ اند، فقرائی باب اللہ اند، دلہای عجیب دارند حضرت خواجہ کے یہ ارشادات اوپر منقول ہو چکے ہیں۔

حق تعالیٰ نے آپ کے چار فرزندوں کو عمر عطا فرمائی اور یہ چاروں ولی کامل و مکمل تھے۔

فرزند اول حضرت خواجہ محمد صادق جو حضرت امام ربانی کے سامنے ہی درجہ کمال پر پہونچکر وفات پا گئے۔ آپ کی وفات کا بڑا صدمہ حضرت کو ہوا، مکتوبات قدسیہ میں اس صدمہ کا اور آپ کے کمالات کا ذکر موجود ہے۔ ولادت آپکی ۱۰۰۰ھ وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ

---

[1] ایک شیر اپنے بچوں کے پہلو میں مشغول خواب ناز ہے۔ یارب اس میں کیا راز ہے کہ وہ یہاں پوشیدہ ہیں۔ صرف غنی ہی تیری مدح میں نغمہ سرا نہیں ہے بلکہ کروبیانِ عرش میں بھی باہم یہی گفتگو ہے۔

فرزند دوم حضرت خواجہ محمد سعید ملقب بخازن الرحمہ۔ ولادت آپ کی ۱۰۰۵ھ اور وفات ۲۷ر جمادی الآخرہ ۱۰۷۰ھ

فرزند سوم حضرت خواجہ محمد معصوم ملقب بہ عروۃ الوثقیٰ۔ طریقہ کی اشاعت آپ سے بہت زیادہ ہوئی دہلی کی مشہور عالم خانقاہ جو مرجع عرب و عجم تھی آپ ہی کے سلسلہ کی ہے۔ ولادت باسعادت ۱۰۰۷ھ اور وفات ۹ر ربیع الاول ۱۰۷۹ھ

فرزند چہارم حضرت خواجہ شاہ محمد یحییٰ۔ حضرت امام ربانی کی وفات کے وقت آپ کی عمر نو سال کی تھی۔ تحصیل علوم اور تکمیل طریقت اپنے بھائیوں سے کی۔ وفات ۱۰۹۶ھ۔

خدا کی رحمت کہ ان صاحبزادوں کو جس قدر اولاد حق تعالےٰ نے عطا فرمائی وہ بھی سب اولیاء اللہ۔ اور اب اس وقت ہندوستان کے اکثر مقامات میں اور حرمین شریفین میں آپ کی ذریت طیبہ کا سلسلہ موجود ہے۔ اور بفضلہ تعالےٰ ان میں صاحبان نسبت بھی ہیں۔

اب رہا سلسلہ آپ کے خلفا کا تو حقیقت حال یہ ہے کہ جو حضرات بلا واسطہ آپ کے خلفا ہیں ان کا صحیح شمار نہیں ہو سکا چہ جائیکہ بالواسطہ خلفا بھی ان میں شامل کر لئے جائیں بلا شبہ دنیا کے جس جس گوشہ میں مسلمان آباد تھے آپ کا سلسلہ بھی وہاں پہونچا اور پھیلا اور پھولا۔

دہلی کے عروج کے آخری دور میں آپ کے سلسلہ کے ایک عظیم الشان خلیفہ مجدد مأتہ ثالث عشر حضرت مولٰنا شیخ عبد اللہ المشتہر بہ غلام علی تھے انھیں کے نام سے دہلی کی خانقاہ مجددیہ آباد ہے آپ کے اور حضرت امام ربانی کے درمیان میں چار واسطے ہیں۔ آپ کی ذات بابرکات سے تو اس قدر فیض ہوا کہ بقول حضرت مولٰنا شاہ عبد الغنی محدث دہلوی شاید اگلے مشائخ میں کسی سے اس قدر فیض ہوا ہو۔

ہندوستان میں شاید ہی کوئی شہر ہو جہاں آپ کا کوئی خلیفہ نہو۔ صرف ایک شہر انبالہ میں پچاس خلفا آپ کے تھے۔

آپ ہی کے ایک خلیفہ حضرت مولٰنا خالد کردی تھے جن کے مناقب میں علامہ شامی نے

جن کی شرح درمختار پر آج مفتیان مذہب حنفی کے فتووں کی بنیاد ہے ایک مستقل رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام سل الحسام الهندی لنصرة مولینا خالد النقشبندی ہے یہ رسالہ مصر میں چھپ گیا ہے۔

علامہ شامیؒ نے رسالہ مذکورہ میں حضرت مولانا خالد کے علمی و عملی کمالات خوب تفصیل سے بیان فرمائے اور ۱۲۲۴ھ میں ان کا براہ ایران پورے ایک سال سفر کے بعد دہلی پہونچنا اور حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا اور ان کے دریائے فیض سے سیراب ہوکر اور قطب ارشاد بنکر اپنے وطن واپس ہونا اور وہاں مرجع خواص و عوام ہونا مفصل ذکر کیا ہے چند سطور ملاحظہ ہوں۔

ولیلة دخوله بلدة جهان آباد (دهلی) انشا	جس رات وہ شہر جہان آباد (دہلی) میں داخل ہوئے انھوں
قصیدته العربیة الطنانة من البحر الکامل	نے بحر کامل میں ایک مترنم عربی قصیدہ کہا جس میں واقعات
یذکر فیها وقائع السفر وتخلص الی مدح شیخه	سفر بیان کرنے کے بعد انھوں نے اپنے شیخ کی مدح کی طرف
مطلعها ؎	گریز کیا ہے۔ اس قصیدے کا مطلع یہ ہے کملت الخ یعنی کعبۂ
کملت مسافة کعبة الآمال	آرزو تک پہونچنے کی مسافت طے ہوگئی۔ شکر ہے اس ذات
حمدا لمن قد منّ بالاکمال	مقدس کا جس نے اس سفر کو اپنے تکمیل تک پہونچا کر احسان فرمایا۔
وهی طویلة وله غیرها من المقاطیع العربیه	یہ قصیدہ خاصا طویل ہے۔ علاوہ اس قصیدے کے ان کے
وفی الفارسیة قصائد[1] ومقاطیع کثیرة انتهی	عربی میں اور بھی اشعار ہیں۔ فارسی زبان میں[1] بھی ان کے

[1] حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی نے ایک قصیدہ فارسی انسٹھ شعر کا نقل کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے

خبر از من[2] دہید آن شاہ خوباں را بہ پنہانی ۔۔۔ کہ عالم زندہ شد بار دگر از ابر نیسانی

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

امام[3] اولیا سیاح بیدای خدا بینی ۔۔۔ ندیم کبریا سباح دریائے خدا دانی

رہین رہنمایان شمع جمع اولیای دین ۔۔۔ دلیل پیشوایان قبلۂ ایمان روحانی

چراغ آفرینش مہر برج دانش و بینش ۔۔۔ کلید گنج حکمت محرم اسرار سبحانی

امین قدس عبداللہ کہ از التفات او ۔۔۔ دہد سنگ سیہ خاصیت لعل بدخشانی

اور مقطع یہ ہے۔

زجام[4] فیض خود کن خالد دوماندہ را سیراب ۔۔۔ کہ او لب تشنہ مستغنی و تو دریائے احسانی

[2] میری طرف سے اس شاہ خوباں کو پوشیدہ طریقہ سے یہ خبر پہونچادو کہ اس ابر نیساں سے عالم دوبارہ زندہ ہو گیا۔

منها قصيدة غراء في مدح شيخه قدس سره ايضاً و
بعد وصوله تجرد ثانياً عما عنده من حوائج
السفر و النفقة كله على المستحقين ممن حضر
فاخذ الطريقة العلية النقشبندية بعمومها
وخصوصها ومفهومها ومنصوصها على شيخ
مشائخ الديار الهندية وارث المعارف
واسرار المجددية سباح بحار التوحيد سياح
قفار التجريد قطب الطرائق غوث الخلائق
معدن الحقائق منبع الحكم والاحسان والايقان
والدقائق العالم النحرير الفاضل والعلم المفرد الكامل
المتجرد عما سوى مولاه حضرة الشيخ عبد الله
الدهلوي ثم خاتمہ میں لکھتے ہیں ومن اراد الزيادة
على ذلك من اوصاف هذا الامام فليرجع الى
الكتاب الذي الفه فيه الامام الهمام خاتمة البلغاء عہ۴۰
ونادرة النبغاء والاوحد السند الشيخ عثمان السند
الذي سماه اصفى الموارد في ترجمة حضرة سيدنا
خالد فانه كتاب لم يحك بنيان البيان على عہ۴۰

بہت سے اشعار و قصائد ہیں جو اس وقت مجھکو یاد نہیں
ہیں منجملہ ان کے اپنے شیخ کی مدح میں اُن کا ایک بڑا
زوردار قصیدہ ہے۔ جب وہ اپنے شیخ کی خدمت میں پہنچے
تو انھوں نے دوبارہ تجرد اختیار کیا اور ضروریات سفر میں
سے جو سامان و نقد ان کے پاس باقی بچا تھا سب حاضرین
مستحقین میں تقسیم کر دیا اور ملک ہند کے شیخ المشائخ، رموز
و معارف مجددیہ کے وارث، بحار توحید کے شناور، میدان
درویشی و تجرد کے سیاح، قطب طرائق، غوث خلائق، معدن
حقائق .... منبع حکم و احسان، سرچشمۂ اسرار و
ایقان، عالم متبحر، فاضل یگانہ ماسوا اللہ سے بیگانہ حضرت
شیخ عبداللہ دہلوی سے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مع اپنے بلحاظ
عموم و خصوص، مفہوم و منصوص کے حاصل کیا (پھر خاتمہ میں
لکھتے ہیں) جو شخص اس امام عالیشان کے اوصاف اس سے
زیادہ جاننا چاہتا ہو وہ کتاب اصفی الموارد فی ترجمۃ
سیدنا خالد کا مطالعہ کرے جو امام ہمام شیخ عثمان السندی کی
تالیف خزانہ ہے کیونکہ یہ کتاب اپنے موضوع میں
بے مثل و بے مثال ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عہ ولیوں کے امام، میدان معرفت کے سیاح۔ اللہ کے مقرب اور بحر معرفت کے شناور۔ رہنماؤں کے
سردار، انجمن اولیاء کی شمع، پیشوایان دین کے رہبر اور بزرگان روحانی کے قبلۂ توجہ، کائنات عالم کے روشن چراغ، آسمان علم و
معرفت کے آفتاب، خزانۂ حکمت کی کنجی اور اسرار الٰہی کے محرم۔ عالَم قدس کے امین، یعنی حضرت شاہ عبداللہ جنکی نظر توجہ سے
سنگ سیاہ میں لعلِ بدخشاں کی خاصیت پیدا ہوتی ہے۔ عہ خالد درماندہ کو اپنے جام معرفت سے سیراب کیجئے اس لئے کہ
وہ تشنہ لب مستحق ہے اور آپ دریائے احسان ہیں۔

علامہ شامی اسی رسالہ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا انعام اہل شام کو دیا کہ اس امام ہمام کا محل و مقام ملک شام کو قرار دیا اور عوام و خواص علما و فضلا اور امرا و حکام و ارکان سلطنت کا مرجع و ملجا آپکی چوکھٹ کو بنایا حتی کہ سنہ ۱۲۴۲ھ میں سخت طاعون واقع ہوا جس میں آپ کے دو جوان فرزند راہی ملک بقا ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں کہ میں بغرض تعزیت حاضر خدمت ہوا تو میں نے ان کو خوش اور مسکراتا ہوا پایا اور مجھ سے فرمایا کہ میں اللہ تعالےٰ کا شکر کرتا ہوں کہ میرے قلب میں حمد اور رضا بہ نسبت استرجاع کے زیادہ ہے پھر میں نے عرض کیا کہ دو دن ہوئے میں نے ایک خواب دیکھا کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور میں ان کے جنازہ کی نماز میں شریک ہوں یہ خواب سُن کر فرمایا کہ میں حضرت عثمان کی اولاد میں ہوں گویا اس خواب کی تعبیر انھوں نے اپنے متعلق لی چنانچہ اس دن بعد نماز عشا انھوں نے اپنے مریدوں کو کچھ نصیحتیں کیں اور اپنا جانشین مقرر کیا پھر گھر میں تشریف لے گئے اسی شب کو طاعون میں مبتلا ہو کر شہادت پائی۔

حضرت مولنا شاہ عبد الغنی محدث دہلوی مہاجر مدنی اپنے رسالہ تذکرہ حضرت شاہ غلام علی صاحب میں ان کے خلفا کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :-

حضرت مولنا خالد شہر زوری کردی رحمۃ اللہ علیہ عالم نامدار بودند در ہر فن استعداد عجیب داشتند پنجاہ کتاب حدیث سند داشتند در علمائی ہندوستان فی الجملہ مدح حضرت شاہ عبد العزیز مے نمودند۔

حضرت مولانا خالد شہر زوری کردی رحمۃ اللہ علیہ نامآور عالم تھے، اُن کو ہر فن میں عجیب و غریب استعداد تھی اور حدیث کی پچاس کتابوں کی سند حاصل تھی ہندوستان کے علما میں صرف حضرت شاہ عبد العزیز صاحب[1] کی فی الجملہ تعریف

---

[1] جس زمانہ میں حضرت مولنا خالد دہلی تشریف لائے یہ ہی زمانہ ہے کہ حضرت مولنا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ دہلی میں رونق افروز تھے۔ مولنا خالد کی علمی شہرت سُن کر ملاقات کے لئے خانقاہ میں تشریف لائے مگر مولانا خالد سوا اوقات نماز کے اور حلقہ توجہ کے اپنے حجرہ کے اندر دروازہ بند کرکے بیٹھا کرتے تھے حضرت شاہ ابو سعید صاحب نے جا کر اطلاع کی کہ دہلی کے بہت بڑے عالم آپ سے ملنے آئے ہیں مولنا خالد نے فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب جس کام کے لئے میں آیا ہوں جب تک اس سے فراغت نہ ہو میں کسی سے نہیں مل سکتا بعد فراغت انشاء اللہ میں خود ان کی زیارت کرلوں گا ۱۲۔

اشعار فارسی و عربی شان در سلاسۃ نظم گوئی سبقت
از فردوسی و فرزدق بردہ بود حضرت ایشان اشعار
ایشان بعارف جامی نسبت مے فرمودند
قصائد عربی و فارسی کہ در مدح حضرت ایشان
نظم نمودند کم از منظومات خسرو و جامی کہ در مدح
سلطان المشائخ و خواجہ احرار نظم کردہ اند نتوان
گفت (بعد بفاصلہ چند سطور) حضرت بوقت
رخصت بشارت قطبیت ان دیار عنایت فرمودہ
بودند وقتیکہ آنجا رفتند ریاضتہائے بسیار کشیدند
ہجوم خلق چنداں شد کہ گویا سلطنت آں دیار
بایشاں تعلق یافت خلفای ایشاں و خلفای
خلفائے ایشاں ہزارہا کس شدہ باشند (بعد
حضرت مولنا خالد کا ایک خط اپنے والد ماجد حضرت
شاہ ابو سعید صاحب کے نام نقل فرمایا ہے
وہو ہذا) مرکز دائرۂ غربت و مہجوری خالد کردی
شہرزوری بعرض مقدس عالی مخدومی جناب
ابو سعید مجددی معصومی میرساند۔ اگرچہ بیمن ہمت
حضرت قبلہ عالم روحی فداہ فیوض خاندان عالیہ
آباء و اجداد کرام آن مخدوم عالی مقام کہ باین مقصر
گمنام رسیدہ است بروں از حیز تحریر و خارج از حوصلہ
تقریرست اما بفحوای مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ بمقام

کرتے تھے، ان کا فارسی و عربی کلام سلاست و روانی میں
فردوسی و فرزدق سے بڑھ چڑھ کر تھا، ان کے پیر طریقت
حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ ان کے اشعار کو عارف جامی کے
ہم پلہ فرماتے تھے، عربی و فارسی میں جو قصیدے انھوں نے
اپنے پیر طریقت کی شان میں ارشاد فرمائے ہیں وہ خسرو اور
جامی کے ان قصیدوں سے کم نہیں ہیں جو انھوں نے (اپنے
پیران طریقت) حضرت سلطان المشائخؒ اور حضرت خواجہ احرارؒ
کی مدح میں فرمائے ہیں (چند سطروں کے بعد) ان کے شیخ طریقت
نے روانگی کے وقت ان کو ملک شام کی قطبیت کی بشارت دی
جب حضرت مولنا موصوف اپنے وطن واپس پہونچے تو انھوں نے
بڑی ریاضتیں کیں، مخلوق خدا کا ان کی طرف اس قدر رجوع
ہوا کہ معلوم ہوتا تھا ان ممالک میں انھیں کی سلطنت ہے، ان کے
خلفاء اور ان کے خلفاء کے خلفاء کی تعداد ہزاروں ہو گی۔ (اردو
عبارات کے بعد) دائرۂ غربت و مہجوری کا مرکز خالد کردی جناب مخدومی
ابو سعید مجددی معصومی کی خدمت عالی و مقدس میں عرض پرداز
ہے کہ جناب مخدوم عالی مقام کے آبائے کرام کے خاندان عالیشان
سے جو فیوض و برکات حضرت قبلۂ عالم کی ہمت و توجہ کی برکت سے
اس عاجز و ناکام کو پہونچے ہیں وہ اگرچہ احاطۂ تحریر سے بالاتر
اور حوصلۂ بیان سے برتر ہیں لیکن اس مثل کے مطابق کہ مالا
یدرک کلہ لا یترک کلہ بطور شکر گذاری اتنا عرض کرتا
ہے کہ تمام مملکت روم و عرب اور حجاز و عراق اور بعض

شکر گزاری برآمد۔ عرض حضور مے نماید کہ یک قلم تمامی
مملکت روم و عربستان و دیار حجاز و بعضے از ممالک قلمرو
عجم و جمیع کردستان از جذبات و تاثیرات طریقہ علیا
سرشار و ذکر محامد حضرت امام ربانی مجدد و منور الف
ثانی قدسنا اللہ بسرہ السامی آناء اللیل و النہار در
محافل و مجالس و مساجد و مدارس زبان زد صغار و
کبار ست بنوعے کہ در ہیچ قرنے از قرون و ہیچ اقلیمے
از اقالیم سلطنتے نیست کہ گوش زمانہ نظیر ایں زمزمہ
راشنیدہ یا دیدہ فلک دوار ایں رغبت و اجتماع را
دیدہ باشد۔ ازانجا کہ شدت رغبت حضرت صاحب قبلہ
و آں قبلہ علوم خاطر حزیں ایں مہجور مسکیں بود بمقام
گستاخی برآمدہ فرح افزائے خاطر آں جناب و سائر
احباب شد ہر چند اظہار ایں گونہ امور صورت گستاخی
و خود بینی دارد و ایں فقیر از آں شرمندہ مے دارند۔ اما رعایت
جانب دوستاں را مقدم داشتہ بمقام بے ادبی آمدہ
دگرنہ نوشتن ایں امور ازیں نالائق بغض دور بود۔
وار جو انیکہ شافہۃً یا مراسلۃً حیا نکہ مقتضای شیمہ
کریمہ ست از ذکر جمیل ایں مسکین ذلیل در حضور حضرت
با فرو سعادت حضرت صاحب قبلہ کونین کوتاہی
نہ فرمایند و بای تقریب کہ ان مارا دراں آستان
کہ موقف بختیاران و راستان ست یاد نمایند

ممالک عجم اور سارا کردستان طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی
تاثیرات و جذبات سے سرشار ہے اور شب و روز تمام
محافل و مجالس میں مساجد و مدارس میں حضرت امام
ربانی مجدد و منور الف ثانی کے محاسن و محامد کا ذکر اس
طرح ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ہے کہ اس کا گمان نہیں
ہو سکتا کہ کبھی کسی ملک میں اور کسی وقت میں گوش
زمانہ نے ایسا زمزمہ سنا ہو یا چشم فلک نے ایسی رغبت
اور ایسا اجتماع دیکھا ہو۔ چونکہ اس مہجور و مسکین کو حضرت
صاحب قبلہ اور آنجناب کی بے انتہا خواہش معلوم تھی
اس لئے ایک گونہ گستاخی کرکے وہ حقیقت حال جو آپکے
لئے اور تمام احباب کے لئے موجب فرحت ہے تحریر
کر دی اگرچہ اس قسم کی باتوں کا اظہار ایک طرح کی گستاخی
و خود بینی ہے یہ فقیر اس پر شرمندہ ہے بعض دوستوں
کے حق کو مقدم جان کر اس بے ادبی کی جرأت کی ورنہ ایسی
باتیں تحریر کرنا اس نالائق سے بہت دور ہے۔ مجھے
امید ہے کہ جناب اپنی عادت کریمہ کے مطابق حضرت
صاحب قبلہ کے حضور میں بالمشافہ یا خط کے ذریعے
اس مسکین و ذلیل کا ذکر خیر کرنے سے کوتاہی نہ فرمائیں
گے اور جس طریقہ سے ممکن ہوگا مجھکو اس دربار میں
جو سعادتمندوں اور سچوں کا مرکز ہے یاد فرمائیں گے
اور خود بھی کبھی کبھی اپنی نیم نگاہی سے ہم بے نواؤں

وخونیز گاہ گاہے بہ نیم نگاہے زنگ قساوت — کے دل سے زنگ قساوت دور فرمائیں گے۔ اس کے

را از دل ہائے بے نوایان دور نمایند، دگر چہ — سوا کیا لکھوں۔ پیران کرام کی توجہ باطنی سے آپ

نویسد در پناہ ہیمن منعام در ضمن ہمت پیران — اس بڑے انعام کرنے والے اور حفاظت کرنے

کرام باشند بمنہ انتہی۔ — والے کی پناہ میں رہیں۔

یہ تو آپ کی ذریت اور آپ کے خلفا کا حال تھا اب آپ کے مکتوبات قدسیہ کے متعلق کیا لکھا جائے جس نے مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ کس قدر خدمت دین پاک کی کی گئی ہے اور ان مکتوبات قدسیہ کا مطالعہ مسلمانوں کے لئے کس قدر ضروری ہے۔

یہ آپ کی کھلی ہوئی کرامت ہے کہ ہر وقت کے مناسب ہدایات ان مکتوبات سے حاصل ہوتی ہیں۔ آجکل بدعت کا رواج زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ بدعت کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں ایک بدعت حسنہ دوسرے بدعت سیئہ۔ مکتوبات قدسیہ میں متعدد مکتوب اس کے متعلق ہیں جن میں آپ نے بڑی تحقیق سے اس کو بیان فرمایا ہے کہ بدعت ہرگز حسنہ نہیں ہوسکتی ہے۔

روافض کا آپ کے زمانہ میں کچھ زور ہو رہا تھا لہذا متعدد مکتوبات رد رفض میں موجود ہیں ابھی چندروز ہوئے یہ بحث نکلی کہ حضرت علی مرتضیٰ کو حضرت ابوبکر صدیق سے افضل کہنے والا بھی سُنّی ہوسکتا ہے کہ نہیں اس کے متعلق بھی آپ کا فیصلہ موجود ہے۔ دفتر اوّل حصّہ سوم صہ۹۴ مکتوب ۲۲۹ میں فرماتے ہیں:۔

کسیکہ حضرت امیر را افضل از حضرت صدیق — جو شخص حضرت امیرؓ کو حضرت صدیقؓ سے افضل کہتا ہے

گوید از جرگہ اہل سنت مے برآید — وہ اہل سنت سے خارج ہے۔

ایک زمانہ میں نماز تہجد کی جماعت کا جھگڑا نکلا اس کے متعلق بھی آپ کی مکتوبات میں ہدایت موجود ملی دفتر اول حصہ سوم صہ۵۳ مکتوب ۱۶۸ میں اپنے پیر کے پیرزادوں کو لکھتے ہیں کہ:۔

نماز تہجد را بہ جمعیت تمام ادا مے نمایند و ایں — (کچھ لوگ) نماز تہجد جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس

بدعت را در رنگ سنت تراویح در مساجد رواج	بدعت کو سنتِ تراویح کی طرح مساجد میں رونق ورواج
و رونق مے بخشند و ایں عمل را نیک مے دانند و	دیتے ہیں اور اس کو ایک اچھا کام سمجھتے ہیں اور
مردم را بران ترغیب مے کنند۔	دوسروں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں (حالانکہ بدعت ہے)

کچھ دن ہوئے سجدۂ تعظیمی کا غیر اللہ کے لئے جواز بڑے شد و مد سے شروع ہوا اس کا فیصلہ بھی آپ کے مکتوبات میں ہے: کہ سجدہ ہرگز غیر اللہ کے لئے جائز نہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالے نے مسجود الیہ فرشتوں کا بنایا تھا نہ مسجود لہٗ

جاہل صوفی کہا کرتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ شریعت پوست ہے اور طریقت مغز ہے اس کا رد بھی کما ینبغی آپ کے مکتوبات میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عجیب کمال مکتوبات قدسیہ میں ہو کہ ہر ضرورت اور ہر ظلمت میں اُن کی روشنی مشعل راہ بنتی ہے اور حقائق و معارف الیہ کے لئے قران کا بے نظیر ہونا گویا مسلّم الکل ہے۔

آپ کے مکتوبات قدسیہ کی طرف تمام دنیا کے مسلمان متوجہ ہوئے اور علمائے دین نے خوب خوب خدمتیں انجام دیں۔ چنانچہ علامہ محمد مراد مکی نے تمام مکتوبات کا ترجمہ عربی زبان میں کیا جو دمشق میں طبع ہوا اور ایک عالم نے مکتوبات شریفہ کے روایات کی تخریج کی جس کا نام تشیید المبانی ہے۔

ارادہ تھا کہ اس موقع پر چند مکتوبات شریفہ کے اقتباسات درج کئے جائیں اور انہیں کو خاتمہ کلام بنایا جائے مگر مضمون طویل ہوگیا اس لئے قلم کو روک لیا گیا۔

عمر بگذشت و حدیث دردِ ما آخر نشد[۱]!
شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

هذا آخر الكلام في هذا المقام وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين

---

[۱] عمر ختم ہوگئی ہے لیکن ہمارے دردِ محبت کا افسانہ ختم نہ ہوا۔ اب چونکہ رات ختم کے قریب ہو اس لئے میں اپنے افسانہ کو بھی مختصر کرتا ہوں۔

مکتوبات امام ربانیؒ کا تعارف

[حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب مدظلہ نے اپنے مقالہ کے آخر میں (جو گزشتہ صفحہ پر ختم ہوا ہے) امام ربانیؒ کے باقیات صالحات کے ذیل میں آپکے مکتوبات قدسیہ کا ذکر فرمایا ہے، ان مکتوبات کے بارہ میں کچھ تفصیلات مزید تعارف کے لئے ذیل میں درج کی جا رہی ہیں، —— یہ مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری کے مقالہ سے ماخوذ ہیں جو مجدد نمبر "الفرقان" میں شائع ہوا تھا۔]

امام ربانیؒ کے مکتوبات کے تین دفتر ہیں، سب سے بہتر اور دیدہ زیب اڈیشن وہ ہے جس کو خاص الخاص اہتمام سے مطبع مجددی امرتسر نے ۱۳۳۲ھ میں شائع کیا تھا! اس میں نہایت مفید حواشی بھی ہیں اور تصحیح کا بھی حق ادا کر دیا گیا ہے، یہ فلسکیپ سائز کے ۱۲۶۲ صفحات پر ختم ہوا ہے۔

دفتر اول۔ موسوم بہ **درالمعرفت** ہے اس میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں اس کے جامع خواجہ یار محمد جدید بدخشی طالقانی ہیں جو حضرت مجدد صاحب کے مرید ہیں۔ ان کے نام کے ساتھ "جدید" کا لفظ اس لئے لگا ہے کہ ایک اور صاحب بھی امام موصوف سے پہلے مرید ہو چکے تھے اتفاق سے ان کا نام بھی یار محمد تھا فرق کرنے کے لئے اُن کو "قدیم" کہتے تھے اور اُن کو جدید] دوسرے دفتر کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ جب حضرت امام نے سُنا کہ ۳۱۳ مکتوبات جمع ہو چکے ہیں تو ارشاد فرمایا کہ چونکہ ۳۱۳ کا عدد ایک مبارک عدد ہے کیونکہ حضرات پیغمبران مرسلین علیہم السلام کا بھی یہی عدد ہے اور حضرات صحابہ اہل بدر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عدد ہے اس لئے اس دفتر کو اسی مبارک عدد پر تیمناً ختم کر دو۔

دفتر دوم۔ موسوم بہ **نور الخلائق** ہے یہ تاریخی نام ہے اس سے ۱۰۱۹ھ نکلتا ہے

جو اس کے جمع کی تاریخ ہے اس میں کل ۹۹ مکتوبات ہیں اس کے جامع خواجہ عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ ابن خواجہ چاکر حصاری مرید حضرت مجدد صاحب ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ مخدوم زادہ یعنی شیخ مجدد الدین عرف خواجہ محمد معصوم (صاحبزادہ حضرت مجدد صاحب) کے حکم سے میں نے ان مکتوبات کو جمع کیا ہے۔ تیسرے دفتر کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "جب ۹۹ کے مبارک عدد کے برابر مکتوبات جمع ہوگئے تو دوسرے دفتر کو تبرکاً اس پر ختم کر دیا گیا کہ اسمائے حسنیٰ کا یہی عدد ہے۔"

دفتر سوم۔ موسوم بہ **معرفۃ الحقائق** ہے اس میں کل ۱۲۴ مکتوبات ہیں۔ اس کے جامع خواجہ محمد ہاشم مرید حضرت مجدد صاحبؒ ہیں انہوں نے ۱۰۳۱ھ میں حضرت امام کے پاس رہ کر ان مکتوبات کو جمع کیا جامع نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس میں سورہ ہائے قرآنی کے عدد کے موافق ۱۱۴ مکتوبات ہیں مگر ہیں دراصل اس میں ۱۲۴ مکتوبات مکتوب ۱۱۵ پر حاشیہ میں لکھا ہے کہ آگے کے نو مکتوبات "شاید بعد ازاں بعرض تسوید آمدہ باشد وملحق شدہ فافہم" اس طرح ۱۲۳ مکتوبات ہوئے۔ پھر مکتوب ۱۲۴ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ این مکتوب در بعضے نسخ خطیہ یافتہ شد فالحقناہ وجعلناہ خاتم المکاتیب حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نسبت بہ این مکتوب فرمودہ اند کہ آں مکتوب داخل جلد ہائے مکتوبات قدسی آیات نشدہ" غرض کل ۵۳۶ مکتوبات ہیں جن میں ۲۰ مکتوبات وہ ہیں جو حضرت مجدد صاحب نے اپنے پیر کو لکھے ہیں۔ دو یا تین مکتوبات اپنی کسی مریدہ عورت کو بہ عنوان بہ یکے از صالحات لکھے ہیں ایک خط سلطان وقت (غالباً سلطان نورالدین جہانگیر کو) ایک مکتوب ہردے رام کسی ہندو کو۔ بقیہ اپنے معاصرین، معتقدین و مریدین کو۔ ان میں سے اکثر مکتوبات کی حیثیت آج کی اصطلاح میں "مقالات" کی سی ہے بعض مکاتیب ایسے بھی ہیں کہ اگر کتابی سائز پر چھاپے جائیں تو کئی کئی جز میں آئینگے۔ (مکاتیب کے مضامین کی رفعت جامعیت اور افادیت اور تاثیر وطاقت کا اندازہ اُن کے ان اقتباسات سے پورا پورا لگایا جاسکتا ہے جن سے اس مجموعہ کے صفحے کے صفحے بھرے ہوئے ہیں۔)

حضرت مجدد الف ثانیؒ

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی نظر میں

[شیعوں کے رد میں امام ربانیؒ کا ایک رسالہ "ردالرفضۃ" ہے (جو مکتوبات کی آخری جلد کے ساتھ چھپا ہوا ہے) حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس رسالہ کی شرح لکھی ہے، جس کا کچھ حصہ قلمی جناب مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری (حال صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) کے پاس راقم سطور نے دیکھا ہے، شاہ صاحبؒ نے اس شرح کے شروع میں بڑے عقیدت مندانہ انداز میں امام ربانیؒ کا کچھ تعارف بھی کرایا ہے اور اس سلسلہ میں آپ کی تجدیدی خدمات اور مسلمانان ہند پر آپ کے احسانات کا بھی کچھ ذکر فرمایا ہے، الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر (۱۳۵۷ھ) میں جو مقالہ مفتی صاحب ممدوح کا شائع ہوا تھا اس میں شاہ صاحبؒ کی شرح رسالہ کے کچھ اقتباسات بھی درج کئے گئے تھے جو اس مقالہ کا اہم حصہ تھا، ذیل میں اس مقالہ کا وہ حصہ بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔ اس میں چند سطریں شاہ صاحبؒ کی شرح رسالہ سے زائد بھی ہیں لیکن وہ متمیز ہیں، بہرحال ہم اس مقالہ کے اس حصہ کو بلفظہ درج کرتے ہیں جس میں شرح رسالہ کے اقتباسات ہیں۔]

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ شرح رسالہ میں فرماتے ہیں:

وتولی السلطنۃ بعدہ ولدہ اکبر فتزندق وارتفعت رایۃ الجہل والضلال وتاب من کل اوب اہل الملل المختلفۃ والمذاہب الباطلۃ وعظمت الفتنۃ وتولی بعدہ ولدہ جہانگیر وکان مدمنا للخمر فرفعت الہنود رؤسہا ونصبت

الروافض رؤساها وضیعت الدیانات اھ۔

ہمایوں کے بعد جب اکبر تخت سلطنت پر بیٹھا تو زندیقیت اختیار کی۔ اور جہالت و گمراہی کے پھریرے اڑنے لگے۔ ہر طرف سے مختلف ملتوں اور باطل مذہبوں کے لوگ دوڑ پڑے اور عظیم فتنے پیدا ہو گئے۔ درباری آداب سجدہ تھا۔ درباریوں کی زبان پر "جل جلالہ اکبر شانہ" کے نغمے تھے۔ ہندو گردی۔ روافض کا زور۔ مسجدیں ویران۔ "الٰہی مذہب" کا رواج تھا اور ہندو مذہب کی رعایت اتنی کہ ابوالفضل جو بادشاہ کا وزیر ہے ایک کتاب بادشاہ کے پاس لیکر آتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کے عمل کے لیے فرشتہ ابھی آسمان سے لیکر اترا ہے۔ جس میں ایک ٹکڑا یہ بھی تھا:۔

یاایھا البشر لاتذبح البقر وان تذبح البقر فماواک السقر اھ۔

"دبستانِ مذاہب" میں الٰہی مذہب کی پوری تفصیل موجود ہے۔ شیخ عبدالنبی گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے علی الاعلان اکبر کا خلاف کیا جس کے صلہ میں اکبر نے ان کو قتل کر دیا وہ اکبر کو اکفر بھی فرماتے تھے۔

منھم الشیخ عبدالنبی الذی جاھر اکبر بالانکار فقتلہ وھو مصنف سنن الھدیٰ الخ (شرح رسالہ)

جہانگیر ماجن شرابی تھا۔ دیانتیں ضائع کر دی گئیں۔ ہندوں اور رافضیوں نے سر اٹھایا اور بیشمار کسے فتنے پیدا ہو گئے۔

ایسے زمانہ میں احکام اسلامیہ کی کیا قدر و منزلت اور ان پر کس طرح عمل ہوتا ہوگا۔ اس کا علم خدا ہی کو ہے انفرادی اور شخصی طاقتیں بادشاہی اور قہرانی قوتوں کے سامنے عاجز تھیں۔ ہندوستان کو اس وقت خدائی نصرت و امداد کی سخت ضرورت تھی۔ بجز غیبی امداد کے اور کوئی شئے اس وقت نافع نہ تھی۔ دنیا کو ایک ایسے مجدد دین کی ضرورت تھی جو سلطنت و حکومت کے

الحاد و زندقہ کو شکست فاش دیکر قانون ربانی اور احکام شرعیہ کی حکومت قائم کردے اور دنیا کی کایا پلٹ دے جس کے دل میں اسلامی درد تھا۔ اس کی تڑپ تھی وہ ایسے ہی باخدا اور جرأت وہمت والے کا منتظر اور اس کے لئے چشم براہ تھا آخر غیرت خداوندی نے بتاریخ ۱۴ شوال المکرم ۹۷۱ھ جمعہ کے دن اس شخص کو شہر سرہند میں پیدا کر دیا۔ جس سے آگے چل کر تجدید اسلام کا کام لینا تھا۔ جن کا نام نامی امام ربانی مجدد الف ثانی بدرالدین ابوالبرکات شیخ احمد بن عبدالاحد عمری فاروقی سرہندی ہے۔

قدرت کے کرشموں کے علل وحکم کی تہ تک کسی کو رسائی نہیں ہو سکتی اور اس کے رموز کو کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ اتفاق وقت کیسا عجیب ہے کہ جس طرح اکبری وجہانگیری دور میں مصائب وفتن مظلمہ کا جوش وخروش تھا۔ الحاد و زندقہ کی گرم بازاری تھی بشرکیں اور روافض کے رسوم وبدعات کا دور دورہ تھا۔ جس کا عشر عشیر بھی زمانہ سابق میں نہ تھا۔ اسی طرح دونوں عہدوں میں اولیاء کرام اور علماء ربانی کا اجتماع بھی ایسا تھا کہ اس سے قبل اس کی نظیر نہیں ملتی۔ شاہ صاحب نے شرح رسالہ میں اس کی تفصیل کی ہے۔ خاص دہلی میں اس وقت سید عبدالوہاب بخاری. شاہ محمد خیالی صاحب الریاضات العجیبہ، شیخ عبدالعزیز چشتی. خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی. شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم موجود تھے۔ ہر ایک ان میں کا صاحب کرامت اور صاحب تصانیف تھا اور اپنے اپنے فن کا امام۔

گنگوہ میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور اُن کی اولاد موجود تھی رحمہم اللہ تعالیٰ کہ ہر ایک ان میں کا یکتائے روزگار تھا۔ انھیں میں سے شیخ عبدالنبی گنگوہی تھے جن کو اکبر نے قتل کیا تھا۔

مولانا سید رفیع الدین اکبر آباد میں تھے جو اپنے زمانہ میں صالحین اور اہل علم کے ماوا وملجا تھے یہ وہی شیخ الحدیث ہیں کہ حافظ سخاوی نے ان سے حدیث کی پچاس کتابوں کی سند اجازت حاصل کی۔

اسی طرح امیر ابوالعلی علوی رحمہ اللہ بھی اکبر آباد میں موجود تھے جو طریقہ علویہ نقشبندیہ

کے زبردست شیخ تھے۔ گوالیار میں شاہ محمد غوث گوالیاری۔ نارنول میں شیخ نظام نارنولی اور سرہند میں مجدد الف ثانی رحمہم اللہ تعالیٰ تھے۔ یہ حال تو دہلی اور اس کے اطراف کا ہے کہ یہ حضرات اکابر جمع تھے ان کے علاوہ اطراف گجرات اور دکن میں اور علماء و اولیاء بڑے بڑے پائے کے حضرات موجود تھے۔ شرح رسالہ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں۔

ومن عجیب صنع اللہ انہ کما تراکم فی عہد ہذین من الفتن الدہماء مالم یرو لا معشار ہ فی عہد العہد ما وکذ لک لم یر مثل عہد ہما فی اجتماع الاولیاء اصحاب الآیات الظاہرۃ والکرامات الباہرۃ والعلماء اصحاب التصانیف المفیدۃ والتوالیف المجیدۃ کالسید عبد الوہاب البخاری الخ۔

یہ وہ حضرات ہیں جن کے ناموں سے برکت حاصل کی جاتی ہے اور جن کے ذکر سے رحمت خداوندی کے نزول کی امید کی جاتی ہے۔

ہولاء وغیرہم ممن یتبرک باسمہ ویرجی نزول الرحمۃ بذکرہ وہولاء من نواحی دہلی خاصۃ فضلا عمن کان فی گجرات و دکھن وغیرہما الخ (شرح رسالہ)

مجدد صاحب کا نسب ستائیس واسطوں سے خلیفۂ ثانی حضرت فاروق اعظم بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے چونکہ نسباً آپ فاروقی ہیں اس لیے آپ کی تجدید اور آپ کے ارشاد وتلقین کا دور دورہ اسی جاہ وجلال کے ساتھ تھا جو خلیفۂ ثانی فاروق اعظم رضی اللہ کی شان تھی۔ مجدد صاحب کا خاندان آبائی علم وفضل اور ارشاد وتلقین کے منصب پر فائز تھا۔

جواہر مجددیہ مؤلفہ مولوی محمد حسین خاں امروہی ثم حیدرآبادی میں اس کی پوری تفصیل ہے اس کو یہاں نقل کرنا طول عمل ہے۔ اسی رسالہ میں ہے کہ اکبر بادشاہ نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر معبروں نے یہ دی تھی کہ ایک صالح بزرگ کے ظہور سے آپ کے آئین سلطنت میں

تزلزل پیدا ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا صفحہ ۱۴

ستو سال کی عمر میں آپ تمام علوم و فنون اور حفظ قرآن وغیرہ سے فارغ ہو کر مسند درس و تدریس پر متمکن ہو گئے۔ نقشبندیہ خاندان میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خلیفہ قرار پائے۔ تمام خاندانوں سے آپ کو اجازت بیعت حاصل ہے۔ بڑے بڑے اولیا اور اکابر علما آپ کے حلقہ بگوش تھے۔ تمام عمر اتباع کتاب و سنت اور اس کی تبلیغ اور اجتناب بدعت اور اس کے مٹانے میں گذاری جس پر مکتوبات کے تین دفتر شاہد عادل ہیں۔ اور حضرت شاہ صاحب کا قول کافی جو شرح رسالہ میں ہے۔ اس رسالہ ہی کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

الرسالة التی انشاها اوحد زمانه وفرید آوانه الجهبذ الراسخ فی الشریعة والطریقة والطود الشامخ فی المعرفة والحقیقة ناصر السنة قامع البدعة سراج الله الموضوع یستضئ به من شاء من عباده المومنین وسیف الله المسلول علی اعدائه من الکفرة والمبتدعین الامام العارف العالم الالمعی مولانا الشیخ احمد الفاروقی الماتریدی الحنفی النقشبندی السرهندی جزاه الله سبحانه عن المسلمین خیر الجزاء واحله بحبوحة الخلد وبواه حظیرة الرضا الخ (شرح رسالہ)

اوحد زماں۔ فرید آواں۔ جہبذ۔ شریعت و طریقت میں راسخ۔ معرفت و حقیقت کے کوہ بلند۔ ناصر سنت۔ قامع بدعت، اللہ کا روشن چراغ جو عالم میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ مومن بندوں میں سے جو چاہے اس سے روشنی حاصل کرے۔ اللہ کے دشمنوں پر سیف مسلول۔ امام۔ عارف۔ عالم۔ المعی۔ مولانا شیخ احمد فاروقی ماتریدی حنفی نقشبندی سرہندی نے یہ رسالہ تصنیف

کیا ہے مسلمانوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور وسط جنت خلد اور خطیرۂ رضامندی میں ان کو جگہ دے۔

ایسے شخص کو قدرت نے مذکورۂ بادشاہوں کی سلطنت میں مجدد مقرر کیا تاکہ حکومت کی کایا پلٹ دے۔ جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ حضرت شیخ کو جہانگیر بادشاہ نے گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا تھا اور پھر آخر خود ہی پشیمان ہو کر رہائی کا حکم کیا۔ تیسرے دفتر کے بعض مکتوبات میں اس قید کی طرف مجمل اشارات ہیں۔ قید خانہ میں رہ کر بھی ارشاد و تلقین کا سلسلہ جاری رہا اور تمام قیدیوں کو باخدا بنا کر نکلے۔ جہانگیر کے دوبارے سجدہ تعظیمی کو موقوف کرایا۔ خلاف شریعت قوانین منسوخ کرائے۔ ذبیحہ گاؤ کو علی الاعلان جاری کرایا۔ کفار پر جزیہ مقرر کیا گیا۔ ویران اور منہدم مسجدیں آباد کرائیں اور قوانین شریعت کا نفاذ کرایا بالآخر جہانگیر نے توبہ کی اور مرید ہوا۔ شاہ صاحبؒ شرح رسالہ میں فرماتے ہیں۔

لله در الشیخ فان له مع ما اولاه الله فی نفسه من الصفات الحمیدة من الشهامة والنجابة وکثرة العلم وتوقد الذهن واستقامة العمل والغیرة فی الله ورسوله والکرامات الجلیلة۔ والمقامات الجزیلة ایادی فی رقاب اهل الهند ومن لم یشکر الناس لم یشکر الله اھ۔

شہامت۔ نجابت۔ کثرت علم۔ توقد ذہن۔ استقامت عمل۔ اللہ و رسول کے بارے میں دینی غیرت کرامات جلیلہ۔ اور مقامات کثیرہ وغیرہ صفات محمودہ کے علاوہ جو اس شیخ کے نفس قدسی صفت میں اللہ تعالیٰ نے رکھدی ہیں۔ اس کے بہت سے احسان اہل ہند کی گردنوں پر ہیں جن کا شکریہ ضروری ہے۔ اس لیے کہ جو شخص کہ لوگوں کا شکر ادا نہ کرے اللہ تعالیٰ کا شکر گذار نہ ہوگا۔ پھر شاہ صاحب نے احسانات شمار کرائے ہیں۔

(۱) مجدد صاحب ہی نے اطرافِ ہند میں نقشبندی طریقہ کو پھیلایا۔ اور خود آپ کے اور آپ کے اصحاب کے ذریعہ ایک خلقِ خدا مہذب ہو گئی۔

(۲) صوفیوں اور فقہا کے درمیان جو اختلاف تھا اس میں ایک مستقل فیصلہ کیا۔ جس سے اختلاف مٹ گیا اور یہ اس لئے کہ خود شیخ فقیہہ حنفی ماتریدی ہیں۔ اس کے ساتھ طریقہ نقشبندیہ کے لب لباب اور خلاصہ کو بھی ملا لیا اور اُن کی رسوم و عادات کو ترک کر دیا اور فریقین کے مقصود کا جامع باب کھول دیا اور توحید شہودی اور وجودی کے ایسے معنی بیان کئے جن پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ اور نہ اس میں کسی قسم کا اجمال باقی رہتا ہے اور لوگوں پر ظاہر کر دیا کہ سالکوں کو جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام اجزاء عالم میں واحد سرایت کئے ہوئے ہے یہ حقیقت سلوک کا شبح اور سلوک کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مغلق اور مشکل باتوں کو حل کر دیا۔

(۳) امراء کو عقائد باطلہ سے منع کرتے تھے۔ ان کو لکھا کرتے تھے کہ اپنی مجالس میں کسی رافضی یا ذمی کو نہ آنے دیں۔ عبادات و صدقات کی ان کو ترغیب دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مجدد صاحب کے ذریعہ ان امراء و حکام کو نفع پہونچایا اور ان حکام کے ذریعہ عام لوگوں کی اصلاح ہو گئی۔ قاعدہ ہے لوگ اپنے بادشاہوں کے طریق پر ہوتے ہیں۔

(۴) جب روافض کی بدعت ظاہر ہوئی۔ شیخ نے ان سے مناظرے کرنے شروع کر دیے اور ہمیشہ ان کو ساکت و صامت کر دیتے تھے۔ تا ایں کہ ان کا فساد مٹ گیا۔

(۵) مسلمانوں میں سے وہ ضعیف الاعتقاد جن کی طبیعتیں کتب فلاسفہ کے مطالعہ یا ہندوؤں کی صحبت سے فاسد ہو چکی تھیں۔ نئے نئے قول انھوں نے ایجاد کئے

اور کہنے لگے کہ ہم کو نبی کی حاجت نہیں۔ بندوں کو حرام و حلال کا مکلف کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اعتماد کے قابل ملکات ہیں، اعمال نہیں۔ وغیرہ ذلک۔ شیخ نے اس کے متعلق رسالہ لکھا اور ان کا رد کیا۔ اور مختلف مجلسوں میں ان لوگوں سے مناظرے۔ مباحثے کئے حتیٰ کہ ان کے اس الحاد کے فتنے کو مٹا دیا۔

اِن امور کی وجہ سے پھر تو شیخ کی یہ حالت ہو گئی کہ بجز مومن متقی کے اور کوئی ان سے محبت نہیں کرتا اور بجز فاجر شقی کے اور کوئی ان سے بغض و عداوت نہیں رکھتا تھا۔

نوابؔ صدّیق حسن خانصاحب کا خراجِ عقیدت

[نواب صاحب مرحوم باوجودیکہ مسلکاً "اہل حدیث" ہیں اور اپنے مسلک میں بڑے راسخ اور اس کے پرجوش داعی اور حضرت امام ربّانی رحمۃ اللہ علیہ ایک راسخ حنفی ہیں اور فقہ حنفی پر بڑا گہرا اعتماد و یقین رکھنے والے ایک صوفی، لیکن نواب صاحب مرحوم نے حضرت امام ربانی کے بارہ میں عقیدت کے جن جذبات کا اظہار کیا ہے اُن کا حق ہے کہ ان کو بھی اس "تذکرہ" کا جزو بنا دیا جائے۔ اپنی کتاب "تقصار جنود الاحرار" میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے متعلق نواب صاحب لکھتے ہیں۔]

عالم۔ عارف کامل مکمل بود۔ طریقہ نقشبندیہ را امام عہد ست۔
وبرائے صوفیہ در مسالک سلوک مجدد مکتوباتش در سہ مجلد ست
دلیل واضح اند بر علو علم وکمال تبحر او در معرفت وبلوغ غایت
مقامات۔ ترجمہ شریفہ او رسالہا ساختہ اند ایں موضع مختصر
ذکراں ہمہ کمالات رانمی تواند گنجید۔ حریص بود۔ بر اتباع سنت
وترک بدعت۔ وجود امثال شاہ ولی اللہ ومیرزا مظہر جان جاناں
در اصحاب طریقہ او کفایت است از برائے دریافت قدر ومنزلت
وے رضی اللہ عنہ وبالجملہ امام اہلسنت بود در عہد خود۔ وطریقہ علیہ
وے رحمہ اللہ مبنی بر اتباع کتاب وسنت ورظاہر وباطن ونہ
پذیرفتن چیزے کہ مخالف ایں ہر دو اصل محکم باشد۔ وایں مکتوبات
اصول عظیمہ است از برائے وصول بمنازل معرفت وقبول طالب
صادق وسالک راغب را در ہیچ وقت از اوقات از مطالعہ آں
بے نیازی حاصل نیست اھ ص $\frac{111}{112}$

ایک اور جگہ دوسری کتاب میں شیخ کے حالات میں نواب صاحب مرحوم لکھتے ہیں:۔

علو مرتبہ کشفہائے مجدد الف ثانی دریافت باید کرد کہ از سرچشمۂ صحو
سرزدہ وگاہے مخالف شرع نیفتادہ بلکہ بشتر را شرع مؤید است
وبعضے چناں است کہ شرع ازاں ساکت است ومرتبہ او در اولیاء
مثل مرتبۂ اولو العزم است در انبیاء اھ (ریاض المرتاض ص $\frac{121}{122}$)

یعنی عالم عارف کامل۔ مکمل تھے۔ اپنے زمانہ میں طریقہ نقشبندیہ کے امام تھے۔
صوفیوں کے لیے سلوک کے راستوں میں مجدد۔ معرفت خداوندی اور مقامات کی انتہا پر
پہونچنے میں جوان کو علو علم اور کمال تبحر حاصل تھا اس پر یہ مکتوبات شاہد اور دلیل

روشن ہیں۔ اتباع سنت اور ترک بدعت پر حریص تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہما جیسے حضرات کا اُن کے سلسلۂ طریق میں داخل ہونا ان کی قدر و منزلت معلوم کرنے کے لئے کافی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اپنے زمانہ میں اہلسنت والجماعت کے امام تھے۔ ظاہر و باطن میں ان کا طریقۂ عالیہ کتاب و سنت پر مبنی ہے اور جو چیز ان دونوں محکم اصول کے مخالف ہو وہ ان کے طریقہ میں مقبول نہیں۔ معرفت و قبول کی منزلوں پر پہونچنے کے لئے یہ مکتوبات اصول عظیمہ ہیں۔ طالب صادق اور سالک راغب کو کسی وقت مکتوبات کے مطالعہ سے بے نیازی حاصل نہیں۔

مجدد الف ثانی کے کشف کے مرتبۂ بلند کو اس سے معلوم کرنا چاہیئے کہ سب کشف چشمۂ ہوش سے سرزد ہوئے اور کبھی کوئی کشف شریعت کے مخالف نہوا بلکہ اکثر کی تو شریعت مؤید ہے اور بعض ایسے کشف ہیں کہ شریعت ان سے ساکت ہے۔ اولیاء کرام میں ان کا مرتبہ ایسا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں الوالعزم نبیوں کا مرتبہ۔

(نواب صاحب مرحوم کی یہ دونوں عبارتیں بھی حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری کے مقالہ سے ماخوذ ہیں۔ —— مرتب)

حضرت مجدد الف ثانیؒ

یورپ کی نظر میں

[مجدد نمبر (۱۳۵۷ھ) میں اس عنوان کے تحت چند سطریں مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی (مدیر صدق لکھنؤ) کی بھی شائع ہوئی تھیں وہ بھی یہاں پڑھ لی جائیں۔]

یورپ کی نظر میں حضرت مجددؒ کی اصل حیثیت مبلغ دین کی ہے ڈاکٹر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام میں ہے۔

شہنشاہ جہانگیر (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۸ء) کے عہد میں ایک سنی عالم شیخ احمد مجدد نامی تھے جو شیعی عقائد کی تردید میں خاص طور پر مشہور تھے۔ شیعوں کو اس وقت دربار میں رسوخ حاصل تھا۔ ان لوگوں نے کسی بہانہ سے انھیں قید کرا دیا۔ دو برس وہ قید میں رہے اور اس مدت میں انھوں نے اپنے رفقائے زنداں میں سے سیکڑوں بت پرستوں کو حلقہ بگوش بنا لیا۔ (صفحہ ۴۱۲ طبع ثالث)

اسی طرح انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (مذہب و اخلاقیات کی دائرۃ المعارف) میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں ہے۔

ہندوستان میں سترھویں صدی میں ایک عالم جن کا نام شیخ احمد مجدد تھا جو ناحق قید کر دیے گئے تھے اُن کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے قیدخانہ کے ساتھیوں میں سے کئی سو بت پرستوں کو مسلمان بنا لیا۔

(جلد ۸ صفحہ ۷۴۳)

باسمہٖ سبحانہ

تذکرۂ خلفائے مجدّدِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند | کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند | روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(مولنا جامی)

از جناب مولنا نسیم احمد صاحب فریدی فاروقی امروہی

ادارۂ الفرقان نے جبوقت مجدد الف ثانیؒ نمبر نکالنے کی تجویز طے کی اور یہ ارادہ عزم کے درجے میں آیا اس وقت حسن اتفاق سے میں بریلی آچکا تھا اور اس نمبر کی تیاری تک میرا قیام دفتر الفرقان ہی میں رہا۔ مدیر الفرقان مدظلہ العالی نے مجھکو بھی اس "بزم مسعود" میں شرکت کی دعوت دی ـــــــ اہل اللہ اور خاصکر حضرت امام ربانی عارف باللہ کا تذکرہ یقیناً بڑی سعادت ہے میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور بسلسلۂ تعمیل حکم غور کرنے لگا کہ حضرت ممدوح کے کس شعبۂ حیات پر لکھوں۔ دل میں آیا کہ براہ راست حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے متعلق تو دیگر حضرات اہل قلم روشنی ڈالیں گے ہی، میں آپ کے خلفائے باصفا کا کچھ تذکرہ سپرد قلم کردوں کہ بالواسطہ وہ بھی حضرتؒ ہی کا تذکرہ ہے،

جس طرح پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے اسی طرح شاگرد سے استاذ اور مرید سے شیخ کے حالات و کمالات کا صحیح صحیح اندازہ ہوجاتا ہے، بالفاظ دگر شاگرد و مرید اپنے استاد و پیر کے آئینے ہوتے ہیں جن میں انکے خط و خال صاف صاف

نظر آجاتے ہیں، اسی اصول پر قرآن مجید نے حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت و صداقت کے ثبوت میں آپ کے تلامذہ و مسترشدین یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احوال و اعمال کو بھی بطور شاہد کے پیش کیا ہے،

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم تراہم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ ورضوانا سیماہم فی وجوہہم من اثر السجود (الآیۃ)

بہر حال دل نے یہی فیصلہ کیا کہ حضرت شیخ سرہندیؒ کے خلفاء کے متعلق کچھ لکھوں تاکہ تعلیم و تربیت اور قوت تاثیر کی راہ سے بھی حضرت شیخؒ کے کمال کا کچھ اندازہ ہو سکے، اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ جس انسان کے ذریعہ اتنے نفوس کے اندر ایمان و عمل کی اتنی جگمگاہٹ اور نور عرفان کی ایسی چمک پیدا ہو گئی وہ خود کس قدر پُر نور و باکمال ہوگا۔

چونکہ مجھے صرف ایک "مجلاتی" مضمون لکھنا تھا اور صفحات محدود دیئے گئے تھے اور پھر حضرت کے تمام خلفاء مشہورین کے متعلق کچھ کچھ لکھنا ضروری تھا، اس لئے اختصار میرے لئے ناگزیر تھا۔ ورنہ خلفاء مجددیہ میں سے ہر ایک کے متعلق ایک مستقل کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

میرے مضمون کا زیادہ حصہ "زبدۃ المقامات" سے ماخوذ ہے کہیں کہیں دوسری کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور وہاں حوالہ دے دیا گیا ہے۔

خواجہ محمد صادقؒ: - آپ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے ہیں ۱۰۰۰ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے صدق وصفا کے آثار نمایاں تھے، ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی ۔۔۔ مے تافت ستارۂ بلندی

آپ کے جدا مجد حضرت شیخ عبدالاحدؒ نے آپ کو اپنی تعلیم و تربیت میں رکھا حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا یہ لڑکا مجھ سے حقائق و معارف کی ایسی ایسی عجیب باتیں دریافت کرتا ہے کہ ان کا جواب مشکل سے بن پڑتا ہے۔ جب حضرت ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کی خدمت میں پہنچے تو یہ صاحبزادے بھی ہمراہ تھے، اور یہ بھی حضرت خواجہؒ کی نظر قبولیت میں آکر ذکر، مراقبہ اور جذبہ و نسبت سے مشرف ہو گئے آپ کو باوجود صغر سنی کے وہ کمالات نصیب ہوئے کہ حضرت خواجہؒ آپ کو دیرینہ سال سالکوں کے مقابلے میں پیش فرماتے تھے، اور اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ یہ ہفت سالہ بچہ جس نے تھوڑے ہی عرصہ سے راہ سلوک میں قدم رکھا ہے بہت آگے نکل چکا ہے۔ اتنی سی عمر میں استغراق کا درجہ غلبہ تھا حتی کہ حضرت خواجہؒ نے تخفیف کی غرض سے آپ کو بازار کا کھانا کھلایا تاکہ اس کے اثر سے یہ زیادتی رفع ہو چنانچہ حضرت مجدد صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"خواجہ محمد صادق) آٹھ سال کی عمر میں اس قدر مغلوب حال ہو گئے تھے کہ ہمارے حضرت خواجہ صاحبؒ یہ کیفیت زائل کرنے کے لئے بازار کا کھانا جو کہ مشکوک و مشتبہ ہوتا ہے دیا کرتے تھے۔"

حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ "جس قدر مجھکو محمد صادق سے محبت ہے اور کسی سے نہیں اور انھیں بھی جتنی مجھ سے محبت ہے کسی سے نہیں۔"

اسی عمر میں کشف قبور کا یہ عالم تھا کہ حضرت خواجہ ان کے کشف پر اعتماد فرماتے تھے اور ان کو مقبروں میں اپنے ساتھ لیجاتے تھے۔"

حضرت خواجہ نے جس جماعت کو تربیت باطنی کے لئے حضرت مجددؒ کے سپرد فرمایا تھا، اس میں یہ مخدوم زادہ بھی تھے اور تمام جماعت میں بہتر تھے، بعدہٗ اپنے والد ماجد کے فیض تربیت سے مرتبہ کمال و اکمال کو پہونچے اور الولد سر لابیہ کے پورے پورے مصداق ثابت ہوئے، سب سے زیادہ تعجب انگیز یہ چیز ہے کہ صغر سنی سے ہی اس غلبہ کے باوجود دینی

تعلیم سے بھی فراغت حاصل کی اور علوم نقلیہ وعقلیہ میں ماہر ہوئے، بعد حصول علم، تعلیم وتدریس میں بھی مشغول رہے۔

افسوس کہ عمر بہت کم پائی یعنی ۲۴ رسال کی عمر میں عالم فانی سے رحلت فرماگئے، ان کی وفات کے بعد حضرت ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں۔

"فرزند مرحوم (خواجہ محمد صادق) اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی اور رحمت تھے، چوبیس سال کی عمر میں وہ کچھ پایا کہ بہت کم لوگوں نے پایا ہوگا علوم نقلیہ وعقلیہ کے درس وتدریس کو بحد کمال پہونچا دیا تھا حتی کہ اس کے شاگرد بیضاوی وشرح مواقف اور اسی قسم کی انتہائی کتابیں پڑھاتے ہیں"

عقلی ونقلی مسائل علمیہ میں آپ کی قوۃ مدرکہ کا یہ حال تھا کہ شیراز کے ایک زبردست معقولی فاضل سے اپنے ذہن خداداد کا لوہا منوالیا تھا، فنا کے آثار اور عیش دنیا سے عدم تعلق کا اظہار، آپ کے چہرہ سے ہوتا تھا بلکہ اس کیفیت کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا تھا، چنانچہ بعض روٗسا آپ کی مجلس میں پہونچنے کے بعد کہا کرتے تھے کہ جیسے ہی ہم اس جوان کو دیکھتے ہیں ہمارا دل دنیا سے سرد ہو جاتا ہے، ایک درویش کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن اپنے ایک ہمسایہ کے متعلق صاحبزادہ مذکور کے سامنے زبان شکایت کھولی اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو تنبیہہ فرمادیں تو اچھا ہو، مخدوم زادہ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ اے شخص! اگر ہم بھی دشمنی کا راستہ اختیار کریں تو ہم میں اور اہل رسم میں کیا فرق رہے گا۔ ان درویش کا بیان ہے کہ یہ بات زبان مبارک سے کچھ اس تاثیر کے ساتھ ادا فرمائی کہ میں اس گزارش وشکایت پر پشیمان ونادم ہوا اور ہمسایوں کی طرف سے دل میں جو کینہ تھا وہ جاتا رہا۔

حضرت نے مکتوبات شریفہ میں آپ کی مدح میں بہت سے کلمات تحریر فرمائے ہیں، ایک جگہ آپ نے **"معارف کا مجموعہ"** تحریر فرمایا ہے، ایک مقام پر "نسخہ مقامات جذبہ وسلوک"

قرار دیا ہے۔ مکتوب ۲۲۱ دفتر اول میں آپ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

—— اس فقیر (خود حضرت مجددؒ) نے ولایت موسوی سے جو کچھ استفادہ کیا ہے وہ اجمالی ہے اور میرے بڑے لڑکے (خواجہ محمد صادقؒ) کا استفادہ تفصیلی ہے، یوں سمجھو کہ فقیر ولایت موسوی سے مومن آل فرعون (جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے) کی طرح مستفید ہے اور فرزند علیہ الرحمہ ولایت موسوی سے ساحرین فرعون کی مانند مستفید ہے جو ایمان لے آئے تھے (اور جن کا مشاہدہ مومن آل فرعون کے مقابلہ میں تفصیلی تھا)

حضرت مخدوم زادہ کا وصال سرہند شریف ہی میں بعارضہ طاعون بتاریخ ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ بروز دوشنبہ واقع ہوا۔ "دوشنبہ نہم ربیع الاول ۱۰۲۵ھ" ان الفاظ سے بھی تاریخ وفات نکل آتی ہے۔

خواجہ محمد سعیدؒ: آپ ۱۵ شعبان ۱۰۰۵ھ میں پیدا ہوئے آپ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح بچپن ہی سے صلاح و تقویٰ کا پیکر تھے خود حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ محمد سعید چار پانچ سال کے تھے کہ بیمار ہوئے غلبہ ضعف کے عالم میں ان سے دریافت کیا کہ بیٹا! کیا چاہتے ہو؟ بے اختیار جواب دیا حضرت خواجہ (محمد باقی باللہ) کو چاہتا ہوں۔ میں نے ان کے یہ کلمات حضرت خواجہؒ کو لکھ بھیجے حضرت قدس سرہ نے جواب دیا کہ تمہارے محمد سعید نے ہماری نسبت غائبانہ طور پر اچک لی حضرت خواجہؒ نے حضرتؒ کے صاحبزادوں کے متعلق اپنے ایک مرید کو یہ کلمات تحریر فرمائے ہیں۔

فرزندان ایشاں کہ اطفال اند اسرار الٰہی اند استعدادہائے عجب دارند یا کجملہ شجرہ طیبہ اند انبتھا اللہ نباتا حسنا۔	ان کے (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے تمام فرزند اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں اور عجیب استعداد رکھتے ہیں مختصر یہ کہ شجرہ طیبہ ہیں اللہ تعالیٰ پروان چڑھائے۔

آپ جب سن تمیز کو پہونچے علوم ظاہریہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے کچھ تعلیم اپنے والد بزرگوار سے کچھ اپنے بڑے بھائی سے اور کچھ شیخ طاہر لاہوری سے حاصل کی حتیٰ کہ تمام علوم

عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ حاصل کرلی اور تحصیل علم کے زمانے میں ہی حضرتؒ کی توجہ سے طائفہ علیہ نقشبندیہ کی نسبت سے مشرف ہوئے، ۱۸ سال کی عمر سے درس دینا شروع کیا اور معقول ومنقول کی مشکل کتابیں پوری قابلیت سے پڑھائیں اور بعض کتابوں پر حاشیے بھی لکھے انہیں میں سے تعلیقات مشکوٰۃ المصابیح بھی ہے، فقہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، اور مشکل سے مشکل مسائل کو معمولی توجہ سے حل فرماتے تھے، ایک موقعہ پر سجدہ تحیۃ کے جواز و عدم جواز پر مناظرہ ہوا اس مناظرہ میں ایک طرف اس زمانہ کے بہت سے مولوی صاحبان تھے اور دوسری طرف آپ اور آپ کے چھوٹے بھائی خواجہ محمد معصومؒ دونوں بھائیوں نے اپنی قوت علمیہ کے وہ جوہر دکھلائے کہ اہل علم متحیر اور حاضرین مجلس ششدر رہ گئے، صاحب زبدۃ المقامات فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرتؒ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب محمد صادق علیہ الرحمۃ کا انتقال ہوگیا تو مجھے رنج تھا کہ ایسا جامع ظاہر وباطن فرزند جدا ہوگیا۔

الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے یہ دونوں بھائی اپنے بڑے بھائی کے قائم مقام کردیئے ان دونوں بھائیوں پر حضرتؒ کی خاص نظر عنایت تھی اور حق تعالیٰ نے ان کو نسبتہائے بلند اور احوال ارجمند سے نوازا تھا اور یہ دونوں حضرت کے علوم ومعارف کے حامل اور اسرار ورموز کے وارث تھے۔ صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ ایک سفر میں یہ دونوں مخدوم زادے حضرت کے ساتھ نہیں تھے اور کسی ضرورت سے سرہند میں رہ گئے تھے۔ میں حضرت کے ساتھ تھا، میں دیکھتا تھا کہ جب کوئی "معرفت" حضرت کے قلب پر وارد ہوتی تھی اس وقت حضرت دونوں فرزندوں کو بشوق تمام یاد فرماتے تھے۔

آپ کی وفات ۱۸ ربیع الاول سنہ ۱۰۲۵ھ میں ہوئی مزار مبارک سرہند میں ہے۔

عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصومؒ[1]: آپ حضرت کے فرزند ثالث ہیں آپ کی ولادت

[1] ان تین صاحبزادوں کے علاوہ حضرت کے چار صاحبزادے شیخ محمد فرخؒ، شیخ محمد عیسیٰؒ، شیخ محمد اشرفؒ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

باسعادت ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ میں ہوئی اسی سال حضرتؒ کو حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کی خدمت میں پہونچنے کا شرف حاصل ہوا، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ "محمد معصوم کی ولادت ہمارے لئے بہت مبارک ثابت ہوئی کہ اس کی ولادت کے چند مہینے بعد حضرت خواجہؒ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا اور وہاں جو کچھ دیکھا وہ دیکھا" حضرتؒ نے ایک مقام پر آپ کو "محمدی المشرب" تحریر فرمایا ہے اور ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں :-

از فرزندے محمد معصوم چہ نویسید کہ وے بالذات قابل ایں دولت است یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ۔

اپنے فرزند محمد معصوم کے متعلق کیا لکھوں وہ تو بالذات اس دولت یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی استعداد رکھتے ہیں۔

استعداد کی بلندی بچپن ہی سے آشکارا ہو چلی تھی۔

خود حضرتؒ نے بچپن میں ان کی اس استعداد کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا کہ "اس راستے میں فیضان الٰہی کے لحاظ سے بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے مساوی ہیں ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم"

اسی استعداد کی وجہ سے حضرت کی نظر عنایت خاص طور پر ان کی شامل حال رہتی تھی، اور آپ ظہور کمالات کے منتظر تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ چونکہ علم مبدء حال ہے اس لئے اس کے حاصل کئے بغیر چارہ نہیں اسی وجہ سے علم معقول و منقول کو حاصل کرنے کی تاکید اور کتب دقیقہ علمیہ کا صفحہ صفحہ اور ورق ورق پڑھنے کا حکم فرما کر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

بابا! زود از تحصیل این علوم فارغ شوید کہ مارا باشما کارہائے عظیم است۔

بیٹا ان علوم کی تحصیل سے جلد فارغ ہو جاؤ ہم کو تم سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) اور شاہ محمد یحییٰؒ اور تھے جنمیں اول الذکر دو بچپن میں اور محمد اشرف حالت شیر خوارگی میں فوت ہو گئے، اور آخر الذکر (شاہ محمد یحییٰ) حضرتؒ کی وفات کے وقت کم سن تھے اس لئے خلفاء کے تذکرہ میں تین ہی صاحبزادوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ صاحبزادوں کے علاوہ حضرتؒ کی تین صاحبزادیاں تھیں ۱۲

چنانچہ توجہ مبارک کے اثر سے آپ بھی اپنے بڑے بھائیوں کی طرح ۱۶ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہوگئے اگرچہ تعلیم کے زمانے میں بھی باطن کی طرف توجہ رکھتے تھے لیکن فراغت تعلیم کے بعد ہمہ تن ادھر ہی متوجہ ہوگئے۔ ایک دفعہ حضرت نے آپ کو ایک خواب کی تعبیر کے سلسلے میں یہ بشارت دی۔

تو قطب وقت میشوی و ایں سخن را از من یاد دار	تم اپنے وقت کے قطب ہوگے اور یہ میری بات یاد رکھو۔

صاحب زبدۃ المقامات فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرتؒ کو زبان مبارک سے یہ فرماتے سُنا ہے۔

اقتباس محمد معصوم نسبتہائے مارا یوماً فیوماً بصاحب شرح وقایہ می ماند در حفظ تعلیم وقایہ از جد بجد گوارش۔	محمد معصوم کا ہماری نسبتوں کو یوماً فیوماً اقتباس کرنا ایسا ہے جیسا کہ صاحب وقایہ کا اپنے دادا سے تعلیم وقایہ کا حفظ کرنا (جیسا کہ کتاب مذکور کے دیباچے سے واضح ہے)

آپ کو اپنے پدر بزرگوار کے اسرار و معارف سے بہت زیادہ آگاہی حاصل تھی آپ کے ان مکاتیب کے مطالعہ سے جو آپ نے وقتاً فوقتاً حضرت کی خدمت میں ارسال کئے ہیں۔ آپ کے کمالات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو آپ نے وصال فرمایا، مزار مبارک سرہند ہی میں ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا سلسلہ دو واسطوں سے آپ تک پہونچتا ہے اور آج کرۂ ارضی پر بسنے والے لاکھوں نفوس فقط آپ کے واسطے سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے فیض باطن حاصل کر رہے ہیں، دیگر خلفاء کے مستفیضین کا تو شمار ہی کون کر سکتا ہے۔

میر محمد نعمان کشمیریؒ :- آپ کے والد کا اسم مبارک سید شمس الدین یحییٰ تھا، میر بزرگ کے نام سے مشہور تھے اور مشاہیر بدخشاں و ماوراء النہر میں شمار کئے جاتے تھے۔ جعفر و کبیر

میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ مولد مسکن اور مدفن کشم ہے (جو کہ بدخشاں کے مضافات میں سے ہے) ـــــ ۹۹۴ھ ہجری میں وفات پائی۔

میر بزرگ کے والد ماجد امیر جلال الدین اور ان کے والد سید حمید الدین بھی صاحب صلاح وتقویٰ بزرگ اور مشہور ومعروف عالم تھے۔ میر محمد نعمانؒ کی ولادت باسعادت سمرقند کے اندر ۹۷۷ھ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ تمہارے ایک فرزند سعادت مند پیدا ہوگا اس کا نام ہمارے نام پر (نعمان) رکھنا۔ چنانچہ آپ کا یہی نام رکھا گیا، آپ میں بچپن ہی سے درویشی کے آثار نمایاں تھے۔ فقراء ومشائخ کی خدمت میں جا کر ان کے مراقبات سے آگاہی حاصل کرتے تھے، آغاز شباب میں عارف آگاہ امیر عبید اللہ بلخی عشقیؒ کے پاس بلخ پہونچے، بعدہٗ ہندوستان تشریف لائے، اور یہاں پر بھی وفور شوق میں بعض درویشوں سے اذکار کی تعلیم حاصل کی حتیٰ کہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندیؒ کی خدمت میں دہلی آئے اور ان کے الطاف بے پایاں کو دیکھ کر طریقہ نقشبندیہ میں منسلک اور اس نعمت سے مشرف ہوئے۔ آپ کے ہمراہ فرزندوں اور رشتہ داروں کی ایک کثیر تعداد تھی اور ان کے ساتھ فقر و فاقہ میں بسر کرتے تھے اور باایں ہمہ حصول دولت سرمدی کی امید میں خوش دل اور مسرور رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مخلص امیر نے حضرت خواجہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضور کی خانقاہ کے فقراء تنگی سے بسر کرتے ہیں اگر حکم ہو تو ہر ایک درویش کا یومیہ مقرر کر کے سعادت اندوز ہونے کا شرف حاصل کر دوں، حضرت خواجہؒ نے اپنے چند مریدوں کے نام اس کار خیر کے لئے تجویز فرمائے، ایک شخص نے عرض کیا کہ میر محمد نعمان بھی مفلس اور کثیر العیال ہیں۔ ان کا بھی یومیہ مقرر ہو جائے حضرت خواجہؒ ان کے لئے راضی نہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ لوگ ہمارے جزو بدن ہیں ہم اپنے جزو بدن کو اس چیز سے مستثنیٰ کرتے ہیں، میر صاحب نے یہ بات سُنی تو باوجود فاقوں میں مبتلا ہونے کے ان پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور بہت سی

امیدیں زندہ ہوگئیں،

میر صاحبؒ کو حضرت خواجہ صاحبؒ کے مرض الموت میں ایک رات خدمت گاری کا پورا موقع ملا اس رات حضرت خواجہ نے ان پر ایک نظر ڈالی اس نگاہ خاص کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد جو کام بھی آپ کرتے تھے اس کے متعلق یہ سوچتے تھے کہ آیا اس میں رضائے خداوندی ہے یا نہیں؛ حتیٰ کہ قدم بھی اُٹھاتے تو دل میں کہتے تھے کہ یہ قدم حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق تھا یا نہیں؟

حضرت خواجہؒ نے جب حضرت مجدد الف ثانیؒ کو بیعت وارشاد کی اجازت دی اور اپنی حیات ہی میں اپنے تمام اصحاب کو آپ کے سپرد کیا اور ان سب کی تربیت کا آپ کو متکفل بنایا اس وقت اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے کہ ان کے سامنے ہماری تعظیم نہ کیا کرو بلکہ توجہ بھی ہماری جانب نہ کرو، چنانچہ میر محمد نعمان سے بھی فرمایا کہ ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھنا انھوں نے ادب سے عرض کیا کہ ہمارا قبلۂ توجہ تو حضور ہی کی درگاہ ہے بزرگ وہ بھی ہوں گے اس سے انکار نہیں ——— حضرت خواجہؒ نے یہ سُنا تو غصہ ہو کر فرمایا:۔

میاں شیخ احمد آفتابے اند کہ مثل ما ہزاراں ستارگاں در ضمن ایشاں گم است و از کمل اولیا متقدمین خال خال مثل ایشاں گذشتہ باشند۔	میاں شیخ احمد ایک ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کے اندر گم ہیں اولیاء متقدمین و کاملین میں سے بہت کم ان جیسے گزرے ہوں گے۔

اس کے بعد میر صاحب نے اپنا اعتقاد درست کیا اور نیازمندی کے ساتھ حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہونچے اور عنایت کے طالب ہوئے، حضرتؒ نے فرمایا کہ تم ہمارے ہی ہو لیکن کچھ دنوں ہمارے پیرومرشد کی خدمت میں اور رہو حضرت خواجہؒ کے انتقال کے بعد جب حضرتؒ دہلی تشریف لائے تو میر صاحب نے آپ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جس میں اپنی شکستہ دلی بے نصیبی اور بے استعدادی کا ذکر تھا۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میرے پاس

آپ کے حضور میں بجز اس کے اور کوئی وسیلہ نہیں ہے کہ میں حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہوں۔ حضرتؒ پر اس عریضہ کے مطالعہ سے رقت طاری ہوئی اور فرمایا کہ میرا گھبراؤ نہیں ـــــــ الغرض میر موصوف کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر کے سرہند لے گئے اور یہ سالہا سال حضرتؒ کے آستانے پر مقیم رہے اور مقامات عالیہ سے سرفراز ہوئے ایک دفعہ حضرتؒ کو ضعف عارض ہوا، اس خیال سے کہ شاید مرض مرض الموت ہو آپ نے امانت خواجگان نقشبندیہ کسی اہل کے سپرد کرنی چاہی اور قصد کیا کہ اس نسبت عالیہ کو کسی مخلص کے قلب میں القا فرمائیں اس وقت اس بار کا متحمل سوائے اپنے بڑے صاحبزادے شیخ محمد صادق علیہ الرحمہ اور میر محمد نعمانؒ کے کسی کو نہیں پایا تھا۔

حضرتؒ نے میر صاحب کو اجازت نامہ مرحمت فرما کر طلبائے معرفت کی ہدایت کے لئے برہانپور روانہ فرمایا، میر صاحب دو دفعہ شہر برہانپور سے بعض وجوہ کی بنا پر چلے چلے گئے، حضرتؒ نے تیسری مرتبہ پھر برہانپور ہی کے لئے مامور فرمایا اس دفعہ جب آپ برہانپور تشریف لائے تو رنگ ہی دوسرا نظر آیا، آپ کی مجلس میں عجیب کیفیات کا ظہور ہوا اگر کسی جماعت نے دور سے بھی آپ کی مجالس کا نظارہ کر لیا تو اس پر جذب و کیف طاری ہو گیا اور ہر ہر فرد مرغ بسمل کی طرح خاک پر تڑپنے لگا۔ المختصر ع

درمیان شہر در ہر گوشۂ غوغائے اوست

سماں بندھ گیا، بہت سے لوگ داخل سلسلۂ عالیہ ہوئے اور کتنے ہی بدکار اشخاص صلاح و تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہو گئے۔ صاحب زبدۃ المقامات مولانا محمد ہاشم کشمی نے آپ ہی کی ہدایت سے حضرتؒ سے شرف بیعت حاصل کیا۔

آپ نے اگرچہ علوم ظاہر کی تحصیل کم کی تھی لیکن ادراک حقائق صوفیہ خصوصاً حضرتؒ کے علوم و معارف سمجھنے کی اپنے اندر خاص اہلیت رکھتے تھے، خود حضرتؒ نے آپ کے فہم خداداد کی تعریف فرمائی ہے، مکتوبات شریف میں بہت سے مکاتیب آپ کے نام ہیں ۔ ایک مکتوب

کا خلاصہ (جس میں سلسلہ نقشبندیہ کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں) حسب ذیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ اس نے ہم کو صحیح العقیدہ بموافق مسلک اہل السنت والجماعۃ بنا کر طریقہ نقشبندیہ میں منسلک فرمایا........

کمالات نبوۃ بطریق تبعیت و وراثت اس طریقہ میں حاصل ہوتے ہیں اس سلسلے کے منتہی کمالات خاصہ حاصل کرتے ہیں اور مبتدیوں و متوسطوں کے متعلق بھی منتہیوں کی محبت کے باعث "المرء مع من احب" کی بشارت کے موافق ایسی ہی امیدیں ہیں۔

بدنصیب و نامراد وہ شخص ہے جو اس سلسلہ میں داخل ہو کر اس کی رعایت نہ کرے اور بدعات کو اس طریقہ میں ایجاد کرنے اور اپنی خوابوں اور احوال پر اعتماد کر کے اس طریقے کے خلاف قدم اٹھائے اس صورت میں (اگر وہ فیضیاب نہ ہو تو) طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا کیا قصور ہے۔

آپ کی وفات ۱۰ / صفر ۱۰۶۶ھ میں ہوئی، رحمۃ اللہ علیہ۔

مولانا محمد ہاشم کشمیؒ آپ کشم کے رہنے والے تھے، آپ کے آباؤ اجداد چونکہ سلسلہ کبرویہ سے منسلک تھے اس لئے ایام طفولیت میں آپ کو اس خانوادے کے خلفاء کی خدمت میں پہنچنے کا اتفاق ہوا لیکن فطری مناسبت کی وجہ سے غیر معلوم طور پر سلسلہ نقشبندیہ سے دلی لگاؤ تھا، مگر اس سلسلہ کے کسی مرشد و رہبر کی تعیین نہیں کر سکے تھے اسی کشاکش کے زمانے میں ہندوستان آئے یہاں بزرگان قدیم کے حالات عجیبہ و تصرفات عزیبہ کا ایک محفل میں تذکرہ سن کے دل میں کہنے لگے (اور شاید زبان سے بھی فرمایا) کہ یہ حقیقت شناس گروہ ایام گذشتہ ہی میں ہوتا ہوگا موجودہ صورت حال کے لحاظ سے خزانہ ایام یا تو ان جواہر سے خالی ہے یا ایسا ہو کہ حقیقت میں ایسے بزرگ موجود ہیں لیکن ہمارے دیدۂ ادراک کی کوتاہی کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہیں۔

لہ تذکرۃ العابدین ص۱۲۳ مؤلفہ حاجی محمد نذیر احمد دیوبندی۔

خاطر خوباں بعید اہل دل مائل نماند　　　یا بشہر عشقبازاں مرد صاحبدل نماند

اس واقعہ کے تھوڑے ہی دن بعد ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک صاحبدل تشریف لائے اور آپ کو اپنے ہمراہ لے جاکر ایک بزرگ کے سامنے پیش کر دیا وہ بزرگ مکان کے چبوترے پر عالم مراقبہ میں سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پیش ہوتے ہی اپنا سر اٹھایا اور ہاتھ پکڑ کر فرمایا پڑھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اذا جاء نصر اللہ والفتح (آخر سورۃ تک) آپ اس سورۃ کو پڑھتے جاتے اور زار وقطار روتے جاتے تھے آنکھ کھلی تو سورۃ کے مضمون پر غور کرکے یقین کی دنیا جگمگا اٹھی ــــ اور منزل مقصود نظر آنے لگی۔ اس خواب کو ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ آپ شہر برہانپور آئے اور حضرت میر محمد نعمان خلیفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں پہونچے، اور ان سے ذکر و مراقبہ کی تعلیم حاصل کی دربار نعمانیؒ میں اُن صاحبدل بزرگ کی بھی زیارت ہوئی جن کی وساطت سے خواب میں یہاں رسائی ہوئی تھی۔ غرضیکہ اس رویائے صادقہ کی تعبیر اپنی آنکھوں سے دیکھکر ۱۰۳۱ھ تک برہانپور رہے اور اس وقت سے لیکر حضرت کے وصال (۱۰۳۴ھ) تک تقریباً دو سال سفر وحضر میں حضرتؒ ہی کے ساتھ رہے اسرار و معارف سنے اور الطاف و عنایات کا مورد بنے رہے حضرتؒ کی زندگی ہی میں صاحبزادوں کی فرمائش پر ان فوائد و معارف کو لکھنا شروع کیا جن کو خلوت وجلوت میں زبان گوہر فشان سے سنا تھا نیز حضرتؒ اور ان کے مرشد کامل کے اطوار، انوار، برکات اور خوارق عادات لکھنے کا قصد کیا، چند ورق سے زیادہ نہ لکھ پائے تھے کہ حضرت رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔

وصال مرشد کے بعد آپ کی توجہ اس کام کی طرف زیادہ ہوئی کیونکہ دل مہجور کو تسلی دینے کے لئے اس سے بہتر اور شغلہ ہی کیا ہوسکتا تھا کہ اپنے پیر باکمال کے اقوال واحوال کو لکھیں اور گزری ہوئی صحبتوں کو یاد کرکے قلب وروح کو یک گونہ تسکین دیتے رہیں۔ ؎

ماہئی کاں گشت محروم از فرات　　　از کف آبے ہمے جوید حیات!

چنانچہ آپ نے حضرتؒ کے حالات کے علاوہ حضرتؒ کے پیرو مرشد، خلفاء اور صاحبزادگان وغیرہم کے حالات کا نہایت جامع اور مستند مجموعہ لکھا جس کا نام "برکات الاحمدیہ الباقیہ" رکھا، اس کا تاریخی نام ــــ" ہو زبدۃ المقامات" قرار پایا چنانچہ یہ کتاب زبدۃ المقامات ہی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب میں "نشاط روح" کا نہایت کافی سامان موجود ہے حضرت کے حالات میں اس سے زیادہ مستند اور قدیم کتاب شائع اور کوئی نہ ہوگی حضرتؒ کے احوال و اقوال کو نہایت عمدگی و خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے، بیجا مبالغہ سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے اور مجالس مجددیہ کی ایسی مکمل تصاویر کھینچی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے گویا ناظر کتاب دربار فیض آثار میں بیٹھا ہوا حضرتؒ کو دیکھ رہا ہے حضرت کے ملفوظات سُن رہا ہے اور دریائے معارف کو اپنے دامن میں بھر رہا ہے۔ مکتوبات شریف کی آخری جلد کو بھی آپ ہی نے ترتیب دیا ہے۔

خواجہ سید آدمؒ بنوری حسینیؒ: - آپ کا اصلی وطن قصبہ مودہ تھا مگر سکونت بنور میں اختیار کر لی تھی، ابتدائی تعلیم سلوک حاجی خضرؒ سے پائی بعد ازاں باجازت حاجی صاحب حضرتؒ کی خدمت میں آگئے اور درجات عالیہ پر فائز ہوئے۔ آپ محض امی تھے۔ فیض روح القدس کی مدد سے قرآن شریف حفظ کیا اور علوم ظاہریہ کی تعلیم بھی حاصل کی اتباع سنت و دفع بدعت آپ کا خاص شیوہ تھا، ہزاروں طالبان خدا کو خدا رسیدہ کیا، آپ کی خانقاہ میں ہزار سے زائد طلبائے معرفت روزانہ جمع رہتے تھے اور ان کو لنگر سے کھانا تقسیم کیا جاتا تھا آپ کے خلفاءؒ کی تعداد ایک سو اور مریدین کی تعداد ایک لاکھ بتلائی جاتی

---

[1] ان کا تذکرہ تذکرۃ العابدین ص۱۲۴ سے ماخوذ ہے [2] آپ کے خلیفہ اعظم حافظ سید عبداللہ اکبرآبادی تھے جو کہ خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم فاروقی اور ان کے جد ان کے خلیفہ ان کے صاحبزادے مجدد وقت حضرت شاہ ولی اللہ فاروقی محدث دہلوی ہوئے جن کے ظاہری و باطنی فیوض نہ صرف ہندوستان میں بلکہ عالم اسلامی پر محیط ہیں اور اس واسطے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے جو فیوض آج عالم میں نظر آرہے ہیں وہ بالواسطہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ہیں۔ سہ یکسر افیت دریں بزم کہ از پرتو آں ٭ ہر کجا ئے نگری انجمنے ساختہ اند"

ہے حج کے لئے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے وہاں سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہونچے اور ۱۳ر شوال ۱۰۵۱ھ کو اسی مقدس سرزمین میں انتقال فرمایا مزار مبارک جنت البقیع میں حضرت عثمان ذوالنورین کے مزار پاک کے قریب ہے۔

شیخ طاہر لاہوریؒ : حضرت کے ارادتمندوں میں آپ کا پایہ بھی نہایت بلند ہے، صاحب ریاضات وکرامات بزرگ تھے، علوم ظاہری میں کمال حاصل تھا اور حافظ قرآن بھی تھے، علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سلوک کا شوق غالب ہوا اور حضرتؒ کے آستان مبارک پر پہونچے آپ کو ایسے مرشد کی تلاش تھی جو علم وعمل میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا متبع ہو اور یہ بات سب پر ہویدا تھی کہ اس زمانے میں ایسی جامع شخصیت حضرتؒ ہی کی تھی چنانچہ آپ نے سالہا سال اس شیخ کامل کی خدمت کی اور انکسار اور افتقار کے ساتھ حضرت کے فیض کدہ پر مقیم رہے۔ آپ حضرتؒ کے صاحبزادوں کی تعلیم تدریس کا کام بھی نہایت کوشش وسعی بلیغ سے انجام دیتے تھے چنانچہ صاحبزادے فرمایا کرتے تھے کہ "ہم پر حضرت شیخ طاہر کے احسانات اس سے بہت زیادہ ہیں کہ شکریہ سے عہدہ برآ ہو سکیں"

حضرتؒ نے ایک دفعہ اپنے چھوٹے صاحبزادہ شاہ محمد یحییٰؒ کے متعلق فرمایا کہ "اسکو شیخ طاہر کے سپرد کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ بھی ان کی برکت سے اپنے بڑے بھائیوں کی طرح عالم باعمل ہو جائے"، لیکن چونکہ اس وقت درویشی کا رنگ غالب اور ظاہری علم مغلوب ہو چلا ہو گا اس لئے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ "اب شیخ طاہر کا وہ دماغ کہاں رہا" (جو پہلے تھا)، باوجود جید عالم ہونے کے آداب شیخ کا انتہائی لحاظ تھا اور حضرتؒ کی اس قدر ہیبت غالب تھی کہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے ایک دن حضرتؒ نے آپ کو امامت کا حکم فرمایا فوراً رنگ زرد پڑگیا اور لرزہ براندام ہو گئے اور رعب کی وجہ سے حافظ قرآن اور عالم کامل ہوتے ہوئے قرأۃ گلے میں رک رک جاتی تھی۔ اسی ادب وانکسار اور شیخؒ کی نظر کیمیا اثر

نے آپ کو انتہائی نقطۂ کمال پر پہونچا دیا تھا۔ بالآخر حضرتؒ نے خلافت سے سرفراز فرماکر بلدۂ لاہور کے طالبان معرفت کی رہنمائی کے لئے لاہور روانہ فرمایا اور طریقۂ قادریہ میں بھی اجازت مرحمت فرمائی، آپ نے وہاں پہنچکر طالبان حق کی تربیت فرمائی اور اپنے برکات وافاضات سے مخلوق خدا کو بہرہ ور کیا، خود ایک مکتوب میں حضرت کو لکھتے ہیں۔

"میں چلتے وقت سخت متردد تھا کہ شیخ کامل کو چھوڑ کر کہاں جارہا ہوں لیکن غیب سے کوئی شخص کہتا تھا کہ جلا جل حتیٰ کہ کشاں کشاں لاہور آگیا اور ایک مسجد کے گوشہ میں حیران و پریشان بیٹھ گیا ناگاہ حضرت خواجہ بزرگؒ کی روحانیت جلوہ گر ہوئی اور اس نے اس کام پر ثابت قدم رکھا اسی درمیان میں ایک جوان بلند استعداد آیا اس کو تعلیم باطن دیتے ہی یہ اثر ظاہر ہوا کہ اس کے تمام بدن میں نسبت سرایت کر گئی اور وہ سراپا آگاہ وعارف ہوگیا، اسی طرح دوسرے طالبوں کو بھی جمعیت نصیب ہوئی۔

حضور نے مقامات کے بارے میں خصوصًا مقام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے بارے میں اپنے مکتوب میں جو کچھ لکھا ہے اس کو بعض حاسدوں نے درمیان میں لانا شروع کردیا اور اس میں اپنی طرف سے جھوٹی سچی باتیں لاکر گروہ پروپیگنڈا کیا اور طعنہ زنی کرنے لگے مولانا حامد اس مکتوب کو علامۃ الانام مولانا عبدالسلام کے پاس لے گئے انھوں نے اس کا مطالعہ کیا اور فرمایا کہ اس کے مضمون میں تو کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا اور ساتھ ہی ساتھ حسن ظن کا بھی اظہار کیا۔ تب کہیں حاسدوں کی زبانیں بند ہوئیں"

آپ برابر اپنے پیرو مرشد کو اپنے احوال و مکاشفات سے مطلع کرتے رہتے تھے، حلقۂ ارشاد وسیع تر ہوتا چلا جاتا تھا اور خلق خدا کثرت سے متوجہ ہورہی تھی کہ ناگاہ اسی گرمی ہدایت کے زمانے میں شیخ نے بربنائے انکساری وآزاد مزاجی ایسا شیوہ اختیار کرلیا جس سے رجوع خلق میں فرق آئے، جب حضرتؒ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ کے نام ایک مکتوب لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"خداوند کریم نے تم کو منصب جلیل عطا فرمایا ہے لہٰذا اس کا شکریہ ادا کرو، اور اس بات کا خیال رکھو کہ تم سے کوئی ایسا کام سرزد نہ ہو جو باعث نفرت خلق ہو، خلق کو متنفر کرنا فرقہ ملامتیہ کا شیوہ ہے، دعوت و ارشاد سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے مشیخت کے رتبہ پر پہنچکر ملامت کی آرزو کرتے ہو یہ صریح ظلم ہے —— مریدوں کے ساتھ زیادہ خلط ملط نہ رکھا کرو کہ اس میں ہلکا پن پایا جاتا ہے اور یہ چیز بھی افادہ و استفادہ کے منافی ہے۔ حدود شرعیہ کی محافظت کرو جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل کرنے کی تجویز نہ کرو کہ یہ اس سلسلہ کے اصول کے منافی نیز اتباع سنّت کے دعوے کے خلاف ہے۔"

یہی ہدایت نامہ آپ کے لئے کافی ہوا اور اس کے جواب میں آپ نے لکھا۔ "اب میرے سامنے سوائے شریعت سنّت کے اور کچھ نہیں ہے۔"

پھر تو آپ نے تشرع و اتباع، اور فقر و قناعت میں اپنی نظیر قائم کر دی تھی اہل دنیا کی داد و دہش کو قبول نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنے قوت بازو سے حلال روزی بہم پہنچاتے تھے البتہ کوئی دین دار شخص اگر ہدیۃً کوئی چیز پیش کرتا تھا تو اسے قبول فرما لیا کرتے تھے۔

ہر سال چند بار پیادہ پا درویشوں کی جماعت کے ساتھ بے زاد و توشہ لاہور سے سرہند آیا کرتے اور چند روز کوچۂ معرفت میں رہ کر رخصت ہو جاتے تھے۔ آپؒ نے محرم ۱۰۴۲ھ کو بروز پنجشنبہ وفات پائی مزار مبارک لاہور میں ہے۔[۱]

شیخ بدیع الدین سہارنپوریؒ: آپ شروع میں حضرتؒ کے پاس توضیح تلویح پڑھتے تھے لیکن درویشوں سے عقیدت نہ تھی بلکہ حالت یہ تھی کہ نماز تک کے بھی پابند نہ تھے جس زمانہ میں آپ حضرتؒ کے پاس پڑھتے تھے اسی زمانہ میں آپ کو ایک حسین

---

[۱] تذکرۃ العابدین ص۳۲

دخوشرو جوان سے عشق ہوگیا تھا نوبت بانیجا رسید کہ درمیان سبق میں بھی آپ کو بے چینی رہتی تھی کہ کب سبق ختم ہو اور کب میں کوچۂ محبوب میں جاکر اس کے نظارہ سے آنکھیں ٹھنڈی کروں۔

ایک دن حضرتؒ نے آپ سے فرمایا کہ تم نماز پڑھا کرو اور شرعی محرمات سے بچو کیونکہ معاصی کے ارتکاب سے علم ظاہر میں بھی بے برکتی ہوتی ہے انھوں نے عرض کیا کہ اس قسم کی نصیحتیں تو میں نے بہت سے لوگوں سے سنی ہیں حضرت اگر کوئی خاص توجہ فرمائیں تو شاید میری حالت کچھ سدھر سکے، حضرتؒ نے تھوڑے تامل کے بعد فرمایا اچھا کل اسی ارادہ سے میرے پاس آؤ اور دیکھو خدا کیا کرتا ہے، اتفاقاً اگلے دن ان کا محبوب نوجوان ان کے گھر آگیا، ان کا دل نہ چاہا کہ ہم نشینی محبوب ترک کرکے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ دو تین دن کے بعد جب حاضر ہوئے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ تم نے خلاف وعدہ کیا اچھا نہیں کیا، خیر اس وقت کا آنا بھی مبارک ہے جاؤ وضو کرکے دو رکعت نماز ادا کرو اور میرے پاس آؤ انھوں نے ارشاد کی تعمیل کی، اس کے بعد آپ ان کو خلوت میں لے گئے اور ذکر قلب کی تعلیم دی اور توجہ فرمائی اس توجہ کا پڑنا تھا کہ فوراً کایا پلٹ گئی، مست و بیخود ہو گئے اور اسی عالم بیخودی میں زمین پر گر پڑے، دوسروں نے اٹھا کر آپ کو مکان تک پہونچایا ایک دن کے بعد افاقہ ہوا، اس دن کے بعد سے تعلقات دنیا سے دل سرد ہو گیا، اور اپنے آپ کو اپنے سے دور اور عالم غیب سے نزدیک دیکھنے لگے۔

نخستین بادہ کاندر جام کردند ز چشم مست ساقی وام کردند (عراقیؒ)

اس کے بعد مدتوں تک آستانہ عالیہ پر رہے اور فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوتے رہے یہانتک کہ حضرت کو ان پر کامل اعتماد ہو گیا اور تعلیم طریقت کی اجازت مرحمت فرمائی بعد حصول اجازت آپ اپنے وطن مالوف سہارنپور تشریف لے آئے اور طالبان معرفت کی اصلاح و تربیت میں مشغول ہو گئے کچھ عرصہ بعد حضرت نے آپ کو آگرہ جانے کا حکم دیا،

یہ شہر دارالسلطنت ہونے کی حیثیت سے خاص مرکزیت رکھتا تھا، لیکن ابھی تک اس سلسلہ کے خلفاء سے خالی تھا۔

حضرتؒ نے ان کو تاکید فرمادی تھی آگرہ میں پوری استقامت کے ساتھ رہنا اور ہمارے حکم کے بغیر وہاں سے نہ جانا یہ وہاں پہونچے حق تعالیٰ نے مقبولیت عامہ عطا فرمائی، امراء وغرباء غرض ہر طبقہ اور درجہ کے لوگ آپ کے فیوض وبرکات سے متمتع ہوئے لیکن آپ سے ایک لغزش یہ ہوگئی کہ حضرت مرشد کے اذن کے بغیر آپ وہاں سے اپنے وطن چلے آئے یہ چیز حضرتؒ کو سخت ناگوار گزری، جب آپ کو اس ناراضگی کا حال معلوم ہوا تو دوبارہ آگرہ کا قصد کیا اور حضرت کو اس ارادہ سے اطلاع دی حضرتؒ نے فرمایا کہ وہاں کا صحیح وقت وہی تھا اب اگر تم جاتے ہو تو تم جاؤ تمھیں اختیار ہے۔ شیخ بحالت اضطراب اس امید میں کہ شاید حضرتؒ کی ناراضگی دور ہو جائے دوبارہ آگرہ چلے گئے اس دفعہ بھی شروع شروع میں خلق خدا کو بہت فیض پہونچا لیکن سوء اتفاق کہ ایک دن وہاں کی چھاؤنی کے چند اُجڈ نوجوں کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی آپ نے ان کی ذہنیت وصلاحیت کا لحاظ کئے بغیر ان کو سختی کے ساتھ بعض منکرات پر تنبیہ و نصیحت فرمائی جس کی وجہ سے ان میں کے بعض بدطینت آپ کے دشمن ہو گئے، اس کے علاوہ عام طور پر اپنے بلند احوال و انکشافات لوگوں کے سامنے بیان کئے جو منکرین و معاندین کے کانوں میں پہونچکر فتنہ کا سبب بن گئے چنانچہ اہل عناد نے اپنی رنگ آمیزیوں اور حاشیہ آرائیوں سے کام لیکر ایک زبردست فتنہ آپ کے خلاف برپا کر دیا، اس فتنہ کا اثر حضرتؒ تک بھی متعدی ہوا اور اسی ابتداء کی انتہا یہ ہوئی کہ سلطان وقت (جہانگیر بادشاہ) نے جو اس وقت تک طائفۂ فقراء سے کوئی انس و مناسبت نہ رکھتا تھا حضرتؒ کو طلب کر کے ایذا پہونچائی اور قید خانہ میں محبوس کر دیا (اگرچہ بعد کو بادشاہ اپنے اس فعل پر نادم وپشیمان ہوا اور اس نے معافی بھی چاہی)

اس المناک واقعہ کے بعد شیخ بدیع الدینؒ آگرہ سے اپنے وطن سہارنپور واپس چلے

آئے اور وہیں پر گوشہ گزیں ہو کر ذکر و مراقبہ اور انس و الفت میں بسر کی پچاس سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا اور تمام عمر طالبان علوم دینی و یقینی کے افادہ میں مشغول رہے۔

شیخ نور محمد پٹنی رح:۔ آپ علوم رسمیہ کی تحصیل کے بعد سلوک کی طرف متوجہ ہوئے ہندوستان کے بہت سے درویشوں کے پاس گئے کہیں تسکین روح کا سامان بہم نہ پہنچا آخر کار حضرت رح کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں بہت سے مقامات طے کئے اور حیرت انگیز ترقی کی، چنانچہ اس زمانے میں حضرت رح نے اپنے پیر بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ" کو جو خط لکھا ہے اس میں شیخ نور محمد کی ترقیات کا بھی مفصل ذکر فرمایا ہے۔

آپ عرصہ تک حضرت رح کی خانقاہ میں رہے اور حالات میں برابر ترقی ہوتی رہی تکمیل کے بعد حضرت رح نے اجازت مرحمت فرماکر شہر پٹنہ روانہ فرمایا آپ حسب الامر وہاں پہونچے لیکن خلوت پسندی کے غلبہ کی بنا پر اکثر آبادی سے باہر رہتے تھے اور لوگوں سے اجتناب کرتے تھے۔ جب حضرت رح کو اس کی اطلاع ہوئی تو ایک مکتوب شریف کے ذریعہ آپ کو اس عادت کے ترک کرنے کی تلقین فرمائی اور تحریر فرمایا۔

"جس طرح انسان کو اللہ تعالےٰ کے اوامر و نواہی کی تعمیل لازمی ہے اسی طرح خلق خدا کے حقوق کی رعایت اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بھی ضروری ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا کر کے دوسرے کو نظر انداز کر دینا نادرست ہے خلق خدا کی اذیتوں کا تحمل اور ان سے حسن معاشرت سلوک کے لوازمات میں سے ہے" تلقین کے ضمن میں یہ شعر بھی تحریر فرمایا ؎

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنیں عالم است   نازکی کے راست آید باری باید کشید

آپ نے حضرت کے ارشاد کی تعمیل کی اور شہر پٹنہ کے ایک طرف دریائے گنگا کے کنارے ایک جھونپڑا بنایا اور وہیں ایک چھوٹی سی خام مسجد تیار کی اور مع اہل و عیال کے

اسی جھونپڑے میں رہنے لگے، اکثر وقت مسجد ہی میں گزرتا تھا نماز کے علاوہ ارشاد و ہدایت اور افادہ علوم دینیہ کا مرکز بھی اسی مسجد کو بنا رکھا تھا،

شیخ حمید بنگالیؒ :- آپ تحصیل علوم دینی کے لئے لاہور تشریف لائے تھے بعد فراغت وطن مالوف جاتے ہوئے آگرہ میں بھی قیام کیا اور خواجہ عبدالرحمٰن صاحب مفتی کابلی کے قریب اقامت گزیں ہوئے، مفتی صاحب نے آپ کو علوم میں ماہر و متبحر پاکر آپ سے عہد لیا کہ جب تک آگرہ میں قیام رہے میرے ہی پاس رہیں۔ اثنائے قیام میں ایک دن تصوف اور مشائخ تصوف کا ذکر آگیا تو مفتی صاحب کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوئی کہ مولانا حمید صوفیائے کرام کے عموماً اور حضرت مجددؒ کے خصوصاً منکر ہیں اس صحبت کو دو ہی تین دن گزرے تھے کہ اتفاق سے حضرتؒ سرہند سے آگرہ تشریف لائے اور مولانا حمید سے مفتی صاحب کے مکان ہی پر ملاقات ہوگئی، حضرتؒ نے ان کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا "ہائے شیخ حمید اینجا بودہ اند" ایک دو دفعہ خاص انداز سے ان پر نظر ڈالی اور فوراً مراقبہ میں مستغرق ہوگئے اس کے بعد یکایک وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے ہر چند عرض کیا گیا کہ حضرت تھوڑی دیر اور تشریف رکھیں اور یہیں ماحضر تناول فرمائیں، قبول نہیں فرمایا گیا مفتی صاحب پہونچانے کے لئے دروازہ تک آئے۔

انکا خیال تھا کہ مولانا حمید "بداعتقادی" کی وجہ سے جگہ سے بھی نہ ہلیں گے مگر دیکھا گیا کہ پیچھے پیچھے چلے آرہے ہیں، مفتی صاحب تو دروازہ تک آکر واپس چلے گئے لیکن مولانا حمید بس حضرتؒ کے پیچھے ہو لئے، اس وقت حضرت ان کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ قیامگاہ پہونچ گئے مولانا حمید دروازہ پر گریاں و حیراں کھڑے رہے۔ بعد ازاں حاضری کی اجازت دیگئی اور بیعت سے مشرف کرنے کے ساتھ تعلیم طریقت و جذبہ نسبت سے نوازا گیا اب تو "مولانا حمید" "شیخ حمید" ہو گئے اور یہ کیفیت ہوگئی کہ اپنی کتابوں اور دستوں کی بھی خبر نہ رہی۔

چند روز کے بعد حضرتؒ آگرہ سے سرہند روانہ ہوئے تو یہ بھی پیادہ پا حضرتؒ کی خدمت میں چلے، شیخ حمیدؒ کا یہ واقعہ دیکھ کر مفتی صاحب خود بھی حضرتؒ کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ مفتی صاحب کے ایک دولت مند دوست نے پوچھا کہ آپ لوگ تو عالم و عاقل ہیں شیخ احمد میں کیا کرامت دیکھی جو ان کے مرید ہو گئے مفتی صاحب نے جواب دیا کہ ہم اہل علم کوئی کرامت اس سے بہتر نہیں سمجھتے کہ شیخ عالم باعمل اور متبع سنت ہو علم کے ساتھ ساتھ اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ و اہتمام جیسا حضرت شیخ سرہندیؒ میں دیکھا اپنے زمانے میں کسی دوسری جگہ دیکھا نہ سنا، بس یہی ہمارے نزدیک سب سے بڑی کرامت اور حاصل ولایت ہے۔

شیخ حمیدؒ نے قریباً دو سال آستانہ عالیہ پر رہ کر منازل سلوک طے کئے اور احوال عجیبہ و مقامات غریبہ سے نوازے گئے۔ اس کے بعد حضرتؒ نے تعلیم طریقت کی اجازت دے کر ان کو وطن روانہ فرمایا، اجازت نامہ زبدۃ المقامات میں درج ہے تبرکاً و تیمناً ہم بھی اس مبارک تحریر کو اس جگہ نقل کرتے ہیں۔

اَمَّا بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ فَیَقُوْلُ الْعَبْدُ الْمُفْتَقِرُ اِلٰی رَحْمَۃِ اللّٰہِ الْمَلِکِ الْوَلِیِّ اَحْمَدُ بْنُ الشَّیْخِ عَبْدِ الْاَحَدِ الْفَارُوْقِیُّ النَّقْشَبَنْدِیُّ رَحِمَہُمَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً اَنَّ الْاَخَ الْعَالِمَ وَالصِّدِّیْقَ الصَّالِحَ حَامِعَ عُلُوْمِ الشَّرِیْعَۃِ وَالطَّرِیْقَۃِ الشَّیْخَ حَمِیْدَ نِ الْبَنْگَالِیَّ وَفَّقَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ لِمَا یُحِبُّہٗ وَیَرْضَاہُ لَمَّا قَطَعَ مَنَازِلَ السُّلُوْکِ وَعَرَجَ مَعَارِجَ الْجَذْبَۃِ وَوَصَلَ اِلٰی دَرَجَۃِ الْوَلَایَۃِ بَعْدَ اَنْ حَصَلَ لَہٗ انْدِرَاجُ النِّھَایَۃِ فِی الْبِدَایَۃِ اَجَزْتُ لَہٗ لِتَعْلِیْمِ طَرِیْقَۃِ الْمَشَائِخِ النَّقْشَبَنْدِیَّۃِ قَدَّسَ اللّٰہُ اَسْرَارَھُمْ لِلطَّالِبِیْنَ الْمُسْتَرْشِدِیْنَ وَالْمُرِیْدِیْنَ الْمُخْلِصِیْنَ بَعْدَ اسْتِخَارَۃٍ وَّحُصُوْلِ الْاِذْنِ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ

اَنْ یَّعْصِمَہٗ عَمَّا لَا یَلِیْقُ وَ یَحْفَظَہٗ عَمَّا لَا یَنْبَغِیْ وَاَنْ یُّثَبِّتَہٗ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ ۃ

مشائخ طریقت کا طریقہ تھا کہ خلافت کے وقت خرقہ بھی دیا جاتا تھا، شیخ حمیدؒ نے عرض کیا کہ مجھکو بجائے خرقہ کے حضرت کے پاؤں کا جوتا کافی ہے حضرتؒ نے ان کی اس درخواست کو بھی قبول فرمایا اور ایک پاؤں کی جوتی عنایت فرمادی شیخ نے اس "کفش مبارک" میں جو کچھ دولت پائی وہ قیصر وکسریٰ کو کہاں نصیب ہوئی، ؎

اگر خاکے ازیں کو بر سر آید　　　مرا بہتر ز چندیں افسر آید

چونکہ آپ کا وطن صوبہ بنگال میں تھا اس لئے بوجہ بُعد مسافت دوبارہ آستان مجددیؒ پر حاضری کا موقع نہ مل سکا۔ اس نواح کی مخلوق نے آپ ہی سے مجددی فیوض و برکات کے خزانے حاصل کئے اور طالبین حق نے آپ ہی کی رہنمائی میں معرفت و یقین کی شاہراہ پر چل کر منزل مقصود کا پتہ لگایا۔ منگل کوٹ ضلع بردوان میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ ؎

زبنگالہ چہ بر گویم کہ مولانا حمید او！　　　بپا پوش جنابش آمدہ مقبول ربانی

زہے پاپوش پاک او کہ چوں خاک شفا گردہ　　　شفائے ظاہر و باطن بخلق اللہ ارزانی

بہ منگل کوٹ او بنگر کہ گلزار ارم بودہ　　　در و دیوار او اکنوں نہادہ سر بویرانی

بلےکس گنج زر نہاں نیابد جز بویرانی　　　بلےکس آب حیواں را ندیدہ جز بظلماتی

[illegible]

شیخ مزملؒ:۔ آپ حضرتؒ کے ندیم اور مقبول ترین مریدوں میں سے ہیں۔ سفر و حضر میں اکثر حضرتؒ کے ساتھ رہتے حسن اخلاق و مکارم اوصاف میں یگانہ اور انکسار و ایثار میں منفرد تھے۔ حضرتؒ کی تربیت سے ان کو جو کمالات حاصل ہوئے انکا تذکرہ حضرتؒ نے اپنے بعض ان مکاتیب میں کیا ہے جو اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں روانہ کئے ہیں سالہا سال فیض صحبت سے مستفیض ہونے کے بعد تعلیم طریقت کے مجاز ہوئے آپ کی رفعت مرتبہ کا اندازہ حضرتؒ

کہ اس مکتوب سے بھی ہوتا ہے جو ایک مخلص کے نام بھیجا گیا ہے اور جس میں تحریر فرمایا گیا ہے :-

صحبت میاں مزمل شمارا مغتنم است و امثال ایں عزیز الوجود اعز من کبریت الاحمر

میاں مزمل کی صحبت کو غنیمت سمجھو اس قسم کے لوگ کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر و نایاب ہیں۔

آپ نے ۱۰۲۶ھ میں اپنے مرشد کی حیات ہی میں سفر آخرت اختیار کیا حضرت کو آپ کی وفات کا بہت صدمہ ہوا اور ان کی روح کو دعائے مغفرت و ایصال ثواب سے شادکام فرمایا۔

شیخ طاہر بدخشیؒ :- آپ شروع میں فوج میں ملازم تھے، ایک دفعہ فوج کسی قلعہ کو فتح کرنے کے لئے گئی آپ بھی اس میں موجود تھے اثنائے سفر میں ایک رات آپ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سامی سے مشرف ہوئے اور دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر و دیگر خلفاء و اصحاب رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں اور آپ شیخ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اس سفر کے ختم ہونے کے بعد تو ان لوگوں (فوجیوں) سے الگ ہو جا اور فقر و تجرید کی زندگی اختیار کر، اسی عالم خواب میں آپ نے دیکھا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرتؐ کے ایماء سے ان کو خرقہ پہنایا، جب اس مبارک خواب سے بیدار ہوئے تو ارشاد نبویؐ کی تعمیل کے لئے اپنے آپ کو بیقرار پایا۔ چنانچہ بعد مراجعت فوج اثنائے راہ ہی میں ایک مقام پر اپنی سواری سے اتر پڑے اور ایسے غائب ہوئے کہ ساتھیوں نے ہر چند تلاش کیا مگر نہ ملے۔ وہاں سے غائب ہو کر آپ ایک دہقان سے ملے اور اس سے اپنے لباس کے عوض میں ایک ٹاٹ لیکر پہن لیا اور اطراف و جوانب کے مشائخ کی صحبتوں سے فیضیاب ہوتے رہے۔ چونکہ آپ نے اپنے گھر والوں کو اپنے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی تھی اور کسی کو خبر نہ تھی کہ آپ کس حال میں ہیں اس لئے آپ نے مناسب سمجھا کہ ایک بار گھر ہو آئیں اور متعلقین کو صورت حال کی اطلاع دیں تاکہ ان کو تشویش نہ رہے چنانچہ آپ گھر آئے اور اپنے عزائم کا صاف اظہار کر دیا ـــــ بیوی سے بھی کہدیا کہ میں فقر کی زندگی اختیار کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تمھیں کوئی تکلیف پہونچے، میں

اس کے لئے بالکل تیار ہوں کہ تم مجھ سے آزادی حاصل کر لو، نیک بخت بیوی نے عرض کیا کہ میں ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی آپ سے وابستہ کر چکی ہوں جو زندگی کا طریقہ آپ کو پسند ہے وہی مجھے پسند ہے، چنانچہ وہ بالکل بے سروسامانی کی حالت میں شوہر کے ساتھ ہولیں۔

اس کے بعد آپ مرشد کامل کی تلاش میں گھومتے رہے ایک شیخ وقت کی خدمت میں پہونچے انھوں نے فرمایا کہ تم نقشبندی معلوم ہوتے ہو اور دہلی ولاہور کی طرف اشارہ کیا۔

چنانچہ آپ ہندوستان کے لئے چل کھڑے ہوئے اس زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ کا عام شہرہ تھا اس لئے دہلی کا قصد کر لیا لیکن سوء اتفاق کہ ان کے دہلی پہونچنے کے چند دن پہلے حضرت خواجہ صاحبؒ وصال فرما چکے تھے، ہادیٔ توفیق نے آپ کو حضرت خواجہ کے جانشین حقیقی (حضرت مجددؒ) کی خدمت میں پہونچا دیا۔ چنانچہ آپ حضرتؒ سے بیعت ہوئے اور کافی عرصہ خانقاہ سرہند میں قیام کر کے فیوض وبرکات حاصل کئے آپ کے خصائص عظمیٰ میں سے یہ ہے کہ ایک مدت تک خلوت وجلوت میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ومشاہدہ سے مشرف ہوتے رہے گویا کہ آپ کو یک گونہ حضوری کا درجہ حاصل تھا ـــــ مولانا طاہرؒ چونکہ ترک اور سادہ مزاج بزرگ تھے اس لئے اپنے احوال ومکاشفات کو اس انداز میں بیان فرماتے تھے کہ حضرت کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آجاتی تھی ـــــ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ حضرتؒ معارف بیان فرما رہے ہیں اور یہ ان کو سن کر آرے اور بلے کہتے جاتے ہیں اور سر ہلاتے جاتے ہیں۔ حضرتؒ خوش طبعی کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ اسرار ومعارف مولانا طاہر پر وارد ہوئے ہیں اور میں انکا ترجمان ہوں"

حضرتؒ نے ان کو تعلیم طریقت کی اجازت دینے کے بعد جونپور روانہ کیا وہاں پہونچ کر آپ نے خدا معلوم کن احوال کے ماتحت گفتگو اور نشست وبرخاست میں ایسا طریقہ

اختیار کیا جس کی وجہ سے لوگوں کی رجوعات کم ہوگئی، جس زمانے میں حضرتؒ اجمیر شریف تھے
آپ نے ایک مکتوب حضرت کی خدمت میں تحریر کیا جس میں یہ بھی مرقوم تھا کہ طالبین میری
طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں حضرت نے اس کو پڑھ کر فرمایا۔

عجب مردے سادہ دل است ملاک امر محافظۂ
احوال و فکر کار و غم ایمان و مآل خود است
دریں ضمن ہر کرا حق سبحانہ برساند و تعلیم
تربیت او مامور گرداند حسب الامر خالصاً
لوجہ اللہ بداں باید پرداخت و نیز برائے
انجذاب دلہائے طلاب وضعے کہ ملامت را
آنجا راہ نبود اختیار باید نمود۔

یہ عجیب سیدھے آدمی ہیں یہ خبر نہیں کہ اصل کام احوال
کی محافظت اپنے کام کی نگہداشت، ایمان کی فکر اور
انجام کا خیال کرنا ہے اس ضمن میں جس کسی شخص کو
بھی خداوند کریم پہنچا دے اور اس کی تعلیم و تربیت
پر مامور کرے خالصاً لوجہ اللہ اس میں مشغول رہے
نیز اہل طلب کے دلوں کی کشش کے لئے ایسی وضع
جس میں ملامتیہ کے طرز کو کچھ بھی دخل ہو اختیار نہ کرنی
چاہیے۔

مولانا یوسف سمرقندیؒ:۔ آپ بھی اولاً حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ
کے مریدین میں سے تھے اور ان سے بہرۂ وافر حاصل کیا تھا خلیق اور بے تکلفانہ زندگی
بسر کرنے والے بزرگ تھے، حضرت خواجہ کے وصال کے بعد سرہند آگئے اور حضرتؒ کے
آستانے پر رہنے لگے کچھ عرصے وہاں رہ کر برکات نفوس مجددیہ سے مستفیض ہوئے اور
روحانی ترقی حاصل کی لیکن بقضائے الٰہی درمیان سلوک ہی میں پیک اجل سے ہم آغوش
ہوگئے، بوقت نزع حضرتؒ ان کے سرہانے تشریف لائے آپ نے بہزار حسرت عرض کیا

حضرتا ع دم واپسیں بر سر راہ ہے

اب کوئی ایسی نظر و توجہ فرما دیجئے جس کی برکت سے "مقصد اعلیٰ" حاصل ہو جائے

دم اخیر ہے "حضرت" ذرا نگاہ ملے کچھ اس غریب مسافر کو زاد راہ ملے

حضرتؒ ان کی طرف متوجہ ہوئے کچھ دیر کے بعد اپنا سر اٹھایا اور فرمایا! "اں

مولانا یوسف کہو کیا حال ہے؟" عرض کیا الحمد للہ دل جس چیز کا طالب تھا وہ حضرتؒ کی توجہ سے آشکار ہوگئی اس کے بعد آخری ہچکی لے کر جان بحق تسلیم ہوگئے ؏

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

مولانا احمد برکیؒ:۔ آپ برک کے رہنے والے اور وہاں کے علماء میں سے تھے، مولانا کا ایک ہموطن دوست تاجر ہندوستان سے اپنے وطن واپس آیا، وہ ہندوستان میں حضرتؒ سے بھی شرف ملاقات حاصل کرچکا تھا اور آپؒ کے مکاتیب کا کچھ حصہ بھی اپنے ہمراہ لیتا گیا تھا، مولانا نے جب ان مکتوبات کا مطالعہ کیا اور ان سے حضرتؒ کے کمالات باطنی کا اندازہ لگایا تو جذبۂ دل نے سرہند چلنے پر آمادہ کیا وہاں پہونچکر حضرتؒ کی عنایات سے سرفراز ہوئے اور اخلاص و آداب کے ساتھ شیخ کی خدمت میں رہے۔ عنایات خداوندی اور حضرت کی برکت سے ایک ہی ہفتہ میں درجہ کمال و اکمال پر پہنچ گئے اور تعلیم طریقت میں مجاز ہوکر وطن جانے کی اجازت حاصل کی۔ وطن پہنچ کر حسب الحکم کار طریقت میں مشغول ہوئے، اپنے مریدوں کے احوال بذریعہ مکاتیب خدمت عالی میں پہنچا کر جواب و خطاب سے سرفراز ہوتے رہتے تھے، ایک مکتوب میں حضرتؒ نے آپ کو تحریر فرمایا۔

روزے توجہے بکمال شما نمودہ آمد دید کہ مردم آن نواحے بجانب شما می دوند والتجا بشما می آرند معلوم شد کہ شمارا مدار آن زمین ساختہ اند مردم آن حدود را بشما مربوط داشتہ للہ الحمد والمنۃ علی ذالک۔

ایکدن تمہاری طرف توجہ کی دیکھا کہ اس طرف کے آدمی تمہاری طرف دوڑتے ہیں اور تمہارے سامنے التماس (فیض) کرتے ہیں معلوم ہوا کہ تم کو اس علاقہ کا قطب بنایا گیا ہے اور اس حدود کے لوگوں کو تم سے متعلق کیا گیا ہے، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

حضرتؒ نے ایک مکتوب مولانا شیخ یوسف برکیؒ کو لکھا ہے اس میں بھی آپ کی تعریف فرمائی ہے آپ نے ۱۰۲۰ھ ہجری میں وفات پائی، حضرتؒ نے دعائے مغفرت سے آپ کی روح کو شاد کیا، دیکھا گیا کہ جب کبھی آپ کا تذکرہ مجلس مبارک میں ہوتا تھا حضرت ان کی تعریف

فرماتے تھے اور لطف و عنایت کے ساتھ یاد فرمایا کرتے تھے نیز مولانا کے مریدین کو بھی
تحریر فرماتے تھے کہ مولانا کے لئے مغفرت کی دعا کرو مولانا کا وجود فی زمانا مسلمانوں کے
لئے آیات حق میں سے ایک آیت (نشانی) اور رحمتہائے خداوندی میں سے ایک رحمت تھا۔

مولانا محمد صالح کولابیؒ :۔ آپ حضرتؒ کے قدیم الایام مریدین میں سے تھے
منکسر المزاج اور خاموش طبیعت تھے، اپنی روحانی سرگزشت اپنی ہی زبانی اس طرح بیان
فرماتے ہیں ــــ "میرے اندر جب طلب معرفت کا جذبہ پیدا ہوا میں اس زمانے کے اکثر
مشائخ کی (جو قریب قریب مقامات پر رہتے تھے) خدمت میں رہا لیکن کسی سے کوئی کیفیت
حاصل نہیں ہوئی حسن اتفاق سے ایک جمعہ کو آگرہ کی جامع مسجد میں حضرت کو دیکھا دیکھتے ہی میرا
دل حضرتؒ کی طرف کھنچنے لگا ؎

آن دل کہ رم نمودہ از خوب رو جوانان   دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

جامع مسجد سے حضرتؒ کی قیام گاہ پر پہنچ کر تعلیم ذکر کی درخواست کی وہ قبول ہوئی۔
اس کے بعد سالہا سال خدمت اقدس میں رہا لیکن پستی استعداد کے باعث کوئی کامیابی محسوس
نہیں کرتا تھا اپنے پیر بھائیوں کو دیکھتا تھا کہ وہ منازل ترقی پر گامزن ہیں۔

اپنی اس بدنصیبی پر حیران و گریاں رہتا تھا یہانتک کہ رمضان کا مبارک مہینہ
اپنی مقدس ساعتیں لیکر آگیا، جب حضرتؒ معتکف ہوئے تو اس اعتکاف میں طشت و آفتابہ
کی خدمت میرے سپرد ہوئی۔ ایک رات حضرتؒ نے اپنے متبرک ہاتھ کو دھویا میں اس تمام
دھون کو پی گیا، اس کا پانی پینا تھا اور حالات کا وارد ہونا۔

مولانا جب حضرتؒ کی توجہ سے درجۂ کمال کو پہنچ گئے تو اجازت تعلیم سے ممتاز ہوئے
اور طالبان معرفت کی ایک جماعت کو آپ کا روحانی فیض پہنچا، حضرتؒ کو بارہا آپ کی تعریف
فرماتے سنا گیا ہے ایک دن حضرتؒ نے آپ کے متعلق فرمایا

مولانا محمد ... ز سیر صفات و تجلیات صفاتیہ   مولانا محمد صالح نے سیر صفات و تجلیات صفاتیہ

بہرہ تمام گرفتہ۔ — سے پورا حصہ حاصل کر لیا ہے۔

آپ نے مخدوم زادوں کی فرمائش پر ایک رسالہ لکھا تھا جس میں حضرتؒ کے دن اور رات کے معمولات کو جمع کیا، اس میں لکھتے ہیں کہ جب میں نے حضرتؒ سے معمولات کے جمع کرنے کی اجازت طلب کی تو ارشاد فرمایا کہ پیروی کے قابل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی عمل ہے۔ کتب حدیث کی طرف رجوع کرو اور وہاں سے معمولات مسنونہ اخذ کرو۔ عرض کیا گیا کہ حضرتؒ کا عمل بھی تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت کے مطابق ہے اس پر یہ ارشاد فرمایا

چناں کنند امانیک نیک ملاحظہ نمایند	اچھا جمع کرو لیکن اس بات کا اچھی طرح
کہ ہرچہ موافق سنت باشد قولے و فعلے	لحاظ رکھنا کہ میرا جو قول و فعل موافق سنت
آنرا درعمل آرید و ہرچہ نہ چنیں است	ہو اس پر عمل کرنا اور جو ایسا نہ ہو اس کو موقوف
موقوف دارید،	رکھنا۔

۱۰۳۴ھ میں مولانا کا وصال ہوا۔

مولانا محمد صدیق کشمیؒ:۔ آپ کشم (علاقہ بدخشاں) کے رہنے والے ہیں ایام جوانی میں ہندوستان تشریف لائے چونکہ شعر و شاعری میں دستگاہ رکھتے تھے اس لئے محب الفقرا، والشعرا عبدالرحیم خان خاناں کی صحبت اختیار کی اسی عرصے میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز سے بیعت ہو کر سلسلہ نقشبندیہ میں منسلک ہو گئے۔ لیکن جوش جوانی کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کے شغلے نے آپ کو حضرت خواجہؒ کی زندگی میں ترقی روحانی کا موقع نہیں دیا حضرتؒ خواجہ کے وصال کے بعد آپ حضرتؒ کی خدمت میں آئے اور کامیاب ہوئے، خود حضرتؒ ایک مکتوب مبارک میں مولانا محمد صالح کولابی کو آپ کے ترقی یافتہ احوال کی اطلاع دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

مولانا محمد صدیق دریں ایام بعنایت اللہ — مولانا محمد صدیق ان دنوں اللہ سبحانہ کی عنایت

بحانہ بولایت خاصہ مشرف گشتند...... سے ولایت خاصہ سے مشرف ہو گئے اللہ جس کو
واللہ یختص برحمتہ من یشاء چاہتا ہے اپنی رحمت کیلئے خاص کر لیتا ہے۔

مولانا نے ۱۰۳۲ھ میں اپنے متعلقین کی ایک جماعت کے ساتھ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے واپسی میں ہلی آئے۔ اس سفر میں چونکہ وابستگان کثیر تعداد میں تھے اور زادراہ تھوڑا تھا اس لئے فقر وفاقہ کی بڑی بڑی مشقتیں جھیلیں —— آپ ہی نے مبدا، معاد کو حضرتؒ کی بیاض خاص سے نقل فرماکر جمع کیا ہے۔ مکتوبات شریف آپ کے نام بھی کثیر تعداد میں ہیں۔ آپ کو حضرتؒ سے بہت کچھ اخلاص وعشق تھا۔ جس زمانے میں آپ حجاز میں تھے، حضرتؒ نے مولانا محمد ہاشم کشمیؒ سے فرمایا کہ "اس وقت میں بعض قدیم مریدین کے احوال کی طرف متوجہ تھا۔ مولانا محمد صدیق نظر کشفی میں کامل محبت واخلاص کے ساتھ ہماری طرف متوجہ معلوم ہوئے" آپؒ کو حضرتؒ کے علوم ومعارف سے کافی مناسبت تھی۔ ——
آپ نے مثنوی مولانا رومؒ کے وزن پر ایک مثنوی لکھی ہے جس میں ماجین کے شیشہ گر کی حکایت نظم کی ہے، اور وہ حق الیقین کی بہترین تعبیر ہے۔ ایک دوسری مثنوی بوزن خسرو شیریں لکھی ہے۔

شیخ عبدالحئیؒ:۔ آپ حصار شادماں (علاقہ اصفہان) کے باشندے مسکین طبع اور خموشی پسند بزرگ تھے، سالہا سال تک آستان مجددی پر دُرہائے فیوض سے دامن مراد کو بھرا اور توجہ مرشد کی برکت سے ترقیات سے ہم آغوش ہوئے، بہت سے اسرار ومعارف کو زبان فیض ترجمان سے سُنا تھا بلکہ ان احوال سے بھی کچھ وافر حصہ مبدء فیض سے پایا تھا جن کی ترجمانی حضرتؒ نے مکتوبات کی صورت میں فرمائی ہے۔

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم نقشبندی کی فرمائش پر مکتوبات کا دفتر ثانی آپ ہی نے جمع فرمایا ہے۔ حضرت کے بہت سے مکتوبات آپ کے نام بھی ہیں —— حضرتؒ نے آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دے کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا۔ شہر کے کنارے شیخ نور محمدؒ کا

ذکر کیا جا چکا ہے) طالبان حق کے افاضہ میں مشغول تھے اور شہر کے درمیان میں شیخ عبدالحئی تشنگان طریقت کی پیاس بجھا رہے تھے، حضرتؒ ایک مخلص کو تحریر فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

وجود این دو عزیز (یعنی مولانائے مذکور و شیخ نور محمد) درآں یک شہر چون قِران السعدین است۔

مولانا عبدالحئی اور شیخ نور محمد کے وجود ایک شہر (پٹنہ) میں قِران السعدین کی مانند ہیں۔

حضرتؒ نے براہ راست شیخ نور محمد کو ایک مکتوب پٹنہ بھیجا اور اس میں شیخ عبدالحئی کے مقام و حال کی اطلاع ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

شیخ عبدالحئی ہم شہری شما است و بجوار شما آمدہ است نسخۂ علوم و معارف غریبہ است و چیز ہائے ضروریہ این راہ نزد او مودع است ملاقات او یاران دور افتادہ را غنیمت است کہ نو آمدہ است و چیز ہائے نو آوردہ است الخ

شیخ عبدالحئی تمہارے ہم شہری ہیں اور تمہارے پڑوس میں آئے ہیں یہ علوم و معارف کی "کتاب ناطق" ہیں اور راہ سلوک کی ضروری چیزیں ان کو سونپی گئی ہیں ان کی ملاقات دور افتادہ مخلصین کے لئے بسا غنیمت ہے کیونکہ یہ نئے نئے آئے ہیں اور تازہ تازہ معارف لائے ہیں۔ الخ

آپ[1] نے سنہ ۱۰۲۰ھ میں وفات پائی۔

مولٰنا یار محمد القدیم الطالقانی[2]:۔ آپ حضرتؒ کے قدیم خادم ہیں قائم اللیل وصائم النہار، کثیر السکوت والمراقبہ تھے بزرگان نقشبند کی بعض خصوصیات آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتی تھیں، خوش سیرتی کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی تھے، صاحب زبدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ میں اپنی خوبصورتی اور اس داڑھی کا بہت "شکر گذار" ہوں کہ جب کبھی بازار وغیرہ سے گزرتا ہوں تو مجھکو دیکھ کر لوگ رسول اللہ

---

[1] تذکرۃ العابدین صفحہ ۱۲۳ [2] آپ کے بعد آپ کے ایک اور ہم نام (یار محمد) جامع مکاتیب دفتر اول حضرتؒ کی خدمت میں آ گئے اس لئے ثانی الذکر کو جدید اور آپ کو قدیم کہتے ہیں ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے لگتے ہیں۔

آپ نے فقر و فاقہ کی حالت میں بیت الحرام و روضۂ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لئے حجاز کا سفر اختیار کیا اور اپنی روح کو جذب و کیف اور نشاط و انبساط کی دعوت دی۔

مولانا قاسم علیؒ:۔ آپ بھی حضرت خواجہ صاحبؒ کے ان اصحاب میں سے ہیں جن کی تربیت حضرتؒ کے حوالہ ہوئی تھی، آپ خانقاہ مجددی میں رہ کر دریائے معرفت سے گوہر مقصود حاصل کرتے رہے، خود حضرتؒ نے حضرت خواجہؒ صاحب کو آپ کی روحانی ترقیات کی اطلاع ایک مکتوب کے ذریعہ کی ہے اور مزید ترقی کی امید ظاہر فرمائی ہے، اس سے زیادہ حالات دریافت نہ ہو سکے۔

شیخ حسن برکیؒ:۔ آپ مولانا احمد برکیؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ حضرتؒ کی بارگاہ میں پہنچ کر ذکر و مراقبہ سے مشرف ہوئے اور عنایات خاصہ سے بہرۂ وافر حاصل کر کے وطن مالوف واپس ہو گئے، وہاں مولانا احمدؒ کی صحبت میں رہنے لگے۔ حضرتؒ نے مولانا احمدؒ کے نام ایک مکتوب لکھا اور اس میں تحریر فرمایا۔

شیخ حسن از ارکان دولت شما است اگر	شیخ حسن تمہارے رکن اور مدد و معاون ہیں تم کو
فرضا شما را میل سفرے شود نائب مناب	بالفرض اگر کسی سفر پر جانا ہو تو یہ تمہارے صحیح
شما اوست الخ	قائم مقام ہیں۔

اتفاق ایسا ہوا کہ مکتوب پہونچنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد مولانا احمد نے سفر آخرت اختیار فرمایا جب یہ خبر حضرت کو پہنچی تو آپ نے مولانا کے مریدوں کو یہ ہدایت تحریر فرمائی۔ "مرحوم کے طور و طریقہ کا خیال رکھا جائے اور ذکر و حلقہ کی مشغولیت میں کوئی کمی نہ آنے پائے میں نے اس سے پہلے بر سبیل اتفاق لکھا تھا کہ اگر مولانا کوئی سفر اختیار کریں تو شیخ حسن ان کے قائم مقام ہیں، قضارا وہ سفر سفر آخرت ہو گیا ——— اب مکرر توجہ دلاتا ہوں کہ شیخ حسن کی

متابعت مولانا (احمد) کے کسی مرید پر گراں نہ ہو...... (بہر حال) اطاعت لازمی ہے اور ویسے بھی شیخ حسن کا طریقہ مولانا (احمد) کے طریقے سے بہت کچھ مناسبت رکھتا ہے، مولانا (احمد) نے آخر میں جو نسبت اس طرف سے حاصل کی تھی، شیخ حسن اس نسبت میں شریک ہیں مولانا کے دوسرے مریدین کو (ہر چند کہ وہ صاحب کشف و شہود ہوں) اس نسبت سے بہت کم حصہ ملا ہے"

——— آخر کار مولانا احمد کے مریدوں کی سرحلقگی شیخ حسن کے لئے تجویز ہو گئی اور آپ افادہ و افاضہ میں مشغول ہوئے آپ نے اپنے شیخ (حضرت مجددؒ) اور اپنے استاد (مولانا احمد) کا شیوہ اختیار کیا اور مراقبہ، مجاہدہ، اور رفع بدعت میں مضبوطی سے کام لیا، اور کامیاب و فلاح یاب ہوئے حضرتؒ کے پاس آپ کے جو خطوط آئے تھے ان سے آپ کے حالات کا پتہ چلتا ہے ——— ایک عریضہ میں بعض اصطلاحات صوفیہ پر کچھ اعتراضات وارد کئے تھے اور آخر میں لکھا تھا کہ وہ معارف جو اس "بے بضاعت" کو تسکین دیتے ہیں معارف شرعیہ ہیں، اور شریعت کا ہر حکم ایک ایسے دروازہ کی حیثیت رکھتا ہے، جس سے ہو کر "شہر مقصود تک" پہنچ سکتے ہیں ——— حضرت کو اس مکتوب کے اس حصہ پر جس میں اصطلاحات صوفیہ پر اعتراضات تھے سخت ناگواری ہوئی اور اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ "خبردار بے سمجھی سے ایسی باتیں آئندہ نہ کرنا اور غیرت خداوندی سے ڈرتے رہنا شاید تم کو نقلی و جعلی صوفیوں نے "برانگیختہ" کر دیا ہو گا ——— مگر بزرگوں کا خیال بھی تو رکھنا چاہئے ——— مدعیان طریقت کی بدعات پر نکتہ چینی کرو تو اس کی گنجائش ہے اور وہ بالکل ٹھیک ہے، لیکن جو چیزیں صوفیا میں مقرر اور ضروری ہیں ان پر کلام کرنا سخت نامناسب بات ہے"

آخر میں معارف شرعیہ کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اس کو مطالعہ فرما کر حضرت خوش ہوئے اور اس کے متعلق اسی مکتوب میں یہ تحریر فرمایا۔

این را بر فنا بسیار اصل است و بسیار عالی	یہ چیز اصل اور عالی ہے اس معرفت کے حسن مطالعہ
وامیدواری بحسن مطالعہ این معرفت محظوظ	کی امید نے بہت مسرور کیا اور مکتوب کے ابتدائی

ساخت وندامت اول مکتوب را زائل — حصّہ کی نامناسب تحریر کے اثر کو زائل کر دیا
گردانید حق سبحانہ ازیں راہ بمقصود رساند — حق تعالیٰ اسی راستے سے مقصود تک پہونچائے

مولانا شیخ عبدالہادیؒ فاروقی بدایونی :-

آپ بدایوں کے فاروقی النسب بزرگ تھے بعض کتب میں آپ کا اسم مبارک شیخ عبدالہادی سنگن[1] لکھا ہوا ملا۔

آپ بھی حضرت خواجہ صاحبؒ کے ان مریدین میں سے ہیں جن کی تربیت باطنی حضرتؒ سے متعلق ہوئی تھی، آپ نے بھی حضرت کی خدمت کر کے نظر عنایت عالیہ سے بہرۂ وافر حاصل کیا — انکسار و افتقار آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ حضرتؒ نے جو مکاتیب اپنے پیر بزرگوار کو تحریر فرمائے ہیں ان میں منجملہ دیگر مسترشدین کی ترقیات کے آپ کی ترقی کا ذکر بھی فرمایا ہے۔۔۔۔ مدت تک خدمت بابرکت سے مستفیض ہونے اور ترقیات و کمالات کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد آپ تعلیم طریقت کی اجازت سے ممتاز و مشرف ہوئے، آپ کا مزار شریف "مدینۃ الاولیا" بدایوں میں ہے، تذکرۃ الواصلین کے مصنف نے بدایوں کے شہدا، و اولیا، کے بہت کچھ حالات بہم پہونچائے ہیں لیکن ان کے حالات کو اجمالی طریقہ سے لکھا ہے، حتیٰ کہ تاریخ وفات[2] بھی نہیں لکھی انھوں نے آپ کے مختصر تذکرہ کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے۔

مزار شریف آپ کا راقم کو معلوم نہیں کہ بدایوں میں کس مقام پر مدفون ہیں لیکن میاں اکرام اللہ محشر بدایونی روضۂ صفا میں لکھتے ہیں کہ قبر شریف بدایوں میں جانب شرق ہے۔ (تذکرۃ الواصلین ص۱۸۱)

---

[1] بدایوں کے شیوخ فاروقی دو فرقوں میں منقسم تھے ایک سنگن کے نام سے اور دوسرا برہنی کے نام سے موسوم تھا، شیخ عبدالہادیؒ فرقہ اول سے تعلق رکھتے تھے: تذکرۃ الواصلین ص۱۸۱ مولفہ مولوی شیخ رضی الدین صاحب بسمل صدیقی فرشوری بدایونی۔ [2] کو آثار اولیائے شہر بدایوں ص۲۲ مولفہ سید منظور علی منظور بدایونی کے مطالعہ سے) معلوم ہوا کہ تاریخ وصال ۹ شعبان المعظم ۱۰۳۱ھ ہے اور مزار سلک خرم شاہ کے تکیہ میں ہے۔

شیخ یوسف برکی :۔ اولاً آپ کو ایک درویش کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا اور مشرب "توحید خیالی" اختیار کیا ایک رات عالم رویا میں آستان مجددی کی طرف دلالت ہوئی، چنانچہ ایک شخص کے ہاتھ اپنے تمام حالات لکھکر حضرتؒ کی خدمت میں روانہ کئے حضرتؒ نے ایک مکتوب میں جواباً تحریر فرمایا کہ اس قسم کے احوال شروع شروع میں مبتدیوں پر طاری ہوجایا کرتے ہیں ان کا کچھ اعتبار نہ کرو بلکہ ان کو دور کرنے کی کوشش کرو اس مکتوب میں وصل کی حقیقت اور دیگر حقائق بھی بیان فرمائے اور ہمت بلند کی ترغیب دی۔ اس کے بعد خوبی تقدیر سے دربار فیض آثار میں حاضری کا موقع ملا اور بیعت ہوئے کچھ عرصہ سرہند رہنے کے بعد اجازت تعلیم پاکر جالندھر میں سکونت اختیار فرمائی، تھوڑے تھوڑے عرصے کے وقفے سے سرہند تشریف لاتے رہتے تھے۔ اور جدائی کے زمانے میں زبان قلم سے عرض احوال کرتے رہتے اور جوابات سے سرفراز ہوتے رہتے تھے ایک دفعہ حضرتؒ کی خدمت میں حسب دستور پہونچے وداع کے وقت دیکھا گیا کہ زار و قطار رو رہے ہیں اور زبان حال سے بتغیر قلیل عرفی کا یہ شعر پڑھ رہے ہیں ؎

از در دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ "گریاں" رفتم

حضرتؒ نے ایک مکتوب میں آپ کو "مستعد" اور "صادق الاعتقاد" تحریر فرمایا ہے۔

سید محب اللہ مانکپوریؒ :۔ آپ علوم دینیہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے آغاز سلوک میں قدوۃ المشائخ شیخ محمد بن فضل برہانپوری قدس سرہ کی خدمت کی اور ایک مدت وہاں رہ کر اجازت و خلافت حاصل کی اس کے بعد برہانپور میں ہی میر محمد نعمانؒ کی خدمت میں پہونچے اور ان سے سلسلہ نقشبندیہ کا طریقۂ ذکر سیکھا، چونکہ میر صاحب کی مجلس میں ہمیشہ حضرتؒ کی تعریف و توصیف ہوتی تھی اور مکتوبات شریفہ کا مذاکرہ ہوتا تھا اس لئے آپ کو حضرتؒ کی خدمت و رویت کا شوق غالب ہوا چنانچہ بارگاہ مجددی پر پہونچے اور وہاں مدتوں خوشہ چینئی فیوض کرتے رہے بالآخر حضرت نے خلافت سے معزز فرماکر مانکپور روانہ

فرمایا حضرت نے ان کے متعلق ایک مکتوب میں جو میر صاحب مذکور کے نام ہے یہ کلمات طیبات تحریر فرمائے ہیں۔

سید محب اللہ بہ نسیان ماسویٰ وبعض مقامات	سید محب اللہ نسیان ماسویٰ اور بعض درجات فنا
فنا رسیدہ او را اجازت گو نہ دادہ بہ مانک پور	پر پہنچ گئے ہیں اور ہم نے ان کو اجازت دیکر
فرستادیم	مانک پور روانہ کر دیا ہے۔

مانکپور کچھ عرصہ رہنے کے بعد آپ نے اپنے اہل وطن کی شکایت لکھی کہ وہ اذیت پہونچاتے ہیں حضرتؒ نے ایک بار جواب میں صبر وتحمل کی تلقین فرمائی اور یہ شعر بھی تحریر فرمایا ؎

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنیں عالم ہست　　　نازکی کے راست آید باری باید کشید

لیکن جب آپ نے مانکپور سے منتقل ہونے کے لئے منت وسماجت کے ساتھ اجازت چاہی تو حضرتؒ نے تحریر فرمایا کہ آج کی رات ہم نے عالم کشف میں دیکھا کہ تمہارا سامان مانکپور سے الہ آباد منتقل کیا گیا ہے اب تم الہ آباد میں کوئی یکسوئی کی جگہ اختیار کرلو اور اپنے اوقات ذکر الٰہی جل سلطانہ میں بسر کرو۔ کچھ طریقۂ ذکر کے متعلق تحریر فرماکر آخر میں یہ نصیحت فرمائی۔

تا توانید راہ تقلید را از دست ندہید کہ تقلید	جہاں تک ہوسکے تقلید کو ترک نہ کرنا کیونکہ شیخ طریقت
شیخ طریقت ثمرات دارد و در خلاف طریق	کی تقلید ثمرات رکھتی ہے اور اس کے خلاف
او خطرہا است	کرنے میں بہت سے خطرے درپیش ہوتے ہیں۔

حاجی خضر افغانؒ:۔ آپ حضرتؒ کے مخصوص مرید وخلیفہ مجاز تھے کثیر التعداد مخلوق نے آپ سے فیض سرمدی حاصل کیا آپ اکثر راتیں گریہ وزاری میں کاٹتے تھے اور میر تقی میر کے اس شعر کے مصداق تھے ؎

اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد سا دل میں ہوتا ہے　　　میں راتوں اٹھ اٹھ روتا ہوں جب سارا عالم سوتا ہے

آپ کے اوقات اذکار ونوافل اور اشغال سے معمور تھے سرہند کے قریب ایک موضع میں سکونت اختیار کرلی تھی اور تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد سرہند آتے جاتے رہتے

تھے۔ آپ کے مرتبے کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ حضرتؒ نے ایک دفعہ اپنے بعض مریدین سے فرمایا کہ "میں نے ایک دن ابلیس لعین کو دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ میرے مریدین میں سے وہ کون شخص ہے جس پر تیری دسترس کمتر ہے ابلیس نے کہا حاجی خضر"

آپ نے حضرتؒ سے ایک سال بعد غالباً ۱۰۳۵ھ میں دنیا کو خیر باد کہا۔

شیخ احمد دیوبندیؒ :- آپ دیوبند ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ شروع شروع میں حضرتؒ کے حلقہ درس میں بھی ایک مدت تک رہ کر شرف تلمذ حاصل کر چکے تھے، اس کے بعد برہانپور چلے گئے اور وہاں پر شیخ محمد بن فضل اللہ قدس سرہٗ العزیز سے بیعت ہوئے اور مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر خلافت حاصل کی اور آگرہ آئے حضرتؒ اس وقت آگرہ میں مقیم تھے اس زریں موقع کو غنیمت جان کر صحبت اقدس سے سعادت اندوز ہوئے اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ اختیار کیا اور حضرتؒ کی خدمت بابرکت میں رہے۔ جب حضرتؒ نے میر محمد نعمانؒ کو خلافت دے کر برہانپور رخصت کیا تو آپ کی روحانی تربیت بھی میر صاحبؒ کے سپرد فرمائی، میر صاحب کی صحبت میں حضور و نسبت خواجگان نقشبندیہ کی دولت سے سرفراز ہوئے اور ایک خاص لذت محسوس کی رہی چنانچہ اسی طریقہ کے ذکر کا التزام کر لیا۔

ایک دفعہ مرشد سابق سے ملاقات ہوئی انھوں نے آپ سے دریافت فرمایا ہم نے تم کو جو ذکر تعلیم کیا ہے اس میں اشتغال رکھتے ہو یا نہیں؟ آپ نے جواباً عرض کیا کہ میں نے میر محمد نعمانؒ سے طریقہ خواجگان نقشبندیہ کا ذکر حاصل کر لیا ہے اس میں لذت پاتا ہوں اور اسی میں

ؔ زبدۃ المقامات میں آپ کے تذکرہ کا عنوان "شیخ احمد دینی" ہے اس کے بعد یہ عبارت ہے، "دین موضعے است از مضافات سہارنپور میان دو آب الخ." زبدۃ المقامات کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مجددی نقشبندی دیوبند کے زیر مطالعہ رہ چکا ہے اس میں منجملہ دیگر مفید حواشی کے لفظ دین پر یہ حاشیہ بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے قلم سے تحریر ہے "یہ کہ دین نام آں قصبہ دیوبند مشہور است کہ بہ برکات و توجہات حضرت ایشاں دارالعلوم گشتہ است و فخر ہندوستان دریں صدی سیزدہم و چہاردہم مثل آں دارالعلوم سوم و مشہور نگشت واللہ تعالیٰ اعلم

مشغول ہوں شیخ سابق چونکہ منصف مزاج اور حقانیت پسند تھے اس لئے تھوڑے سے تامل کے
بعد فرمایا کچھ مضائقہ نہیں مقصد تو فائدہ کا حاصل کرنا ہے، حضوری کی دولت جس جگہ سے بھی ہم
پہنچے اس کو لازم پکڑو۔ میر صاحبؒ کے یہاں کچھ عرصے رہنے کے بعد حضرتؒ کی خدمت میں
دوبارہ حاضر ہوئے الطاف بے پایاں سے نوازے گئے اور اجازت کی خلعت عنایت ہوئی
ـــ آپ کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب بعد حصول اجازت دو طالبوں کو ذکر طریقت کی تعلیم
دی وہ دونوں متاثر ہوئے اور ان سے احوال کا ظہور ہوا یہ کرشمہ دیکھ کر آپ خود محو حیرت ہو گئے
اور حضرتؒ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا اور اس میں لکھا کہ باوجودیکہ میں اپنے اندر کوئی حال
محسوس نہیں کرتا لیکن یہ کیا بات کہ میں نے دو طالبوں کو تعلیم ذکر کی اور ان سے احوال ظاہر
ہوئے، اسی کے ساتھ ذہول اور دوام آگاہی کے متعلق بھی دریافت کیا، حضرتؒ نے دونوں
باتوں کا جواب عنایت فرمایا پہلے جز کے متعلق جواب دیتے ہوئے ان دونوں طالبوں کے
احوال کو مولانا کے احوال کا عکس قرار دیا ہے جو کہ ان دونوں کے آئینہ استعداد میں ظاہر ہو گیا رہا
اپنے احوال کا علم اس کے متعلق تحریر فرمایا کہ "مقصود حصول احوال ہے نہ کہ علم احوال علم احوال
ایک اور دولت ہے کسی جماعت کو علم احوال منجانب اللہ دیا جاتا ہے اور کسی کو نہیں بھی
دیا جاتا۔

دوسرے جز کے متعلق یہ ارقام فرمایا کہ "آگاہی سے مراد حضور باطنی ہے جو کہ علم حضوری
سے مشابہ ہے، تم نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ کوئی شخص کسی وقت اپنے نفس سے غافل ہو گیا ہو اور
اسے اپنی نسبت ذہول رونما ہوا ہو، غفلت وذہول تو علم حصولی میں ممکن ہے۔"

آپ مدت تک آگرہ میں طالبین معرفت کے افادہ میں مشغول رہے آپ کے ان دونوں
مریدوں کے چہرہ سے اکابر سلسلہ کی خصوصیات ہویدا اور جذبہ و بیخودی کی شان آشکارا تھی ایک
رئیس اعظم جو کہ آپ سے اخلاص مندی کا تعلق رکھتے تھے آپ کو بنگالہ[1] لے گئے آپ نے اس علاقہ میں

---

[1] آپ کی سن وفات اور مزید حالات نہ معلوم ہو سکے میں نے اپنے محترم جناب مولوی سید محبوب الحسن صاحب رضوی دیوبندی
کو اس طرف توجہ دلائی ہے وہ "مشاہیر دیوبند" کے سلسلہ میں جو تحقیق فرما رہے ہیں ان کے تذکرے کو بھی انشاءاللہ مفصل لکھیں۔

قبولیت عظیمہ حاصل کی اور طالبین معرفت کو مخانۂ توحید کے کیف آور و روح پرور جام پلائے، اور سرمستان مئے الست نے جھوم جھوم کر عرض کیا ؎

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ جب تلک ساغر چلے ساغر چلے (میر تقی)

شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالیؒ:- آپ بابا حسن ابدالی (جو کہ کابل کے علاقہ میں ایک مقام ہے) کے رہنے والے اور حضرتؒ کے قدیم مرید تھے، شروع شروع طلب حق میں سیاحی کی اور اسی سلسلے میں سرہند آئے حضرتؒ کے پاس پہونچتے ہی آپ کا حال دگرگوں ہو گیا عنایت خاصہ سے مشرف اور تعلیم ذکر و مراقبہ سے سرفراز کئے گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں کمال کو پہنچکر اجازت تعلیم طریقت سے نوازے گئے اور اپنے وطن چلے گئے اس علاقہ کے لوگ کثرت سے آپ کے دست حق پرست پر تائب ہو کر داخل سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ ہوئے۔۔۔ حضرتؒ کے یہاں آپ کو بہت رسوخ حاصل تھا جس زمانے میں حضرتؒ تنہائی اختیار فرماتے تھے کسی کی مجال نہیں تھی کہ خلوت گاہ میں پہنچے لیکن یہ آپ ہی کی خصوصیت تھی کہ حضرتؒ نے فرما دیا تھا کہ شیخ آپنے مریدوں سمیت خلوت گاہ میں آئیں اور انھیں کوئی نہ روکے، جس زمانے میں حضرت لاہور تھے آپ اپنے مریدین کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور الطاف مرشد سے سرفراز ہو کر وطن واپس گئے، شیخ اسحٰق نامی ایک فاضل نے جو کہ سندھ کے مقتداؤں میں سے تھے آپ سے بیعت کی اور اکیس روز متواتر حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سامی سے مشرف ہو کر رحمۃ اللعالمین کے الطاف گوناگوں سے شادکام ہوئے۔

مولانا عبدالواحد لاہوریؒ:- آپ کو بھی حضرت خواجہ قدس سرہٗ ہی نے تربیت باطنی کی غرض سے حضرتؒ کے سپرد فرمایا تھا، آپ کثیر المراقبہ اور کثیر العبادۃ تھے۔ صاحب زبدۃ المقامات (مولانا محمد ہاشم کشمیؒ) فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ مجھ سے دریافت فرمانے لگے "کیا جنت میں نماز ہوگی؟" میں نے کہا نہیں، جنت میں نماز کہاں ہوگی جنت تو جزائے اعمال کا محل ہے نہ کہ دارالعمل آپ نے یہ جواب سن کر ایک آہ سرد بھری اور رو دئے

لگے اور حسرت آمیز لہجے میں فرمایا آہ! بے نماز کے جنت میں کیونکر بسر ہوگی ؏ ——

صاحب زبدۃ المقامات نے آپ کے تذکرہ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ایک دن آپ حضرتؒ کو ایک عریضہ تحریر کر رہے تھے، اتفاق سے اس پر میری نظر پڑی تو اس میں یہ لکھا ہوا پایا۔

——کبھی کبھی نماز کے اندر حالت سجدہ میں ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ سجدے سے سر اُٹھانے کو دل نہیں چاہتا"

مولانا امان اللہ لاہوریؒ :- آپ بھی حضرتؒ کے مریدان اجازت یافتہ میں سے ہیں ۱۰۳۱ھ میں حج بیت اللہ کا شوق غالب ہوا، پیادہ پا بغیر توشہ و زاد راہ سفر حجاز کو چل کھڑے ہوئے، راستے میں حضرتؒ کے اور خود آپ کے متوسلین و احباء نے چاہا کہ ان سے زاد و راحلہ قبول کرلیں لیکن انھوں نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور اسی بے سروسامانی کے ساتھ حجاز کو گئے۔

ان مذکورہ خلفاء کے علاوہ دیگر حضرات جو خلافت و اجازت یافتہ اور ارباب ذوق و اصحاب فضل تھے، ان کے اسماء مبارکہ حسب ذیل ہیں:-

مولانا امان اللہ فقیہہ، شیخ محمد حری، شیخ داود سالکی، شیخ سلیم بنوری، شیخ نور محمد بہاری، شیخ حامد بہاری، صوفی قربان (قدیم) مولانا صادق کابلی، مولانا محمد ہاشم خادم، شیخ زین العابدین تبریزی ثم المکی الشافعی، مولانا غازی گجراتی، صوفی قربان (جدید) سید باقر سارنگپوری، شیخ عبدالعزیز نجوی مغربی مالکی، شیخ احمد استنبولی حنفی، مولانا فرخ حسین، مولانا صفیر احمد، مولنا بدر الدین سرہندیؒ[1]، مولانا عبید احمدی، حاجی حسین، و شیخ عبدالرحیم برکی، مولانا عبدالمومن لاہوری، مولنا عبدالحکیم سیالکوٹی (المتوفی ۱۰۶۷ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرتؒ کے مخلصین میں بعض وہ بھی تھے جو بظاہر اہل سپاہ لیکن بباطن اصحاب

---

[1] آپ نے بھی اپنے پیرو مرشدؒ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام حضرات القدس ہے ۱۲

خانقاہ تھے اور ع

درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

کے مصداق صحیح ـــــــ جیسے خواجہ محمد اشرف کابلی، مولانا حاجی خرکتی، مولانا عبدالغفور سمرقندی، حافظ محمود گجراتی، سلیم خاں لشکری، مکتوبات شریفہ کے مطالعہ سے ان حضرات کے بھی کمال ذوق و شوق کا حال معلوم ہوتا ہے۔ بعض تجار بھی حضرت سے مستفیض ہوئے اور وہ آیۃ " رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیعٌ عن ذکر اللّٰہ[1] کے آئینہ دار تھے ـــــــ یہ حضرت مجدد الف ثانی رح کے ان چند خلفاء کا اجمالی تذکرہ ہے جن کے ناموں سے اہل سیر واقف ہیں، ان کے علاوہ بھی خدا معلوم کس قدر خلفاء ہوں گے جن کے حالات تو کیا اسماء بھی معلوم نہیں۔ جس مجسمہ روحانیت و پیکر ہدایت اور "رگ فاروقیت" رکھنے والے بزرگ نے، ہندوستان، افغانستان بلخ و بخارا غرضیکہ عالم اسلامی کے بلامبالغہ لاکھوں نفوس کو اپنی بے پناہ جدوجہد سے کلمۂ حق اور ذکر خدا کا سبق پڑھایا تھا اس کے خلفاء کی فہرست اتنی مختصر نہیں ہو سکتی کہ ان کے اسماء و حالات چند اوراق میں سما سکیں لامحالہ ان مذکورہ حضرات کے علاوہ دیگر ارباب جذب و کیف بھی خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے ہونگے۔

میرے اس قول کی تائید زبدۃ المقامات کے اس جملہ سے بھی ہوتی ہے۔

وجمعے دیگر از اصحاب مقبل صاحب آنحضرت بفقر و انزوا و خمولی چناں بودہ اند کہ اکثر خادمان آستان ہم از کار و بار ایشاں آگاہ نیستند۔	ان خلفاء کے علاوہ بھی حضرت کے بہت سے صاحب خلفاء ایسے ہیں جو زاویۂ فقر اور گوشہ گمنامی میں بسر کرتے ہیں اور ان سے اکثر خادمان آستان عالی بھی واقف و آگاہ نہیں ہیں۔

میں نے سعادت اندوزی کا شرف حاصل کرنے کے لئے بزرگانِ دین کی اس محبت

---

[1] یہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارۃ اور خرید و فروخت ذکر الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔ ۱۲

کے ساتھ جو بحمداللہ میرے دل میں موجزن ہے اس مختصر (لیکن ایک حد تک کافی) تذکرہ کو مرتب کیا ہے مجھ سے اس میں بہت سی علمی و تحقیقی فروگذاشتیں ہوئی ہوں گی مگر ان سب کو ناظرین کے دامن عفو کے حوالے کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان بزرگوں نیز دیگر سلاسل کے اکابر کی محبت و مناسبت نصیب کرے اور انہیں کے زمرے میں محشور فرمائے (آمین)

احب الصٰلحین ولست منهم لعل اللہ یرزقنی صلاحًا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم ہ

علّامہ اقبالؒ

بر مزارِ

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

(بالِ جبریل)

ضمیمہ

خاکسار کے نام مولانا محترم محمد منظور نعمانی مدظلہ کے دو خطوں کا عکس، ان
کتابوں کے حقوق خاکسار ہی کو حاصل ہیں، خلاف ورزی کرنیوالا عدالتی

Phone 25547

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد منظور نعمانی

رئیس تحریر

مجلۃ • الفرقان • لکھنؤ (الہند)

مخدومی و مکرمی جناب مولینا محمد سعد

گرامی نامہ مؤرخہ ۶ ربیع الاول موصول
جناب سے رابطہ اور تعارف اگرچہ بذریعہ مکاتبت ہو بجائے
اور مجھ کو حضرت امام ربانی قدس سرہ کا ذکر خیر ہو ___
دو مجازین اور خلفاء کی زیارت کی سعادت اس عاجز کو
حضرت مولینا ابوالسعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ حضرت
تھے جب یہ عاجز (۱۳۴۱ھ میں) وہاں دورہ حدیث کا طالب علم تھا۔
حضرت کے خلیفہ اور جانشین ہوئے جو ہم سبق تھے ___
حضرت مولینا سے اس عاجز کو کچھ برائے نام استفادہ

ملنے کا پتہ:-
خانقاہ عالیہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف ڈیرہ اسمٰعیل خان (پاکستان)

مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی

تلخیص و ترجمہ :- مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی مدظلہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے صاحبزادے عروۃ الوثقیٰ، حضرت خواجہ محمد معصوم آپ کے وارث و جانشین ہوئے انھوں نے بھی ایمان و عشق کی دولت سے مالامال ہو کر اللہ کا پیغام بے شمار انسانوں تک پہنچایا اور اس کے لاکھوں بندوں کو اس کی راہ پر لگایا۔

نبی عربی سیدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو رائج کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ شاہوں امیروں اور اپنے وقت کی اہم شخصیتوں عالموں اور عامیوں کو اپنے نفس گرم کی تاثیر سے متاثر کیا۔ حضرت قبلہ اپنے والد ماجد کی ملت کے وارث و امین تھے اور ان کے علوم و معارف کے شارح تھے۔ اور ان کے نقش قدم پر امت مسلمہ کے اندر اصلاحی جدوجہد میں تادم آخر مشغول رہے ——

حضرت قبلہ کے مکتوبات میں بھی آپ کے والد ماجد امام ربانی مجدد و منور الف ثانی رح کے فرمودات و مکتوبات کی طرح عقائد، کلام، عبادات و معاملات، مقام احسان و تقویٰ، تزکیۂ نفس، تہذیب اخلاق اور اصلاح اعمال سے متعلق ارشادات و تفصیلات ہیں، کیف آفرین اور وجد آگین مضامین ہیں، ایمان افزا اور بصیرت افروز علوم ہیں —— مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی مدظلہ نے فارسی کے اس گنجینۂ بے بہا کا اردو زبان میں ترجمہ و تلخیص فرما کر اردو داں حضرات پر ایک احسان عظیم فرمایا ہے :- یہ بلند پایہ کتاب پہلے پہل کتب خانہ الفرقان لکھنؤ (انڈیا) سے شائع ہوئی اور اب پاکستان میں کتب خانہ الفرقان ہی کی خصوصی اجازت و ہدایت کے تحت اس کی اشاعت و طباعت کا سہرا مکتبہ سراجیہ کے سر ہے۔

خود بھی مطالعہ کیجئے اور احباب کو بھی شوق دلایئے۔ —— سفید کاغذ بہترین کتابت و طباعت۔ اعلیٰ جلد بندی قیمت -/۱۷ روپے تین نسخے اکٹھے منگوانے پر دس فی صد رعایت یکمشت رقم ارسال کرنے پر محصولڈاک معاف —— ملنے کا پتہ :-

دیگر مطبوعات

سلسلہ سراجیہ	قیمت چار روپے
مقاماتِ عثمانی اردو مفصّل	زیرِ طبع
مقاماتِ سراجیہ	زیرِ طبع
کشکولِ سعدی	زیرِ طبع

مکتبہ سراجیہ، خانقاہ احمدیہ سعیدیہ
موسیٰ زئی شریف۔ ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں (پاکستان)